Scanned with CamScanner

سلاجقہ

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ
اردو بازار لاہور

ناشر: ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ' لاہور
مطبع: مجمد سوار پرنٹنگ پریس' لاہور

اشاعت:

اول: ستمبر ۱۹۷۷ء ۲۰۰۰
دوم: اپریل ۱۹۸۸ء ۱۰۰۰
سوم: فروری ۱۹۹۵ء ۲۰۰۰

قیمت: -/۲۸ روپے

فہرست مضامین

تاریخِ سلاجقہ کے مآخذ ۴۷

نقشہ کی جغرافی تشریح ۵۷

باب اوّل: دَورِ ظہور - ترکستان سے نیشاپور تک، ۶۱

(چوتھی اور پانچویں صدی کے اواسط)

Scanned with CamScanner

باب دوم:

عرضِ ناشر

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی یہ تاریخی تالیف "سلاجقہ" حِصّہ اوّل پہلی بار ۱۹۵۴ء میں طبع ہوئی تھی۔ لیکن قلیل عرصہ میں ہی یہ کتاب فروخت ہو کر بازار میں نایاب ہوگئی، کافی عرصہ تک احباب و قارئین کا تقاضا رہا کہ اس کتاب کو جلد از جلد شائع کیا جائے، لیکن یہ سوچ کر اس کی اشاعت ملتوی ہوتی رہی کہ شاید مصنّف مُحترم کو آئندہ ایسے اوقاتِ فُرصت میّسر آجائیں کہ وہ اِس کتاب کا حِصّہ دوم مکمّل کر سکیں اور پھر اسے یکجا شائع کیا جا سکے۔ لیکن مولانا مُحترم کی روز افزوں عِلمی، جماعتی اور سیاسی سرگرمیاں خصوصًا تفہیم القرآن جیسی بُلند پایہ تفسیر کی تالیف نے انھیں اس کی مہلت ہی نہ دی کہ وہ اس کے حصّہ دوم کی طرف توجّہ دے سکتے۔ یہاں تک کہ ان کی مہلتِ عمر ہی مکمّل ہوگئی اور وہ ہمارے درمیان سے اُٹھ گئے۔ اب ہم تاریخ اسلامی کے طلباء اور شائقین کی اشد ضرورت اور پیہم اصرار کے پیشِ نظر اِس کتاب کے حِصّہ اوّل کو ہی روایتی معیارِ کتابت و طباعت کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ ہمیں اُمّید ہے کہ تاریخِ اسلامی سے شغف رکھنے والے حضرات اِس بُلند پایہ تالیف سے کماحقہٗ استفادہ کریں گے۔

(ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

دیباچہ

دولتِ آلِ سلجوق کی تاریخ اسلام کی عظمت و بزرگی کے ایک نہایت اہم دور کی تاریخ ہے۔ دولتِ عباسیہ کے سیاسی زوال کے بعد جس سلطنت نے ممالکِ اسلامیہ کے بیشتر حصّہ کو ایک مرکز پر جمع کیا، وہ یہی سلجوقی سلطنت تھی۔ اس نے سرحدِ چین سے لے کر سواحلِ بحرِ ابیض تک، اور عدن سے لے کر خوارزم و اَبخاز تک، تمام مسلمان قوموں کو ایک کر دیا، اور ایشیا کے اس بہترین خطہ کو، جو اس وقت نہ صرف اسلامی تہذیب کا، بلکہ تمام عالم کی تہذیب کا علمبردار بنا ہوا تھا، سیاسی انتشار و پراگندگی کی حالت سے نکال کر پھر اس قابل بنا دیا کہ وہ انسانی تمدّن کی تعمیر میں اپنے حصّہ کا کام پورا کرے لیکن اس سے زیادہ جو چیز اس سلطنت کی تاریخ کو ہمارے لیے اہم بناتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کا دور، مسلمانوں کے تقدم و پیش روی کا آخری دور ہے۔ اس زمانے میں ہم آخری مرتبہ مسلمانوں کو عالمِ انسانی کے امام اور رہنما کی حیثیت سے تمام قوموں کے آگے آگے چلتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ طاقت و ثروت، تہذیب و مدنیت، علم و فن، تحقیق و اجتہاد، اخلاق و روحانیت، غرض ہر اعتبار سے مسلمانوں کی فوقیت و برتری اس دور کے ساتھ ختم ہوتی ہے۔ اس کے بعد

اگرچہ مدتوں تک اسلامی تہذیب کے چشمے اُبلتے رہے، بڑے بڑے علماء پیدا ہوتے، بڑے بڑے فاتح اور مدبر اٹھے، بڑی بڑی سلطنتیں قائم ہوئیں، ہندوستان، مصر، اور روم میں بڑی بڑی پُر رونق محفلیں گرم ہوئیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ فتنۂ تاتار کی مہلک ضرب کھا کر پیران اسلام کے دل و دماغ اور دست و پا کی قوت اس بری طرح سلب ہوئی کہ پھر وہ دُنیا کی اجتماعی زندگی میں بالا دست اور فرمانروا کی حیثیت برقرار نہ رکھ سکے۔ اس لحاظ سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سلاجقہ کی تاریخ، اسلام کے آخری عہد زرین کی تاریخ ہے اور تاریخِ عالم میں وہ اپنا ایک خاص درجہ رکھتی ہے۔

تاریخِ سلاجقہ کے اَدوار

اِس عہد کا آغاز پانچویں صدی ہجری کی ابتداء سے ہوتا ہے اور ساتویں صدی کے ساتھ اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ کم و بیش تین سو برس کی اس مدت میں سلاجقہ کی قوت بہت سے نشیب و فراز سے گزرتی ہے۔ ۴۲۹ھ / ۱۰۳۷ء سے ۵۵۲ھ / ۱۱۵۷ء (۱۲۳ سال) کا زمانہ ان کا بہترین زمانہ ہے، جس میں طُغرل، اَلپ اَرسلان، ملک شاہ، بَرکیارُق، محمد اور سَنجر فرمانروا تھے۔ یہ لوگ تاریخ کی زبان میں سلاجقۂ عظام کہلاتے ہیں۔ ان کے بعد یہ عظیم الشان سلطنت منتشر ہو جاتی ہے اور مختلف اسلامی ممالک پر کچھ سلجوقی غلام، اور کچھ سلجوقی شہزادے اپنی خود مختار ریاستیں قائم کر لیتے ہیں۔ ان میں سے خالص سلجوقی ریاستیں کرمان، عراق، شام اور روم کی ہیں جن کو علی الترتیب سلاجقۂ کرمان، سلاجقۂ عراق، سلاجقۂ شام اور سلاجقۂ روم کہا جاتا ہے۔ یہ سب ریاستیں سلاجقۂ عظام کے

عہد میں مختلف تاریخوں سے شروع ہوتی ہیں، اور اس کے بعد مختلف تاریخوں پر ختم ہو جاتی ہیں، جن کی کیفیت ذیل کے نقشے سے معلوم ہو سکتی ہے:

سلاجقۂ عراق و کردستان	۵۱۱ھ / ۱۱۱۷ء	۵۹۰ھ / ۱۱۹۴ء
سلاجقۂ شام	۴۸۷ھ / ۱۰۹۴ء	۵۱۱ھ / ۱۱۱۷ء
سلاجقۂ کرمان	۴۳۳ھ / ۱۰۴۱ء	۵۸۳ھ / ۱۱۸۷ء
سلاجقۂ روم	۴۷۰ھ / ۱۰۷۷ء	۷۰۰ھ / ۱۳۰۰ء

انہی بڑے اور چھوٹے سلجوقیوں کے زمانہ کی حالت اس کتاب کا موضوع ہے۔ لیکن مؤرخانہ ذوق کی رعایت سے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سلسلے کی پچھلی اور اگلی کڑیوں کو جوڑنے کے لیے یہ بتا دیا جائے کہ سلاجقہ نے کن سے ملک پایا اور کن کے لیے اس کو چھوڑ گئے؟ نیز یہ کہ دولتِ سلجوقیہ کے قیام کے وقت اسلامی دنیا کی سیاسی حالت کیا تھی؟ سلجوقیوں کے آنے سے اس میں کیا تغیر ہوا؟ ان کی سیاست کے خاص اور نمایاں پہلو کیا ہیں؟ اور منظرِ تاریخ سے رخصت ہوتے وقت انہوں نے اسلامی دُنیا کو کس حالت میں چھوڑا؟ ان اُمور کے متعلق ابتداء میں ایک مجمل بیان پڑھ لینے سے تاریخ کا متعلم سلاجقہ کے عہد سے اچھی طرح روشناس ہو جائے گا اور ان کی داستان بخوبی سمجھ سکے گا۔

دولتِ عباسیہ کا انحطاط

معلوم ہے کہ عباسیوں نے سلطنت حاصل کرنے کے لیے عربی خلافت عجمیوں کو استعمال کیا تھا، اور انہی کی مدد سے اُمَوِی خلافت کو مٹا کر ہاشمی خلافت قائم کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ یہ عجمی عنصر ابتداء میں تو عباسی

خلفاء کی پُشت پناہ تھا، مگر آگے چل کر اس میں عرب کے خلاف عجمیت کی اپرٹ پیدا ہو گئی (یا یُوں کہیے کہ اُبھر آئی) اور بڑھتے بڑھتے اس نے اتنی قوت پیدا کرلی کہ اہلِ عجم خسرو پرویز اور نوشیرواں کے عہد کے خواب دیکھنے لگے۔ مامون اور امین کی باہمی خانہ جنگی میں یہ عربی اور عجمی عنصر بالکل دو متقابل کے عنصر تھے اور گویا مامون و امین کے لیے نہیں بلکہ عربی اور عجمی عصبیت کے لیے لڑ رہے تھے۔ مُعتصِم کے عہد تک پہنچتے پہنچتے ان کی باہمی کشمکش اور توڑ جوڑ نے سلطنت کے لیے ایک نمایاں خطرہ پیدا کر دیا، اور عنانِ سلطنت ہاتھ میں لیتے ہی اس کے سامنے سب سے پہلے اور سب سے اہم جو مسئلہ پیش ہوا وہ یہی تھا کہ ان دو متضاد عنصروں کے تصادم کو روکنے اور ان کی بڑھتی ہوئی قوت کو دبانے کے لیے کیا تدابیر اختیار کی جائیں۔ مُعتصِم نے اس کا بہتر علاج یہ سمجھا کہ ان کے خلاف ایک تیسرے (یعنی ترکی) عنصر کو مضبوط کرے[1] جو ضرورت کے وقت عرب

[1] خلفاء عباسیہ میں بنی امیہ کے برعکس مختلف قوموں کا خون شامل تھا۔ کسی کی ماں عرب تھی، کسی کی ترک، کسی کی ایرانی، کسی کی بربری اور کسی کی صَقلبی۔ ان ماؤں کو اپنے بیٹوں پر اکثر غیر معمولی اثر حاصل ہوتا تھا، جس کے باعث وہ بسا اوقات انہی کی قوم کی طرف مائل ہو جاتے تھے، اور ان کو اپنے سیاسی منصوبوں کے لیے اپنی ننھیال ہی میں مددگار میسّر آتے تھے۔ امین کی ماں عربیہ تھی، وہ عربیت کا دلدادہ تھا اور سلطنت کا عربی عنصر اس کا حامی تھا۔ مامون کی ماں ایرانیہ تھی، وہ ایرانیوں کی طرف مائل تھا اور ایرانیوں ہی کی مدد سے اس نے عرب کا زور توڑ کر تخت حاصل کیا۔ معتصم کی ماں ص

اور عجم دونوں کی قوت کو دبانے کے لیے سلطنت کے کام آسکتا ہو۔ سیاسی اعتبار سے یہ چال جس قدر مفید تھی اسی قدر خطرناک بھی تھی۔ کیونکہ دو مخالف طاقتوں کے درمیان توازن قائم کرنے کے لیے کسی تیسری طاقت کو کھڑا کرنا صاف طور پر یہ معنی رکھتا تھا کہ سلطنت کا اصلی اقتدار اسی کے ہاتھ میں ہو۔ اس پر بھی اگر یہ احتیاط کی جاتی کہ وہ تیسری طاقت مختلف قوموں اور نسلوں کے آدمیوں سے مرکّب ہوتی اور ہوشیاری کے ساتھ ان کو ایک دوسرے سے جُدا رکھنے کی کوشش کی جاتی، تو اس تدبیر کے خطرات بہت کچھ کم ہو سکتے تھے[1]۔ لیکن معتصم اس نکتہ کو نہ سمجھ سکا اور اس نے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک ہی قوم کے غلاموں کو جمع کر کے ایک زبردست فوج مرتّب کی، جو قومی و نسلی وحدت کی بنا پر بہت جلد عجم و عرب کی حریف بن گئی[2]۔ یہ فوج ایک ایسا طاقتور آلہ

ص۔ ترکیہ تھی، اس کا میلان ترکوں کی طرف ہوا اور اپنی اس تدبیر کے لیے اس نے انہی کو منتخب کیا۔

[1] اس میں شک نہیں کہ معتصم نے مَغَارِبہ کی بھی ایک فوج بھرتی کی تھی، مگر وہ کسی شمار میں نہ تھی۔ اُسے بھرتی کرنے سے نہ تو یہ مقصود تھا کہ ترکوں کے مقابلے میں اسے توازن قائم کرنے کے لیے استعمال کیا جائے، اور نہ اسے اتنی قوت دی گئی کہ وہ کسی بڑے مقصد کے لیے استعمال کی جا سکتی۔

[2] اس جدید ترکی عنصر کے عروج میں اسلامی سیاست و تمدن کے لیے سب سے بڑا نقصان یہ تھا کہ ان لوگوں میں اسلامی تہذیب کو قبول کرنے کی صلاحیت بہت کم ۴

تھی جسے استعمال کرنے کے لیے اُس سے زیادہ طاقتور ہاتھ درکار تھا۔ مگر بدقسمتی سے مُعتصم کے جانشینوں میں کوئی اس قابل نہ نکلا کہ اسے استعمال کرنا تو درکنار کم ازکم اس کی مضرت ہی سے سلطنت کو محفوظ رکھ سکتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو قوت دوسروں کو دبانے کے لیے مہیا کی گئی تھی اس نے خود اپنے مہیا کرنے والوں کو دبا لیا اور سلطنت کے اصل مالک عباسیوں کے بجائے ان کے ترکی غلام بن گئے۔[۱]

سلطنت کی قطع و بُرید

یہ تیسری صدی ہجری کے رُبعِ اوّل کا زمانہ ہے۔ مُعتصم کی زندگی ہی میں اس خطرناک سیاسی چال کے بُرے نتائج ظاہر ہونے شروع ہو گئے تھے اسے ترکوں کے لیے ایک الگ شہر (سامَرّا یا سُرّمن رائی) بسانا پڑا، کیونکہ بغداد کے مہذب باشندے ان وحشی فوجیوں کے ساتھ گزر نہیں کر سکتے تھے۔ پھر عین اس وقت جب کہ معتصم رومیوں کے خلاف فیصلہ کُن جہاد کر رہا تھا، دارالخلافہ میں اس کے عَزل اور قتل کی سازش ہوئی، جس کا اصلی محرک انہی ترکوں کی بڑھتی ہوئی قوت کے خلاف اُمرائے سلطنت کا جوشِ غضب تھا۔ آخر میں معتصم کے محبوب ترکی سردار اَفشِین کی سازش نے یہ بھی ظاہر کر دیا کہ

۱۔ تھی، ان کی بدوِیت مسلمانوں کی حضریت کا ساتھ نہ دے سکتی تھی، حتیٰ کہ ان میں سے ایک معتد بہ جماعت سچے دل سے مسلمان بھی نہ تھی اور محض دولت و حکومت کی خاطر اس نے منافقانہ اظہارِ اسلام کر دیا تھا، چنانچہ اَفشِین کا قصہ مشہور ہے۔

اس پودے سے آئندہ کس قسم کے پھل پیدا ہونے والے ہیں۔ معتصم کے بعد واثق کے لیے موقع تھا کہ وہ اس بڑھتے ہوئے خطرے کی روک تھام کرتا، مگر وہ اپنے باپ کی پالیسی پر آنکھ بند کر کے چلتا رہا، اور اپنی سلطنت کے مختصر عہد میں اس نے ترکی عنصر کو اس قدر مضبوط کر دیا کہ اس کے انتقال کے بعد جب اس کی جانشینی کا سوال پیش ہوا تو ترکی سردار وصیف نے تمام عمائدِ سلطنت کے علی الرغم متوکل کی حمایت کی اور اسے تخت نشین کرانے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ترکی عنصر نے تختِ خلافت کی وراثت کے مسئلہ میں مداخلت کی[۱]۔ اس کے بعد پوری ایک صدی تک ترکی غلام سلطنت کے مالک بنے رہے اور خلفاء کو کٹھ پتلیوں کی طرح اٹھاتے اور گراتے رہے[۲]۔ متوکل کو انہوں نے قتل کیا، مُستعین کو انہوں نے اتنا تنگ کیا کہ وہ سامَرّا سے بغداد بھاگ گیا، اور جب وہ ان کے بلانے پر بھی نہ آیا تو انہوں نے اسے معزول کر کے قتل کر دیا۔

۱۔ اگرچہ اس وقت وصیف کی مداخلت بالکل جائز بنیاد پر تھی، مگر اس نے آئندہ کے لیے فوج کی ناجائز اور نہایت خطرناک مداخلتوں کا دروازہ کھول دیا۔

۲۔ مشہور ہے کہ جب معتز باللہ تختِ خلافت پر بٹھایا گیا تو اس کے بعض اُمرائے دربار نے منجموں کو بُلا کر دریافت کیا کہ خلیفہ کی کتنی عمر ہو گی اور کب تک حکمرانی کرے گا؟ اس پر ایک ظریف نے کہا کہ میں ان منجموں سے زیادہ اس کو جانتا ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ تم ہی بتاؤ۔ اس نے جواب دیا کہ "جب تک ترک چاہیں"۔

مُعْتَز کو انہوں نے نہایت ذلت کے ساتھ معزول، قید اور قتل کیا[1]۔ مُہتدی نے اُن کا زور توڑنے کی کوشش کی تو انہوں نے اس سے جنگ کی اور گرفتار کر کے قید کر دیا۔ قاہر کو انہوں نے معزول کر کے اندھا کیا اور مُتقی کو اندھا کر کے معزول کر دیا۔ اس زمانہ میں بغداد کے اصلی فرمانروا خلفاء نہیں بلکہ خلفا کے یہی آقا صفت غلام تھے[2]۔

طاہریہ

ترکی غلاموں کے اس غلبہ سے ناراض، اور مرکزی حکومت کی اس کمزوری سے جری ہو کر مختلف اسلامی صوبوں کے ترکی، عربی اور عجمی گورنر خود سری اور خود مختاری

---

[1] مُعْتَز کے ساتھ ان کا سلوک بڑا ہولناک تھا۔ وہ اس کے کمرے سے اسے ٹانگ پکڑ کر باہر کھینچ لائے، اسے ڈنڈوں سے پیٹا، اس کے کپڑے پھاڑ ڈالے، اُسے دھوپ میں کھڑا کیا، وہ بے چارہ ایک پاؤں رکھتا اور دوسرا پاؤں اٹھاتا تھا، پھر اُسے مارتے ہوئے لے گئے اور تین دن تک اسے بے آب و دانہ قید رکھا، اس کے بعد اسے ایک تہ خانے میں بند کر کے اس کا دروازہ چُن دیا۔

[2] اس میں شک نہیں کہ وزارت اس زمانہ میں بھی ایرانی مدبروں کو حاصل رہی۔ ابن وہب، ابن الفرات، علی بن عیسیٰ اور ابن مُقلہ وغیرہ اسی عہد کے مشہور وزرا گزرے ہیں۔ مگر یہ وزراء ترکوں کے مقابلہ میں بے بس تھے۔ کیونکہ فوجی قوت اُن کے ہاتھ میں تھی اور اُن کے مالی مطالبات انہیں بے چون و چرا پورے کرنے پڑتے تھے، ورنہ اُن کا اس سے زیادہ بُرا حشر ہوتا تھا جو خلفاء کا بیان کیا گیا ہے۔

پر آمادہ ہونے لگے۔ آہستہ آہستہ انہوں نے اپنی الگ ریاستیں قائم کرنی شروع کر دیں اور دولتِ عباسیہ کی قطع و برید شروع ہو گئی۔ سب سے پہلے خراسان کے گورنر طاہر بن عبداللہ نے خود مختاری کا رنگ اختیار کیا۔ سنہ ۲۳۰ھ/۸۴۴ء میں جب اس کے باپ عبداللہ کا انتقال ہوا تو واثق نے اسحٰق بن ابراہیم المُصعبی کو خراسان کا والی بنانا چاہا، مگر طاہر کی جڑیں مضبوط دیکھ کر اس کو اپنا حکم منسوخ کرنا پڑا۔ اس طرح خراسان عملاً خود مختار ہو گیا اور اس کی تابعانہ حیثیت صرف اس قدر رہ گئی کہ ایک امیر کے مرنے کے بعد اس کا جانشین محض ضرورتاً اور رسماً خلیفہ سے اپنی جانشینی کی توثیق کرانا ضروری سمجھتا تھا۔

طولونیہ

سنہ ۲۵۴ھ/۸۶۸ء میں احمد بن طولون مصر کا گورنر مقرر کیا گیا اور تھوڑے ہی عرصہ بعد اس نے مصر و شام میں اپنی خود مختار ریاست قائم کر لی جو سنہ ۲۹۲ھ/۹۰۵ء تک اس کے خاندان میں رہی۔

صَفّاریہ

تیسری صدی کے وسط میں یعقوب لیث ایک ٹھٹھیرے نے سیستان میں قسمت آزمائی شروع کی اور سنہ ۲۵۳ھ/۸۶۷ء میں وہ پورے صوبہ کا مالک بن گیا۔ سنہ ۲۵۹ھ/۸۷۳ء میں اس نے طاہریوں سے خراسان چھین لیا اور سندھ سے کے کر فارس اور طبرستان تک اپنی حکومت قائم کر لی۔ آخر میں وہ خود بغداد پر حملہ کے لیے چلا تھا، مگر خلیفہ مُعتمد کے بھائی مُوَفّق سے شکست کھا کر واپس ہوا۔ اس کا خاندان تاریخ میں صَفّاریہ کے نام سے موسوم ہے۔ خود اختیاری کے اعتبار سے

وہ طاہریوں اور طولونیوں کے مقابلہ میں عباسی خلافت کے اثر سے بہت زیادہ آزاد تھا۔ اگرچہ عمرو بن لیث نے بعد میں مصلحتاً خلیفہ معتمد سے خراسان، فارس، کردستان اور سیستان کی ولایت کا پروانہ حاصل کیا، مگر اس کی فرمانروائی جیسی اس پروانہ کے حصول سے پہلے تھی ویسی ہی اس کے بعد رہی۔

علویہ

شمال میں دیلم، طبرستان، اور گیلان کے علاقوں پر علوی خاندان کے سرداروں نے اپنا اثر جمانا شروع کیا، اور ۲۵۰ھ/۸۶۴ء میں حسن بن زید علوی نے باقاعدہ اپنی امامت کا دعویٰ کر کے اپنے نام کا سکہ و خطبہ جاری کر دیا۔ ساٹھ برس سے زیادہ مدت تک یہ علاقے عباسی خلافت سے بالکل آزاد رہے۔ آخر ۳۱۶ھ/۹۲۸ء میں طبرستان کا علاقہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ مگر اس کے بعد بھی گیلان اور دیلم پر ان کے اثرات عرصہ تک باقی رہے۔ انہی کے اثر سے دیلمیوں میں شیعیت پھیلی جنہوں نے بعد میں سوا سو برس تک مشرقی خلافت کے قلب پر حکمرانی کی۔

سامانیہ

تیسری صدی کے وسط میں ماوراء النہر میں سامانی خاندان نے فرمانروائی کا علم بلند کیا۔ صفاری سلطنت کے حائل ہو جانے سے یہ دور دراز صوبہ مرکز خلافت سے منقطع ہو گیا تھا۔ اس فرصت سے فائدہ اٹھا کر سامانی خاندان نے جو طاہریوں کے زیر اثر تھا، اپنی قوت بڑھانی شروع کی یہاں تک کہ ۲۶۱ھ/۸۷۴ء میں جب اسماعیل بن احمد سمرقند کا فرمانروا ہوا تو وہ ایک خود مختار بادشاہ کی طرح آزاد تھا۔ اس نے ۲۹۰ھ/۹۰۳ء میں صفاریہ سے خراسان چھین لیا، اور کاشغر

سے لے کر خلیج فارس کے سواحل تک اور سرحد ہندوستان سے لے کر بغداد کے نواح تک اپنی حدود سلطنت وسیع کر لیں۔ اس کا خاندان ۳۸۹ھ/۹۹۹ء تک حکمران رہا۔

ساجیہ

۲۷۶ھ میں محمد بن ابی الساج آذربیجان کا گورنر مقرر ہوا، جہاں اس نے بہت جلدی مطلق العنانی کا رنگ اختیار کر لیا، اور ۳۱۸ھ/۹۳۰ء تک اس کا خاندان ارمینیہ اور آذربیجان پر حکمران رہا۔ اس کے بعد یہ علاقے دوبارہ بلا واسطہ عباسی اقتدار میں آ گئے۔

زیاریہ

۳۱۶ھ/۹۲۸ء میں مرداویج بن زیار نے طبرستان و جرجان میں علم استقلال بلند کیا اور اصفہان و ہمدان فتح کر کے حلوان تک پھیل گیا۔ مگر اس کے بعد ہی آل بویہ کا اقتدار شروع ہو گیا، اس لیے بنو زیار کی قوت ان کے سامنے دب گئی۔ تاہم جرجان و طبرستان پر پانچویں صدی کے ربع ثانی تک ان کی حکومت رہی۔

اخشیدیہ

خاندان طولونیہ کے بعد ۳۲۳ھ/۹۳۵ء میں مصر پر محمد اخشید نے اپنی آزاد حکومت قائم کی اور ۳۳۰ھ/۹۴۱ء میں شام اور حجاز کو بھی اس میں شامل کر لیا۔ ۳۵۸ھ/۹۶۹ء تک اس کا خاندان اس علاقہ پر حکمران رہا۔

اختیاراتِ خلافت کی تقسیم

اب تک یہ قطع و برید صرف دور دراز کے صوبوں میں ہو رہی تھی اور

مرکزِ حکومت اس سے محفوظ تھا۔ عباسی خلیفہ گو کمزور سہی تاہم بغداد میں عنانِ سیاست کا مالک وہی تھا اور بغداد کے علاوہ عرب، الجزیرہ، آذربیجان، آرمینیہ اور سواحلِ بحرِ ہند تک اس کی بلا واسطہ حکومت قائم تھی۔ لیکن قوت کے بغیر اس بچی کھچی سلطنت کو بھی زیادہ عرصہ تک قبضہ میں رکھنا مشکل تھا۔ چنانچہ الراضی باللہ (۳۲۲ھ/۹۳۴ء - ۳۲۹ھ/۹۴۰ء) کے زمانہ میں واسط و بصرہ کے گورنر محمد ابن الرائق نے خلیفہ کو معاملاتِ سلطنت سے عملاً بے تعلق کر دیا، اور اُس سے امیر الامراء کا لقب حاصل کر کے سلطنت کی قوتیں اس طرح اپنے لیے مخصوص کر لیں کہ خلیفہ کی حیثیت ایک وظیفہ خوار روحانی رئیس سے زیادہ نہ رہی[1]۔ کچھ عرصہ بعد یہ امیر الامرائی کا منصب بھی ترکی غلاموں کی طرف منتقل ہو گیا اور خلیفہ کی حکومت قصرِ خلافت تک محدود ہو کر رہ گئی۔

اُمویوں کا دعوائے خلافت

اسی زمانہ میں اُندلس کے اموی فرمانروا عبدالرحمٰن ثالث نے، جو ۳۱۶ھ میں قُرطُبہ کے تخت پر متمکن ہوا، اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ گو اُندلس کی حکومت نے پہلے بھی عباسی خلافت کو کبھی تسلیم نہیں کیا تھا[2]، تاہم وہ اب تک عباسیوں کے مقابلہ میں خلافت کا علانیہ دعویٰ کرنے سے محترز رہی تھی۔ مگر جب مشرقی خلافت نے اپنا

[1] امیر الامرائی کا منصب دراصل سالاریِ فوج کا منصب تھا مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اس کا دائرۂ اثر فوج سے گزر کر تمام امورِ سیاست پر حاوی ہو گیا تھا، خصوصاً دَیلمیوں کے عہد میں تو ان امیر الامراؤں نے سلطنت سے خلفا کو بالکل ہی بے دخل کر دیا تھا۔

[2] کبھی کبھی مصلحت اور ریا کے طور پر اس کے خلاف جو واقعات ظاہر ہوئے ہیں ان سے

رہا سہا اقتدار بھی کھو دیا تو اس کے مغربی حریفوں کو کھلم کھلا اپنے ہی ملکوں کا [illegible] کرنے کی جرأت ہو گئی۔ یہ پہلی ضرب تھی جو عباسی خلافت پر لگی۔ اس سے پہلے خلافت محفوظ تھی، صرف سلطنت پر ضربیں لگ رہی تھیں۔

آلِ بُوَیہ کا ظہور

اس کے بعد پے بہ پے وہ واقعات اور پیش آئے جنہوں نے "سُنّی"[1] خلافت کو بالکل نیم مُردہ کر دیا۔ ان میں سے پہلا واقعہ آلِ بُوَیہ کا ظہور تھا اور دوسرا فاطمیین کا مشرقِ ادنیٰ کی طرف اقدام۔ مقدم الذکر خاندان دَیلم کے جنگ آزما قبائل میں سے تھا اور اپنا تعلق ایران کے قدیم ساسانی خاندان سے ملاتا تھا۔ چوتھی صدی کی فتنہ پرور آب و ہوا نے اس کے اندر بھی قسمت آزمائی کا ولولہ پیدا کیا اور اس کا بانیِ اوّل ابو شجاع بُوَیہ گمنامی کے گوشہ سے نکل کر ناموری اور اقتدار کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ ابتداءً علویوں اور سامانیوں کی باہمی لڑائیوں میں حصہ لینے کے سبب سے اس کی قوت مضبوط ہوئی، پھر اس کے تین بیٹے علی، حسن، اور احمد طَبَرِستان و جُرجان کے فرمانروا مَرداویج بن زیار کی ملازمت میں داخل ہو گئے۔ اس کو کچھ زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا کہ انہوں نے مرداویج سے الگ ہو کر خود اپنے حساب میں ملک گیری کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور ۳۲۰ھ/۹۳۲ء اور ۳۲۳ھ/۹۳۵ء کے

ص۔ یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ کبھی امویۂ اندلس نے عباسیۂ بغداد کو فی الواقع جائز خلیفہ تسلیم کیا تھا۔

[1] یہاں "سُنّی" خلافت کا لفظ "شیعی" یا "فاطمی" امامت کے مقابل استعمال کیا گیا ہے۔

درمیان ان تینوں نے اصفہان، شیراز اور آرجان تک اپنے حدودِ اثر کو وسیع کر لیا۔ اب علی، فارس کا مالک تھا، حسن، الجبال کا اور احمد مشرق و مغرب کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ۳۲۴ھ/۹۳۵ء میں اس نے کرمان فتح کیا، اور ۳۳۴ھ/۹۴۵ء میں بڑھتے بڑھتے خود بغداد میں داخل ہو گیا۔ خلیفہ مُستکفی کے لیے سرِ تسلیم خم کرنے کے سوا کیا چارہ تھا۔ اس نے احمد کو امیر الاُمرائی کا منصب اور مُعِزّ الدولہ کا خطاب بخشا، اور اس کے دونوں بھائیوں کو بھی فارس اور الجبال کی حکومت کا پروانہ عطا کر دیا۔ علی کو دربارِ خلافت سے عماد الدولہ کا خطاب ملا اور حسن کو رکن الدولہ کا۔ اس طرح بغداد پر آلِ بُویہ کی حکومت قائم ہو گئی اور تقریباً ایک صدی تک وہ الجزیرہ، عراق، اور مغربی ایران پر حکمران رہے۔ انہوں نے ترکی غلاموں کے اقتدار کو ختم کر دیا، ملک میں ایک باضابطہ حکومت قائم کی اور تہذیب و تمدّن کی ترقی میں بہت کچھ حصّہ لیا۔ لیکن مذہبًا وہ شیعی تھے اس لیے سُنّی خلیفہ پر جس کی خلافت کو وہ اعتقادًا تسلیم نہ کرتے تھے، اور بیشتر سُنّی آبادی رکھنے والے علاقوں پر اُن کے تسلُّط نے ایک طرف عبّاسی خلافت کی جڑیں کمزور کر دیں اور دوسری طرف مذہبی اختلافات کی آگ مشتعل کر دی۔ ان کے زمانہ میں بہت سی ایسی رسمیں جاری ہوئیں جو سُنّیوں کے نزدیک بدعاتِ سیّئہ میں داخل تھیں۔ انہی کے زمانہ میں دسویں محرّم کو عام ماتم کا دن مقرر کیا گیا، تعزیہ داری کی رسم نکلی، اور خلفائے ثلاثہ پر علانیہ سبّ و شتم کا سلسلہ شروع ہوا۔ ان باتوں پر سُنّیوں اور شیعوں کے درمیان سخت جھگڑے ہوتے اور بغداد کے بازار دونوں فرقوں کی سر پھٹول سے اکثر ہنگامہ زار رہنے لگے۔[1]

[1] حاشیہ ص ۲۹ پر دیکھیں۔

فاطمیین کا ظہور

ایک طرف شیعی سلاطین سُنّی خلافت کے مرکز پر قابض تھے۔ دوسری طرف شمالی افریقہ سے فاطمی خاندان کے مدعیانِ خلافت، جو عباسیوں کے اصلی حریف تھے، سیلاب کی طرح مصر و شام اور حجاز کی جانب بڑھے۔ ۳۵۶ھ/۹۶۹ء میں انہوں نے مصر فتح کیا۔ چند سال بعد شام اور حجاز بھی ان کے قبضہ میں چلے گئے[2] اور مکہ و مدینہ تک میں عباسی خلیفہ کے بجائے فاطمی خلیفہ کا خطبہ جاری ہو گیا۔ یہ

(حاشیہ صفحہ سابق) [1] تاریخ کا یہ ایک نازک سوال ہے کہ جب آلِ بُویہ کو سلطنت عباسیہ کے قلب پر کامل اقتدار حاصل ہو چکا تھا تو انہوں نے عباسی خلیفہ کو معزول کر کے مصر کے فاطمی خلفاء کی اطاعت کیوں نہ اختیار کر لی؟ میرے نزدیک اس کے دو وجوہ تھے۔ ایک یہ کہ آلِ بُویہ باایں ہمہ طاقت و شوکت اتنے قوی بازو نہ تھے کہ مشرقی دنیائے اسلام کے سوادِ اعظم کے علی الرغم عباسی خلافت کی بیخ کنی کر سکتے۔ خود ان کی سلطنت میں آبادی کا بیشتر حصہ سُنّی تھا، اور ان کی سلطنت سے متصل جتنے اسلامی ممالک تھے وہ سب سُنّی عقیدے کے پیرو تھے، اس لیے صرف یہی نہیں کہ ان کو عباسی خلافت سے تعرّض کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی، بلکہ فعلًا وہ مقامِ خلافت کے آگے سرِ اطاعت خم کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ خود ان کے مصالح بھی اس کے مقتضی نہ تھے کہ کسی فاطمی کو خلیفہ تسلیم کریں۔ چنانچہ جب معز الدولہ کو مصری خلیفہ سے بات کرنے کا مشورہ دیا گیا تو اس نے اس بنا پر اس سے احتراز کیا کہ اس کی فوج اور ارکانِ دولت میں سب شیعہ تھے جو دل سے فاطمیین کو سچّی خلافت کا حق دار سمجھتے تھے، اس لیے اسے اندیشہ تھا کہ اگر ان لوگوں نے فاطمی خلیفہ سے بیعت کر لی تو اس کا اور اس کے خاندان کا کوئی اقتدار باقی نہ رہے گا۔

سب سے بڑا صدمہ تھا جو عباسی خلافت کو پہنچا۔ حکومت و سلطنت چھن جانے کے بعد عباسیوں کے پاس سکہ و خطبہ ہی ایک ایسی چیز باقی رہ گئی تھی جس سے عالمِ اسلامی پران کا اثر و اقتدار قائم تھا۔ اس کو پہلا صدمہ اندلس کے اُمویوں نے پہنچایا مگر وہ ایسا کچھ زیادہ شدید نہ تھا، کیونکہ اندلس پہلے بھی عباسی خلافت کے زیرِ اثر نہ تھا۔ لیکن یہ دوسری ضرب ایسی تھی جس نے عباسی خلافت کو حالتِ نزع تک پہنچا دیا۔ یہاں صرف یہی نہ تھا کہ مصر اور شام جیسے اہم اسلامی ممالک خلافتِ عباسیہ کے اقتدار سے نکل گئے تھے، بلکہ اس سے شدید تر مصیبت یہ تھی کہ خاص مکہ اور مدینہ میں، جو دنیائے اسلام پر روحانی و دینی اقتدار کے اصلی مرکز تھے، حریف خلیفہ کا خطبہ جاری ہو چکا تھا جس کے بعد عباسیوں کی خلافت بالکل نیم جان ہو کر رہ گئی تھی۔ اس پر مزید یہ کہ آخر زمانہ میں ایک وقت ایسا بھی آگیا کہ عباسی خلیفہ کو بغداد چھوڑ کر بھاگنا پڑا اور اس کے عین دارالخلافہ میں کامل ایک سال تک مصر کے شیعہ خلیفہ کا خطبہ پڑھا جاتا رہا۔

غزنویہ

چوتھی صدی کے آخر میں غزنی سے ایک دوسری قوت اُٹھی جس نے ہندوستان سے لے کر عراق تک پورے وسط ایشیا کو زیر و زبر کر دیا۔ یہ سبکتگین کے بیٹے محمود کی قوت تھی۔ اُس نے ۳۸۸ھ/۹۹۸ میں غزنین کے تخت پر بیٹھنے کے بعد دولتِ سامانیہ کی برائے نام اطاعت کا جُوا اتار پھینکا، براہِ راست خلیفہ سے خراسان اور غزنی کی حکومت کا پروانہ حاصل کیا اور تقریباً ۳۲ سال کے اندر اپنی سلطنت پنجاب، افغانستان، ماوراء النہر، خراسان، رَے اور اصفہان تک وسیع

کرلی۔ اس اولوالعزم فاتح کا طاقتور ہاتھ اسلامی دنیا کی ان سیاسی گتھیوں کو سلجھانے کی پوری قدرت رکھتا تھا جن میں وہ اس وقت اُلجھی ہوئی تھی۔ لیکن اس نے اپنی قوت کو ملک گیری کے کام میں صرف کرنا زیادہ پسند کیا اور عالمِ اسلامی کے مسائل کو ایک دوسری طاقت کے لیے چھوڑ دیا جو اس کی زندگی ہی میں اُبھرنی شروع ہو گئی تھی، اور جو اس کے مرتے ہی اسلامی سیاست کے اسٹیج پر نمودار ہو گئی۔

سلجوقیوں کی آمد

یہ نوخیز قوت انہی سلجوقیوں کی تھی جن کی تاریخ اس کتاب کا موضوعِ بحث ہے۔ پانچویں صدی کی ابتدا تھی جبکہ یہ سیدھے سادھے ترکمان شمال کے غیر متمدن علاقوں سے جنوب کی طرف بڑھے جہاں کے بگڑے ہوئے حالات کی اصلاح کے لیے ان کے تازہ اور گرم خون کی ضرورت تھی۔ صدی کی پہلی چوتھائی انہوں نے سیاسی طاقت بہم پہنچانے میں صرف کی، دوسری چوتھائی میں تختِ شاہی پر جلوہ گر ہوئے، اور تیسری چوتھائی میں وہ پورے مشرقی علاقوں کے مالک تھے۔ ان کی آمد کے وقت مشرقی خلافت کی سرزمین جس طرح منتشر طاقتوں میں بٹی ہوئی تھی اس کی کیفیت ذیل کے نقشہ سے معلوم ہو سکتی ہے:

غزنویہ = افغانستان، خراسان، خوارزم، الجبال، رے وغیرہ۔
ایلکیتہ = ماوراء النہر، ترکستان۔
بنو کاکویہ = اصفہان، ہمدان، یزد، نہاوند۔
زیاریہ = جُرجان، طبرستان۔

آل بُویہ = عراق، فارس، کرمان، الجزیرہ۔

بنوعُقیل = مَوصِل، مدائن، اَنبار، بادیۂ شام۔

بنومرداس = حَلَب، الرَّحبہ، الرَّقّہ، مَنبج۔

بنومروان = دیارِبکر، کیفا، میّافارقین۔

بنومَزید = حُلّہ، بادیۂ عراق۔

فاطمیین مصر = شام، حجاز

ابتدائے امرِ سلاجقہ میں دنیائے اسلام کی سیاسی حالت

ان میں سے غزنویہ اور بنوہ کاکویہ صرف اس حد تک عباسی خلیفہ کے مطیع تھے کہ ان کے فرمانروا اپنی رعایا کو مطمئن کرنے کے لیے اس سے اپنی حکومت کو تسلیم کرا لیتے تھے۔ آل بُویہ مذہبًا شیعی ہونے کے سبب عباسی خلافت کو تسلیم ہی نہیں کرتے تھے، اِس لیے فی الحقیقت نہ وہ اس کے مطیع تھے اور نہ اس کا احترام ملحوظ رکھتے تھے، مگر سیاسی حالات نے انہیں اظہارِ اطاعت اور اظہارِ احترام پر مجبور کر رکھا تھا۔ بنوعُقیل عباسی خلافت اور بُویہی سلطنت کے تابع مگر عملاً خودمختار تھے۔ بنومرداس شیعہ تھے اور فاطمی خلیفہ کے حلقہ بگوش تھے۔ فاطمیہ مصر خلفائے عباسیہ کے علانیہ حریف تھے اور ان کی طاقت اتنے عروج پر تھی کہ ایک مرتبہ بغداد تک میں ان کا خطبہ پڑھا گیا، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ مرکزی قوت کے اس طرح معطّل ہو جانے، ممالکِ اسلامیہ کے مختلف سلطنتوں اور ریاستوں میں منقسم ہو جانے اور آپس کی لڑائیوں کی بدولت متواتر بدامنی برپا رہنے کا یہ قدرتی نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کی ثروت، سیاست، اور تہذیب،

زوال و سقوط کی جانب مائل ہونے لگی۔ اسلامی تہذیب و تمدن کے مختلف مرکزوں کے درمیان آمد و رفت کی آسانیاں کم ہو گئیں۔ طلبِ علم اور تحقیقاتِ علمی کے لیے سیر و سیاحت کی مشکلیں بڑھ گئیں۔ سیاسی انقلابات اور سلطنتوں کی باہمی کشمکش نے معاشی زندگی کا نظام ایک بڑی حد تک مختل کر دیا۔ اور مجموعی طور پر اس سے نہ صرف اسلامی تمدن کی بڑھتی ہوئی ترقی سُست ہو گئی،[1] بلکہ اس کے ساتھ ہی دنیا کی بین الاقوامی سیاست میں مسلمانوں کا رُعب داب بھی بہت کچھ کم ہو گیا۔ چنانچہ وہی سلطنتِ روم جو مُعتصم کے ہاتھوں مٹتے مٹتے بچی تھی، اب اس قدر جری ہو گئی تھی کہ اس نے جنوب میں اَنطاکیہ تک اور مشرق میں آرمینیہ تک اپنی حدود وسیع کر لی تھیں اور بسا اوقات اس کے فوجی دستے جزیرۂ ابن عمر اور راس العَین تک چھاپے مارتے ہوئے چلے آتے تھے۔

سلاجقہ کی آمد سے کیا انقلاب ہوا؟

ان حالات میں آلِ سلجوق نے خراسان کی طرف پیش قدمی شروع کی۔

---

[1] گو اس وقت اسلامی تمدن میں جوانی کا زور تھا جس کے باعث اس کی صحت میں ان امراض سے کوئی نمایاں انحطاط پیدا نہیں ہوا، لیکن اس کے باوجود سیاسی احوال کی پراگندگی کے قدرتی نتائج سے نہ وہ بچ سکتا تھا اور نہ کوئی طاقتور سے طاقتور تمدن بچ سکتا ہے۔ کم از کم اس حقیقت کو تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ نظامِ سیاست کے ایک مرکز پر رہنے کی صورت میں اس کی رفتار جتنی تیز ہوتی، اتنی اس عالمِ انتشار و افتراق میں تیز نہ تھی۔

۴۲۹ھ/۱۰۳۷ء میں طغرل بیگ نے خراسان کی بادشاہی کا اعلان کیا۔ چند سال کے اندر بلخ، خوارزم، جرجان، طبرستان، الجبال، ہمدان، دینور، حلوان، رے، اور اصفہان ایک ایک کرکے اس کے تابع ہوتے چلے گئے۔ ۴۴۷ھ/۱۰۵۵ء میں اس نے خود دارالخلافہ بغداد پر قبضہ کیا، اور اپنے سفرِ آخرت سے پہلے، جیحون سے فرات تک اپنی سلطنت وسیع کرلی۔ اس کے بعد اَلپ اَرسلان نے اس سلطنت کو مشرق میں خجند تک اور مغرب میں حلب تک وسیع کیا۔ ایشیائے کوچک کا ایک بڑا حصہ فتح کیا، مکہ و مدینہ میں از سرِ نو عباسی خلیفہ کا خطبہ جاری کیا اور قیصرِ روم کو فاش شکست دے کر اقوامِ عالم میں اسلام کی ہیبت پھر قائم کردی۔ اس کے بعد ملک شاہ کے زمانہ میں یہ سلطنت اپنی وسعت کے انتہائی حدود کو پہنچ گئی۔ مغرب میں بحرِ روم کے سواحل تک، مشرق میں سرحدِ چین تک، جنوب میں یمن تک، اور شمال میں خوارزم اور حدودِ اَبخاز تک تمام اسلامی ممالک ایک حکمران، ایک قانون اور ایک سیاسی نظام کے تابع فرمان ہوگئے۔ تمام مملکت میں کامل امن و سکون ہوگیا۔ تجارت و صنعت کو فروغ ہوا۔ علوم و فنون کے سرچشمے اُبلنے لگے۔ سلطنت کی حمایت و سرپرستی نے اہلِ کمال کی ہمتوں کو تیز کردیا اور تھوڑی ہی مدت میں عالمِ اسلامی کی کایا پلٹ گئی۔ اس دور میں عمید الملک، نظام الملک، مؤیّد الملک، شرف الدین انوشروان بن خالد، کمال الملک اور مجد الدین عزّ الملک جیسے مدبّر پیدا ہوئے۔ قسیم الدولہ آق سُنقر، خاص بک بلنجری، عماد الدین زنگی، اتابک ایلدگز، سعد الدولہ گوہر آئین، صدقہ بن مزید، جیسے فوجی جنرل پیدا ہوئے۔ امام غزالیؒ، ابو اسحٰق شیرازیؒ،

امام الحرمین ابو المعالی الجوینی، عبد الکریم شہرستانی، ابو الحسن فرغانی، ابوبکر شاشی، سیف الدین آمدی، علم الدین سخاوی، اثیر الدین ابہری، عمر خیام، ابن جوزی، ابوبکر سمعانی، زمخشری، میدانی، حریری، راغب اصفہانی، عبد القاہر جرجانی، ابو زکریا تبریزی، ابو البقاء عکبری جیسے علماء و حکماء پیدا ہوئے۔ شیخ عبد القادر جیلانیؒ، خواجہ ابو یوسف چشتیؒ، خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ، ابو القاسم قشیریؒ، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اور شیخ فرید الدین عطار جیسے بزرگانِ دین پیدا ہوئے اور اسلام کے چمن میں وہ پھول کھلے جو اگر نہ کھلتے تو یقیناً اسلامی تہذیب نامکمل رہ جاتی۔

سلجوقیوں کی خصوصیات

سلاطین سلجوقیہ کی وہ خصوصیات جن کی بدولت یہ درخشاں نتائج ظاہر ہوئے یہ تھیں کہ انہوں نے ایک عرصہ تک اپنی بدوی سادگی برقرار رکھی اور حضریت اختیار بھی کی تو صرف اس حد تک کہ ترکمانی فوجیت کی روح مُردہ نہ ہونے پائے۔ مملکت کے نظم و نسق کے لیے انہوں نے دانشمند وزراء کا انتخاب کیا اور انہیں آزادی کے ساتھ انتظام کرنے کا موقع دیا۔ علوم و فنون کی قدر شناسی میں انہوں نے کسی قسم کی کوتاہی نہ کی۔ ان کے ماتحت نیشاپور، اصفہان، بغداد اور دوسرے مقامات پر بڑے بڑے کالج قائم ہوئے، علماء کی خوب ہمت افزائیاں کی گئیں اور سلطنت کی سرپرستی میں تعلیم کو عام رواج دیا گیا۔ ان سب کے ساتھ سیاسی حیثیت سے ایک نہایت اہم بات یہ تھی کہ وہ راسخ العقیدہ سُنّی تھے، اور مذہبی معاملات میں ان کا مسلک جمہورِ اسلام کی مرضی کے مطابق تھا، اس وجہ سے وہ رعایا میں بہت ہردلعزیز تھے۔

مؤرخین نے ان کی اس خصوصیت کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے۔ چنانچہ حمد اللہ مستوفی لکھتا ہے:

"ارباب دول کہ در عہد اسلام بودند اکثر بعیبے چند ملوث بودند چون بنی امیہ بزندقہ و اعتزال و خارجیت، و بعضے از بنی عباس باعتزال، و بنی لیث و آل بویہ برفض، و غزنویان و خوارزمشاہیان وغیرہم بجبارت گوہر۔ اما سلجوق شاہیان ازینہا پاک بودند و سنی و پاک دین و نیکو اعتقاد صاحب خیر مشفق برعیت[1]"

ایک دوسرا مصنف ابن الراوندی لکھتا ہے:-

"درختے کہ بخش تقویت و تربیت دین، و ثمرہ اش بنائے خیرات از مدارس و خانقاہہا و مساجد و رباطہا و پولہا و آبگیرہائے راہ حجاز، و تربیت علما و مجالست زہاد و ابدال، و بذل کردن مال، و آئین عدل را تازہ گردانیدن، و رسم سیاست زندہ داشتن، . . . . . و برکت پرورش علما و علم دوستی و حرمت داشت، سلاطین سلجوق بود، کہ در روئے زمین خاصہ ممالک عراقین و خوراسان علما خاستند، و کتب فقہ تصنیف کردند . . . . چنانک طمعہائے بد دینان منقطع شد و طوعًا او کرہًا فلاسفہ و اہل ملل منسوخ و تناسخیان و دہریان بکلی سر فرمان شریعت و مفتیان امت نہادند . . . . و چون پادشاہ و

[1] تاریخ گزیدہ، طبع لیدن، ص ۴۴۴

زیردست و امیر و وزیر و جملہ لشکر و املاک و اقطاعات بوجہ شرع و مقتضائے فتویٰ ائمۂ دین تصرف می کردند، بلاد معمور و ولایات مسکون ماند[1]"

موجودہ زمانہ میں یہ بات چنداں قابلِ لحاظ نہیں ہے، لیکن جس عہد سے ہم اس وقت بحث کر رہے ہیں، اس میں حکمران کے مذہب کو ملکی سیاست میں خاص اہمیت حاصل تھی اور رعایا کی اکثریت کے خلاف مذہبی عقائد رکھنے والی حکومت کا کامیاب ہونا مشکل تھا۔

خلفائے عباسیہ سے تعلقات

اسلامی سیاست میں سلجوقیوں کی آمد سے ایک خاص تغیر یہ ہوا کہ عباسی خلافت کی بگڑی ہوئی ساکھ ایک حد تک بن گئی۔ اگرچہ انہوں نے عباسیوں کو سیاسی اقتدار تو واپس نہیں کیا، مگر چونکہ وہ مذہبی حیثیت سے ان کی خلافت کو تسلیم کرتے تھے، اس لیے مقامِ خلافت کے احترام، صاحبِ خلافت کی اطاعت و حلقہ بگوشی اور خاندانِ خلافت کی برتری و بزرگی ملحوظ رکھنے میں انہوں نے دوسرے حکمران خاندانوں سے زیادہ سرگرمی کا اظہار کیا۔ ترکی اُمراء اور آلِ بویہ کے زمانہ میں جس طرح خلفاء کو ذلت کے ساتھ معزول کیا جاتا تھا اور انہیں قتل کرنے، اندھا کرنے اور قید کر دینے کے واقعات جس کثرت کے ساتھ پیش آتے تھے، اس کا سلجوقیوں کے زمانہ میں نام و نشان تک نہیں ملتا۔ اس میں شک نہیں کہ بعض مواقع پر جب خلفاء اُن کی سیاست میں مخالفانہ مداخلت کرتے تھے تو ان کی جانب سے بھی سختی برتی

[1] راحت الصدور، طبع لیدن، ص ۲۹-۳۰

جاتی تھی۔ ملک شاہ اور مقتدی کے اختلافات، مُسترشِد اور راشد سے مسعُود کی لڑائیاں، محمد اور مُقتفِی کے مقابلے، اسی قبیل سے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود مجموعی طور پر سلاطینِ سلجوقیہ عباسی خلفاء کے ساتھ ایسے ادب و احترام کا برتاؤ کرتے تھے جس کی مثال دوسری جگہ کم ملتی ہے۔ طُغرل جب پہلی مرتبہ خلیفہ قائم بامراللہ سے ملتا ہے تو قصرِ خلافت کی دہلیز سے پا پیادہ ایوانِ خلافت تک جاتا ہے اور خلیفہ کے سامنے زمیں بوس ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ ملک شاہ جیسا با جبروت فرمانروا خلیفہ مقتدی سے سخت ناراض ہونے کے باوجود اس کے دربار میں اس طرح حاضر ہوتا ہے کہ سُدّۂ شریفہ کے سامنے کئی مرتبہ زمین کو بوسہ دیتا ہے، اس کے بیٹھنے کے لیے کرسی لائی جاتی ہے تو بپاسِ ادب بیٹھنے سے انکار کر دیتا ہے، خلیفہ کے ہاتھ کو بوسہ دینے کی درخواست کرتا ہے اور جب یہ درخواست قبول نہیں ہوتی تو صرف خاتمِ خلافت کو آنکھوں سے لگانے پر قناعت کرتا ہے۔ یہ ان خلفاء کے ساتھ سلجوقی سلاطین کا برتاؤ تھا جو اخلاقی قوت کے سوا کسی قسم کی مادی قوت نہ رکھتے تھے۔ ممکن ہے کہ اس میں کچھ خلوص کا شائبہ بھی ہو مگر اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ان کے اس اظہارِ عقیدت سے جمہورِ اہلِ سنت کے قلوب پر خاص اثر ہوتا تھا اور یہ عام ہر دلعزیزی ان کی سیاسی بنیادوں کے لیے مزید استحکام کی موجب ہوتی تھی۔

سلجوقیوں نے اس اثر کو بڑھانے کے لیے خاندانِ خلافت سے رشتہ داری کے تعلقات بھی قائم کیے تھے[1]۔ چنانچہ طُغرل نے ارسلان خاتون دالپ ارسلان کی

[1] خلفاء سے رشتہ داری کے تعلقات قائم کرنے کی سیاسی اہمیت سے آلِ بُویہ بھی غافل

بہن) کو خلیفہ قائم کے نکاح میں دیا اور خود قائم کی بیٹی سے بڑے اصرار کے ساتھ اپنا نکاح کیا۔ پھر الپ ارسلان نے اپنی بیٹی خلیفہ مقتدی کو دی، اور بعد میں ملک شاہ نے بھی اپنی بیٹی کو اس سے بیاہ دیا۔ ملک شاہ کی ایک دوسری بیٹی سلطان محمد کے زمانہ میں مُستظہِر باللہ سے بیاہی گئی۔ یہ رشتہ داریاں سلطنت اور خلافت کے درمیان ایک مفید رابطہ ثابت ہوئیں اور معاشرت کے ان معاملات نے سیاست میں ایک مناسب عنصر کا اضافہ کیا۔

سلاجقہ کا زوال

اگر قدرت اتنی فیاضی سے کام لیتی کہ ملک شاہ کے بعد کم از کم دو تین فرمانروا اور اسی دل و دماغ کے پیدا ہو جاتے تو یہ ممکن تھا کہ اسلامی دنیا کا زوال اتنا سریع السیر نہ ہوتا جتنا چھٹی اور ساتویں صدی میں ہوا۔ پانچویں صدی کے نصف آخر میں نظام الملک کے انتظام نے جو حالات پیدا کر دیئے تھے، ان سے فائدہ اٹھانے کے لیے دو تین نظام الملک اور ملک شاہ درکار تھے۔ مگر بڑے آدمی اس حیثیت سے اکثر بد قسمت ہوتے ہیں کہ ان کی جانشینی کے لیے کوئی بڑا آدمی میسر نہ آیا۔ ۴۸۵ھ / ۱۰۹۲ء میں ملک شاہ کے مرتے ہی فساد کے مادے، کوہ آتش فشاں کے لاوے کی طرح پھوٹ نکلے۔ ملک شاہ کے چاروں بیٹے محمود، برکیارُق، محمد اور سَنجر باہم جنگ و

— نہ تھے، چنانچہ عضد الدولہ نے الطائع للہ پر بہت زور دیا تھا کہ وہ اس کی بیٹی سے شادی کر لے مگر نہ الطائع نے اسے پسند کیا اور نہ اس کے بعد کے خلفا نے کبھی بُویہی خاندان کی بیٹی لینے پر رضامندی ظاہر کی۔

جدل میں مشغول ہو گئے۔ ترکان خاتون اور تاج الملک کی سازشوں نے ابتداءً اس آگ کو سلگایا اور جب وہ ایک دفعہ سلگ گئی تو پھر ایسی بھڑکی کہ پورے ۱۳ برس تک بھڑکتی رہی، اور اس وقت تک ٹھنڈی نہ ہوئی جب تک اس نے دولتِ سلجوقیہ کے جوہرِ حیات کو پھونک نہ دیا۔ اس طویل خانہ جنگی کے بے شمار نقصانات میں سب سے بڑے نقصان تین تھے جنہوں نے سلجوقی سلطنت کی بنیادوں کو ہلا دیا اور مسلمانوں کی قومی طاقت کو ایسا صدمہ پہنچایا جس کی تلافی پھر نہ ہو سکی۔

باطنی تحریک

پہلا نقصان یہ تھا کہ باطنیوں کی خفیہ تحریک کو دنیائے اسلام میں پھیلنے کا اچھا موقع مل گیا اور اس نے اسلام کے جسم میں پھیل کر وہی اثر دکھایا جو انسان کے جسم میں طاعون کے جراثیم پھیلنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ ملک شاہ کا بالکل آخری زمانہ تھا کہ اس تحریک نے سیاست کے میدان میں قدم رکھا۔ نظام الملک کا قتل اتنا بڑا واقعہ تھا کہ اگر اسی وقت اس کی طرف توجہ کی جاتی تو اسے بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکا جا سکتا تھا۔ مگر ملک شاہ کے جانشین اس کی طرف سے آنکھیں بند کر کے آپس کی لڑائی میں مشغول ہو گئے، اور اس نے چند سال میں اپنا فوجی اور خفیہ نظام اتنا مضبوط کر لیا کہ سلطان محمد اور سنجر اپنی پوری قوت صرف کرنے کے باوجود اسے توڑ نہ سکے۔ اس نے اَلَموُت، طَبَس، زَوزَن، قاین، تُون، شَمکُوہ، خالِنجان، گِردکوہ، خور، خوسَف، اُستُناوَند، شاہ وِژ، اَرَدہَن، قلعۃ الناظر، قلعۃ الطنبور، اور ایسے ہی دوسرے قلعوں میں زبردست فوجی قوت جمع کی۔ خفیہ طریقہ سے مسلمانوں کے بڑے بڑے جنرلوں اور دینی پیشواؤں کو چُن چُن کر

قتل کرنا شروع کیا۔ عبدالرحمٰن سُمَیرمی، آقسُنقُر بُرسقی، جناح الدولہ، قاضی ابو العلاء صاعد نیشا پوری، فخر الملک، قاضی عبدالواحد، امیر مودود، احمدیل بن وَہسُوذان، قاضی ابو سعد الہروی، عبداللطیف خُجندی، خلیفہ مسترشد، خلیفہ راشد، اتابک آق سُنقر بُرسُقی، معین الملک ابو نصر، اور ایسے ہی دوسرے اکابر وقت باطنی فدائیوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ ان کے علاوہ عام مسلمانوں کو بھی بکثرت دھوکے سے قتل کیا گیا۔ صرف اصفہان میں جو سازش سلطان محمد کے زمانہ میں پکڑی گئی تھی اس میں پانچ سو کے قریب مسلمانوں کی لاشیں ایک مکان سے نکلی تھیں[1]۔ ان واقعات نے دنیائے اسلام میں ایک عام انتشار پیدا کر دیا اور ان کی بدولت سیاست، معاشرت، معیشت، اور تمدن کا سارا نظام مختل ہو گیا۔

حروبِ صلیبیہ کا آغاز

دوسرا نقصان یہ ہوا کہ مسلمانوں کو باہم دست و گریباں دیکھ کر یورپ کی فرنگی اقوام کی جرأتیں تازہ ہو گئیں اور چار سو برس کی قائم کی ہوئی ہیبت آن کی آن میں ان کے دلوں سے نکل گئی۔ اس سے پہلے کی خانہ جنگیوں میں صرف سرحدوں پر حملے ہوتے تھے اور سواحل و ثغور کے بعض مقامات پر اہلِ روم قبضہ کر لیتے تھے۔ مگر اس خانہ جنگی کا اثر روم سے گزر کر یورپ کے بعید ممالک تک پہنچا اور وہاں سے صلیبی مجاہدین کا ایک سیلاب امنڈ آیا تا کہ ان مقدس مقامات کو مسلمانوں سے واپس لے جو خلفائے راشدین کے زمانہ میں عیسائیوں کے ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ یہ

---

[1] راحۃ الصدور، طبع لیدن، ص ۱۵۸

سیلاب ملک شاہ کی وفات کے پانچ برس بعد ۴۹۰ھ/۱۰۹۷ء میں سرزمین اسلام کی طرف بڑھا اور قونیہ کی سلجوقی ریاست کو پامال کرتا ہوا انطاکیہ پہنچا۔ ۴۹۱ھ/۱۰۹۸ء میں وہ انطاکیہ کو بھی توڑ کر نکل گیا اور بلادِ شام میں پھیلنے لگا۔ ایک سال کے اندر اس نے مسلمانوں پر اتنی تباہیاں نازل کیں کہ ساری دنیائے اسلام کانپ اُٹھی اور خلیفہ نے سلطان برکیارق اور محمد سے التجا کی کہ آپس کی جنگ کو چھوڑ کر پہلے باہر کے دشمنوں کا مقابلہ کریں۔ لیکن جنگجو بھائیوں کی اس پر بھی آنکھیں نہ کھلیں۔ آخر ۴۹۲ھ/۱۰۹۹ء میں بیت المقدس بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا اور اسلام نے مسیحیت کے ہاتھ سے پہلی مرتبہ ایسی فاش شکست کھائی کہ خالد بن ولید سے لے کر اَلپ ارسلان تک تمام غازیانِ اسلام کی سرفروشیوں پر پانی پھر گیا۔ یہ خانہ جنگی کا سب سے زیادہ ہولناک نتیجہ تھا۔ ملک شاہ کی زندگی میں جس عظیم الشان سلطنت کی طرف کسی غیر ملکی طاقت کو آنکھ اٹھا کر بھی دیکھنے کی جرأت نہ ہو سکتی تھی سات ہی برس کے اندر اس کی ایسی ہوا اُکھڑی کہ اس کے ایک بڑے اور نہایت اہم حصہ پر فرنگستان کے بعید المقام قسمت آزما اتنی آسانی سے قابض ہو گئے اور کوئی ان کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔

سلاجقہ کا انقراض

تیسرا نقصان یہ ہوا کہ مرکزی قوت کے کمزور ہوتے ہی سلطنت کی قطع و بُرید شروع ہو گئی۔ بعض حصوں میں خود مختار سلجوقی ریاستیں قائم ہو گئیں اور بعض حصوں کو دوسرے اُمراء دبا بیٹھے۔ روم کو قُتلمُش بن اَرسلان کے خاندان نے سنبھال لیا، شام میں تُتُش بن اَلپ ارسلان کے خاندان نے اپنی حکومت قائم کی۔ عراق میں محمد بن ملک شاہ کا خاندان تختِ حکومت کا مالک ہوا اور کرمان میں قاوَرت

بن داؤد کا خاندان خود مختار ہو گیا۔ ان سلجوقی خاندانوں کے علاوہ سلاجقہ کے ترکی غلاموں نے بھی اس ترکہ میں سے کافی حصہ لیا۔ موصل میں اتابک آق سنقر برسقی کے خاندان نے اپنی مستقل ریاست قائم کی جو بعد میں تمام شام اور الجزیرہ پر چھا گئی۔ خوارزم پر انوشتگین کا خاندان مُسلط ہوا جس نے آخر میں سلجوقیوں کا خاتمہ ہی کر دیا۔ آذربیجان میں اتابک ایلدگز کے خاندان نے اپنی محفل جمائی۔ دیار بکر اور فارس میں اُرتق اور سلغر کے خاندان فرماں روا ہو گئے۔ اور دمشق، اربل، ارمینیہ، لورستان اور کرمان میں بھی دوسرے ملوکوں اور اتابکوں نے سلجوقیوں کی جگہ لے لی۔ اس طرح وہ عظیم الشان سلطنت، جو ایشیا کے ایک بہت بڑے حصہ پر پھیلی ہوئی تھی، بیسیوں چھوٹے اور بڑے ٹکڑوں میں منقسم ہو گئی۔

اس انتشار کی حالت میں سلطان سنجر کے دم سے ایک حد تک شیرازہ بندھا ہوا تھا۔ خانہ جنگی کے زمانہ میں خراسان اور ماوراء النہر اسی کی بدولت تباہی سے محفوظ رہے۔ سلطان محمد کے انتقال (۵۱۱ھ/۱۱۱۷ء) کے بعد اس نے کرمان، عراق اور کردستان کی سلجوقی ریاستوں پر اپنا اثر قائم کیا، غزنین اور غور کی طاقتوں کو جو ملک شاہ کے زمانہ میں بھی سلجوقی اثر سے آزاد رہی تھیں، اپنا تابع فرمان بنایا، خوارزم شاہیوں کو ان کی پیہم سرکشی کے باوجود اطاعت پر مجبور کیا، اور دنیائے اسلام میں اتنا اثر قائم کر لیا کہ ایک زمانہ میں ماوراء النہر سے شام تک اس کا خطبہ جاری تھا۔ مگر آخری زمانہ میں ترکانِ خطا، اور ترکمانِ غز نے اس کی طاقت کو فنا کر دیا، اور ۵۵۲ھ/۱۱۵۷ء میں جب اس کا انتقال ہوا تو اس کے ساتھ ہی سلجوقی عظمت و شوکت کا بھی جنازہ نکل گیا۔ ۵۵۲ھ/۱۱۵۷ء سے ۵۹۰ھ/۱۱۹۴ء تک کا زمانہ اس طرح گزرا

کہ سلجوقیوں کے ترکہ کو خوارزم شاہی[1] سلاطین آہستہ آہستہ وصول کرتے رہے۔ ماوراء النہر، خراسان، رے، اصفہان، کرمان اور عراق ایک ایک کرکے ان کے قبضہ میں چلے گئے اور جب چھٹی صدی ختم ہوتی تو سوائے رُوم کے تمام مشرقِ اوسط اور مشرقِ ادنیٰ سے سلجوقیوں کا نام ونشان مٹ چکا تھا۔

سلاجقہ کے چھ دَور

یہ اس خاندان کی تاریخ کا ایک مجمل خاکہ ہے۔ اس خاکہ پر ایک نظر ڈالیے تو آپ کو مختلف تاریخی دور نمایاں خطوط سے منقسم نظر آئیں گے۔

پہلا دَور پانچویں صدی کی ابتداء سے شروع ہوکر ۴۲۹ھ/۱۰۳۷ء پر ختم ہوتا ہے جبکہ طغرل نے نیشاپور کے تخت پر قدم رکھا۔ یہ سلاجقہ کا "دَورِ ظہور" ہے۔

دوسرا دَور ۴۲۹ھ/۱۰۳۷ء سے ۴۵۵ھ/۱۰۶۳ء تک، جس میں طغرل نے ۲۶ سال کی مسلسل شمشیر زنی سے ایک بڑی سلطنت قائم کی اس کو ہم "دَورِ تاسیس" کہہ سکتے ہیں۔

تیسرا دَور ۴۵۵ھ/۱۰۶۲ء سے ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء تک، جس میں الپ ارسلان اور ملک شاہ کی بادشاہی اور نظام الملک کی وزارت نے سلجوقی سلطنت کے آفتاب کو نصف النہار پر پہنچا دیا۔ یہ صحیح معنوں میں سلاجقہ کا "دَورِ عروج" ہے۔

چوتھا دَور ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء سے ۴۹۸ھ/۱۱۰۴ء تک، جس میں ملک شاہ کے بیٹے باہم مصروفِ پیکار رہے۔ یہ دَورِ "خانہ جنگی" ہے۔

پانچواں دَور ۴۹۸ھ/۱۱۰۴ء سے ۵۵۲ھ/۱۱۵۷ء تک، جس میں محمد اور سنجر اپنے خاندان

---

[1] خوارزم شاہ کا لقب دراصل خوارزم کے گورنروں کے لیے مستعمل ہوتا تھا۔ مگر یہاں خوارزم شاہیوں کا وہ خاندان مراد ہے جو ابتداءً سلجوقیوں کا تابع فرمان تھا اور بعد میں خود مختار ہوکر ان کا وارث ہوا۔

کی رُوبہ زوال قوت کو سنبھالتے نظر آتے ہیں، یہ سلجوقی سلطنت کا "دورِ زوال" ہے۔

چھٹا دَور ۵۱۱ھ/۱۱۱۷ء سے ۷۰۰ھ/۱۳۰۰ء تک جس میں مختلف سلجوقی خاندان اپنے اجداد کی عظیم الشان سلطنت کے منتشر اجزاء کو سنبھال کر بیٹھتے ہیں اور ایک ایک کرکے مختلف زمانوں میں ان کو کھودیتے ہیں۔ اس کو ہم "دَورِ انتشار" سے موسوم کرسکتے ہیں۔

اس کتاب کے ابواب کی تقسیم انہی ادوار کے مطابق ہوگی۔ لیکن ہمارا مقصد صرف سیاسی تغیرات ہی کی تاریخ بیان کرنا نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ تہذیب و تمدن کی تاریخ بھی مطلوب ہے، اس لیے آخر میں عہدِ سلاجقہ کی تہذیب کے متعلق ایک مفصل باب لکھا جائے گا جو حتی الامکان اس عہد کی تہذیب کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہوگا۔

۳ ـ جون ۱۹۲۹ء
حیدر آباد ـ دکن

ابوالاعلیٰ مودودی

نوٹ: افسوس ہے کہ یہ کتاب صرف تیسرے دَور کے حالات تک ہی لکھی جاسکی۔ بعد کے ادوار کی تاریخ مرتّب کرنے کا موقع مصنّف کو نہ مل سکا۔

ناشر

تاریخِ سلاجقہ کے مآخذ

اس کتاب کی تالیف میں جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے ان سب کی فہرست درج کرنا غیر ضروری ہے، کیونکہ دورانِ تحریر میں حسبِ موقع ان کے حوالے دیئے گئے ہیں۔ البتہ یہ بیان کرنے کی یقیناً ضرورت ہے کہ ہمارے پاس سلجوقیوں کی تاریخ معلوم کرنے کے اصلی ذرائع کون سے ہیں اور وہ کس حد تک قابلِ وثوق ہیں۔ اس نظر سے ذیل میں مآخذِ اصلیہ پر ایک مختصر تبصرہ کیا جاتا ہے:

(۱) تاریخِ بیہقی

یہ ابو الفضل بیہقی کی تصنیف ہے۔ سلجوقیوں کے دورِ ظہور کے متعلق جو معلومات ہمیں اس سے حاصل ہوتی ہیں، کسی اور ذریعہ سے نہیں ہوتیں۔ اس کا مصنف خود اس عہد میں موجود تھا۔ اس کے اپنے بیان کے مطابق ۴۰۲ھ میں اس کی عمر (۱۶) سال کی تھی[1] اس لحاظ سے سلجوقیوں کے ظہور کا پورا زمانہ اس کی

---

[1] تاریخ بیہقی طبع کلکتہ ص ۲۴۶

نگاہوں کے سامنے گزرا ہے۔ پھر وہ اس عہد کی سیاست سے براہِ راست تعلق رکھتا تھا۔ سلطان مسعود غزنوی کے دربار میں اس کا استاد ابو نصر صاحبِ دیوان رسالت[1] تھا، اور وہ ابو نصر کے ماتحت ۹ سال تک مددگار کے طور پر کام کرتا رہا۔ سنہ ۴۳۱ھ میں ابو نصر کے انتقال کے بعد جب بو سہل زوزنی صاحب دیوانِ رسالت ہوا تو مصنف کو اس کی نیابت کا عہدہ دیا گیا[2]۔ سلاجقہ اور مسعود غزنوی کے درمیان جو لڑائیاں ہوئیں، مصنف ان کا عینی شاہد ہے، اور اپنے سرکاری عہدے کے لحاظ سے اس کو ان تمام جنگی، سیاسی اور سفارتی معاملات کو بلا واسطہ دیکھنے کا موقع ملا ہے جو اس زمانہ میں سلجوقیوں اور غزنویوں کے درمیان ہوتے۔ علاوہ بریں چونکہ وہ وزیر اعظم اور صاحب دیوانِ رسالت دونوں کا راز دار و معتمد علیہ تھا اس وجہ سے وہ ان تمام راز کے مشوروں میں شریک رہتا تھا جن کی خبر اس کے سوا کسی اور کو نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ غزنویوں کا متوسل ہونے کے باوجود نہایت صفائی کے ساتھ ان کی کمزوریوں کو بیان کرتا ہے اور ان تمام اسباب کو تفصیل کے ساتھ ظاہر کرتا ہے جن سے غزنویوں کو زوال اور

---

[1] دیوانِ رسالت کا عہدہ اس زمانہ میں نہایت اہم تھا۔ بادشاہ سے اس کے عمّال اور اہلِ مناصب اور شاہانِ ممالکِ غیر کی تمام مراسلت اسی کے واسطہ سے ہوتی تھی۔ اس لحاظ سے یہ منصب موجودہ زمانہ کے چیف سیکرٹری اور ناظر خارجیہ دونوں کا جامع تھا۔

[2] بیہقی ص ۷۵۳، ۷۵۴۔

سلجوقیوں کو عروج ہوا۔ اگر اس تاریخ کے تمام اجزا محفوظ ہوتے تو ہمیں محمود غزنوی کے ساتھ سلجوقیوں کے ابتدائی معاملہ کے متعلق بھی بہت کچھ معلومات حاصل ہوتیں اور شاید وہ اختلاف بآسانی رفع ہو جاتا جو اس کے متعلق موجودہ تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اس کا صرف وہی حصہ دستیاب ہوا ہے جو مسعود کے حالات پر مشتمل ہے۔

(۲) زَینُ الاخبار

یہ ابو سعید عبدالحی بن الضحاک بن محمود گردیزی کی تصنیف ہے، اور سلجوقیوں کے ابتدائی عہد کے متعلق معاصرانہ شہادت بہم پہنچانے میں بیہقی کے بعد دوسرے درجہ پر ہے۔ مصنف خود سلطان محمود اور مسعود کے زمانہ میں موجود تھا، سلطان عبدالرشید غزنوی (۴۴۰ھ - ۴۴۴ھ) کے دربار کا متوسل تھا اور اسی کے زمانہ میں اس نے یہ کتاب لکھی تھی۔ بیہقی پر اس کو یہ ترجیح حاصل ہے کہ وہ صرف مسعودؒ غزنوی کے زمانہ کے حالات بیان کرتا ہے اور یہ مسعودؒ سے بھی پہلے محمود کے زمانہ میں سلجوقیوں کے ظہور کی کیفیت کا ناقل ہے جس کے متعلق کوئی اور معاصر شہادت اس وقت معلوم دنیا میں موجود نہیں ہے۔ یہ کتاب اسی سال بسلسلۂ یادگارِ مسٹر براؤن شائع ہوئی ہے۔

(۳) زُبدۃ النُّصْرَہ

یہ کتاب دراصل شرف الدین انوشروان بن خالد کی تصنیف ہے، جو سلطان محمد بن ملک شاہ (۴۹۸ھ/۱۱۰۴ء - ۵۱۱ھ/۱۱۱۷ء) کے زمانہ میں وزیر خزانہ، اور نائب وزیر کے عہدوں پر سرفراز تھا، اور سلطان محمود بن محمد (۵۱۱ھ/۱۱۱۷ء - ۵۲۵ھ/۱۱۳۱ء) کے

زمانہ میں وزیر اعظم ہوگیا تھا[1]۔ اس نے فارسی زبان میں "فتورُ زمان الصدُور و صدُورُ زمانِ الفتور" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس میں نظام الملک کے اوسط عہد سے لے کر طُغرل بن محمد بن ملک شاہ (۵۲۷ھ / ۱۱۳۳ء) کے آخر عہد تک کے وزراء کے حالات بیان کیے گئے تھے۔ بعد میں عماد الدین کاتب اصفہانی (المتوفی ۵۹۷ھ) نے "نصرۃ الفترہ و عصرۃ الفطرہ" کے نام سے اس کو عربی میں منتقل کیا اور اس کو مکمل کرنے کے لیے ابتدا میں عمید الملک ابو نصر کُندُری (وزیر طغرل بک) کے عہد سے نظام الملک کے اوسط عہد تک، اور آخر میں طُغرل بن محمد کے زمانہ سے سلاجقۂ عراق کے آخر عہد تک کے وزراء کی تاریخ اور شامل کر دی۔ عماد کاتب خود بھی انوشروان کی طرح اس عہد کی سیاست سے قریبی تعلق رکھتا تھا۔ اس کا چچا عزالدین مُستوفی سلطان محمود بن محمد بن ملک شاہ (۵۱۱ھ - ۵۲۵ھ) کے زمانہ میں وزارت اور دیوانِ استیفا کی نیابت پر سرفراز تھا اور ایک وقت میں اس کو وزارت کا عہدہ بھی پیش کیا گیا تھا[2]۔ اس کا باپ محمد سلطان محمود کے وزیر الدرگزینی کا دوست تھا اور آخر میں درباری سازشوں کا شکار ہوا[3]۔ خود عماد الدین خلیفہ المقتفی لامر اللہ کے زمانہ میں ابنِ ہُبَیرہ وزیر کا نائب تھا[4] (۵۵۴ھ)۔ عماد کاتب کے بعد ابو الفتح بُنداری (المتوفی ۶۲۳ھ)

---

[1] زبدہ، طبع لیڈن ص ۹۷-۱۰۹-۱۴۹

[2] 〃 〃 〃 ۱۲۹-۱۳۶-۱۴۱

[3] 〃 〃 〃 ۱۳۱-۱۵۴ [4] ایضاً، ص ۲۹۰

نے "زبدۃ النصرہ و نخبۃ العصرہ" کے نام سے اس کتاب کی تلخیص کی مگر اس التزام کے ساتھ کہ مطلب کی بات ایک نہ چھوٹنے پائے۔ یہی کتاب ہے جس کو مستشرق ہوتسما نے ایڈٹ کر کے لیڈن سے شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں ہم کو سلاجقۂ عظام اور سلاجقۂ عراق کے متعلق نہایت بیش قیمت معلومات ملتی ہیں۔ چونکہ یہ دو ایسے مصنفوں کی محنت کا نتیجہ ہے جو سلجوقی سیاست کے محرمِ راز تھے اس لیے اس سے بہت سے ایسے اسرار کا پتہ چلتا ہے جو دوسرے مُصنفوں کی نگاہ سے پوشیدہ ہیں۔

(۴) راحۃ الصُّدور

یہ ابوبکر نجم الدین محمد ابن الراوندی کی تصنیف ہے۔ ۵۹۹ھ / ۱۲۰۲ء میں لکھی گئی۔ مُصنف راوند کے ایک علمی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا ماموں تاج الدین احمد بن محمد بن علی الراوندی جو اس کا استاد اور سرپرست تھا، ہمدان میں جمال الدین آی اَبہ کے مدرسہ کا مدرس تھا۔ مصنف ۵۷۰ھ سے ۵۸۰ھ تک تقریباً دس سال اس کی تربیت میں رہا۔ اسی کے ساتھ اس نے عراق کے بڑے بڑے شہروں کی سیاحت کی۔ اس کا ایک اور ماموں زین الدین محمد بن محمد بن علی الراوندی عراق کے آخری سلجوقی فرمانروا طغرل بن ارسلان کا اُستاد تھا۔ اس شخص کی معرفت پہلی مرتبہ مصنف بحیثیت ایک نقاش کے سلطان طُغرل تک پہنچا[1]۔ رفتہ رفتہ اسے سلطان کے ہاں بہت تقرُّب حاصل ہوگیا اور خود اپنے بیان کے مطابق سلطان کے مزاج میں اس نے کافی دخل پیدا کر لیا[2]۔ ۵۸۵ھ / ۱۱۸۹ء میں سلطان طغرل نے زین الدین

---

[1] راحۃ الصدور، ص ۴۴ [2] مُصنف نے ایک خاص واقعہ بیان

کو شاہ مازندران کے پاس ایلچی بنا کر بھیجا اور مصنّف بھی اس کے ساتھ گیا[1]۔ ۵۸۶ھ (۱۱۹۰ء) میں جب آتابک قزل ارسلان نے سلطان طغرل کو قید کیا تو اس وقت مصنّف دارالسلطنت میں موجود تھا[2]۔ اپنے مربّی کی گرفتاری کے بعد وہ ہمدان کے امیر سیّد فخرالدین علاء الدولہ عرب شاہ کے لڑکوں کا اتالیق ہو گیا۔ ۵۹۰ھ (۱۱۹۴ء) میں جب خوارزم شاہ کے مقابلہ میں طغرل مارا گیا اور ملک میں عام ابتری پھیلی تو مصنّف گوشہ نشین ہو گیا۔ اس زمانہ کی حالت کو وہ نہایت دردناک لہجہ میں بیان کرتا ہے[3]۔ اسی گوشہ نشینی کے زمانہ میں اس نے یہ کتاب لکھی اور اس عقیدت کی بنا پر جو اسے سلجوقی خاندان سے تھی اسے قونیہ کے سلجوقی فرمانروا غیاث الدین کیخسرو کے نام معنون کیا۔ اس کتاب میں اس نے سلجوقیوں کی ابتدا سے ۵۹۵ھ تک کے حالات لکھے ہیں۔ اگرچہ ابتدائی حالات کے متعلق اس کا بیان چنداں معتبر نہیں ہے۔ اس نے زیادہ تر ظہیرالدین نیشاپوری کی کتاب سلجوق نامہ پر اعتماد کیا ہے[4] اور نہ صرف یہ کہ بہت مختصر لکھا ہے بلکہ جگہ جگہ غلطیاں بھی کی ہیں۔ مگر خود اپنے عہد کے جو حالات

۴۔ کیا ہے جس سے اس کے تقرّب کا اندازہ ہوتا ہے۔ ص ۳۴۴

[1] راحۃ الصدور ص ۳۵۷

[2] ” ” ص ۳۶۲

[3] ” ” ص ۳۰-۳۸

[4] ” ” ص ۶۴-۶۵ ظہیرالدین مصنّف کا رشتہ دار اور سلطان ارسلان کا اُستاد تھا۔

اس نے لکھے ہیں وہ نہایت معتبر اور مفید تفصیلات پر مشتمل ہیں۔

(۵) تاریخ الکامل

مشہور مؤرّخ ابن اثیر (المتوفی سنہ ۶۳۰ھ) کی تصنیف ہے اور اپنی وسعتِ اطّلاع، محقّقانہ شان، اور حُسنِ ترتیب کے اعتبار سے تاریخِ اسلام کے خاص مُستند مآخذ میں شمار کی جاتی ہے۔ اگرچہ اس کا مُصنّف سلجوقیوں کا ہمعصر نہ تھا، مگر بہت قریب العہد تھا اور اس کے پاس حصولِ معلومات کے بہترین ذرائع تھے۔ اس نے زیادہ تر ہمعصر تاریخوں سے استفادہ کیا ہے اور اس کے ذریعہ ہم کو سلاجقۂ عظام اور سلاجقۂ عراق و شام کے متعلق نہایت مفید تفصیلات حاصل ہوتی ہیں۔ میرے پیشِ نظر اس کے مصری اور یورپین دونوں نسخے ہیں۔ جہاں یورپین نسخے کا حوالہ دیا گیا ہے وہاں "طبعِ یورپ" کی تصریح کر دی گئی ہے، اور جہاں مصری نسخے کا حوالہ دیا گیا ہے وہاں تصریح نہیں کی ہے۔

(۶) وَفیات الاعیان

علّامہ ابن خلّکان (المتوفی سنہ ۶۸۱ھ) کی مشہور تصنیف ہے۔ اس سے ہم کو عہدِ سلاجقہ کے اعیان و اکابر کی سیرتوں کے متعلق بیش قیمت معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ وہ اس پایہ کا محقق ہے کہ مؤرّخین اسلام کی اوّلین صف میں اس کو جگہ دی گئی ہے، اس لیے اس کے بیانات ایسے عہد کے متعلق جو اس کے عہد سے قریب تر ہے، بہت قابلِ وثوق سمجھے جاتے ہیں۔

(۷) المختصر فی اخبار البشر

مشہور مؤرّخ ابوالفدا (المتوفی سنہ ۷۳۲ھ) کی تصنیف ہے جسے اسلامی

تاریخ کی مستند کتابوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کا خاندان سلجوقیوں کا متوسل رہ چکا تھا اور ان کے متعلق معاصر مؤرخین کے بیانات اس کی دسترس میں تھے۔ سیاسی معلومات کے علاوہ وہ علمی و اجتماعی معاملات کے متعلق بھی مفید معلومات دیتا ہے۔

(۸) تاریخ گزیدہ

حمداللہ بن ابی بکر مُستَوفِی قَزوِینی اس کا مصنّف ہے۔ سنہ ۷۳۰ھ میں لکھی گئی۔ نہ زیادہ معتبر ہے، نہ مفصّل۔ تاہم اختصار کے ساتھ اس نے سلاجقہ کے تمام خانوادوں کا ذکر کیا ہے۔ جہاں اس کے بیانات قدیم مآخذ کے خلاف واقع نہیں ہوتے، وہاں ہم اس سے استناد کر سکتے ہیں۔

(۹) روضۃ الصفا

میرخواند محمد ابن خاوند شاہ محمود (المتوفی سنہ ۹۰۳ھ) کی مشہور تصنیف ہے اور مشرق و مغرب میں خاص مقبولیّت رکھتی ہے۔ اگرچہ تاریخِ عرب کے متعلق اس کے بیانات اکثر ناقابلِ اعتبار ہیں۔ مگر عجم کی تاریخ میں اس نے زیادہ صحیح اور مستند مواد بہم پہنچایا ہے۔ اپنے مآخذ میں وہ تاریخ بیہقی، طبقات ناصری، زبدۃ التواریخ، تاریخِ جہاں کشائی، تاریخ گزیدہ اور جامع التواریخ کے نام خصوصیّت کے ساتھ لیتا ہے۔ سلاجقہ کے متعلق اکثر معاملات میں اس نے ایسی تفصیلات دی ہیں جو کسی دوسری جگہ نہیں ملتیں۔ مگر بعض مواقع پر اس کے بیانات قدیم تر مؤرخین کے بیانات سے مختلف پائے جاتے ہیں۔ ایسے اختلافی مقامات کو چھوڑ کر میں نے عموماً اس پر اعتماد کیا ہے۔

(۱۰) حبیب السّیر

میرخواند کا بیٹا غیاث الدین المدعو بخواند میر اس کا مُصنّف ہے۔ سنہ ۹۲۷ھ میں مُصنّف نے اسے دکن میں لکھا اور ایران کے شاہ اسماعیل صَفَوی کے نام معنون کیا۔ اس میں زیادہ تر روضۃ الصفا کی تلخیص ہے۔ تاہم بعض باتیں زاید بھی مل جاتی ہیں، اس لیے روضۃ الصفا کے باوجود اس کو دیکھ لینا مفید ہے۔

(۱۱) مختصر سلجوقنامہ

یہ کتاب دراصل ناصرالدین یحییٰ بن مجدالدین محمد ابن بیبی کی کتاب "الاوامر العلائیہ فی الامور العَلائیہ" کی تلخیص ہے۔ ناصرالدین کا باپ محمد سلاجقہ روم کے دربار میں ترجمان تھا اور بسا اوقات ممالک غیر میں ایلچی گری کی خدمات بھی انجام دیتا تھا۔ اس نے سنہ ۶۷۰ھ/۱۲۷۲ء میں انتقال کیا۔ اس کی ماں جس کی نسبت سے وہ ابن بی بی کہلاتا ہے، ستارہ شناسی میں ماہر تھی اور سلطان کیقباد اوّل (سنہ ۶۱۶ھ/۱۲۲۰ء - سنہ ۶۳۴ھ/۱۲۳۷ء) اس کا بہت معتقد تھا۔ ناصرالدّین کی یہ کتاب خاص سلاجقۂ روم کے حالات میں ہے اور اس حیثیت سے بہت معتبر ہے کہ وہ خود ان سلاطین کا ہمعصر ہے۔ اصل کتاب ابھی تک شائع نہیں ہوئی۔ سنہ ۱۹۰۲ء میں ہوتسما نے اس کی تلخیص کو جو کسی گمنام شخص کے قلم سے نکلی ہے، اپنے سلسلۂ تاریخ سلاجقہ میں شائع کیا ہے، اور وہی میرے پیشِ نظر ہے۔

(۱۲) تاریخ سلاجقۂ کرمان

یہ محمد ابن ابراہیم کی تصنیف ہے۔ مستشرق ہوتسما نے اس کو تواریخِ آل سلجوق کے سلسلے میں لیدن سے شائع کیا ہے۔

(۱۳) طبقاتِ ناصری

منہاج الدین ابو عمرو عثمان بن سراج الدین محمد اعجوبۃ الزمان کی تصنیف ہے۔ وہ سلاجقۂ عراق سے قریب العہد اور سلاجقۂ رُوم کا ہمعصر تھا۔ ۵۸۹ھ / ۱۱۹۳ء میں پیدا ہوُا۔ اس کا باپ سلطان بہاء الدین سام فرمانروائے بامیان و طخارستان کا قاضی تھا۔ ابھی اس کا عنفوانِ شباب تھا کہ اسلامی ممالک پر تاتاری سیلاب پھوٹ پڑا اور وہ خراسان، قہستان اور افغانستان میں مارا مارا پھرتا رہا۔ آخر ۶۲۵ھ میں شمس الدین التمش کے پاس دہلی پہنچا اور گوالیار کا قاضی، خطیب اور امام مقرر ہوُا۔ آخر میں ترقی کرتے کرتے دہلی کا قاضی القضاۃ ہو گیا تھا۔ غیاث الدین بلبن کے عہد میں انتقال کیا۔ آدمی عالم اور ثقہ تھا مگر مؤرّخ کی حیثیت سے اس کا درجہ کچھ زیادہ بلند نہیں ہے۔ سلاجقہ کے ابتدائی عہد کے بیان میں اس نے عام مؤرخین کا اتباع کیا ہے، اور جو عہد اس سے قریب تر تھا اس کے متعلق چونکہ دوسروں کے بیانات موجود نہ تھے، اس لیے اس نے بلا تحقیق محض سنی سنائی باتیں لکھ دی ہیں جن میں بعض فاش غلطیاں بھی ہیں۔ حد یہ ہے کہ وہ سلاجقۂ عراق اور سلاجقۂ روم تک میں تمیز نہیں کر سکا ہے۔ بایں ہمہ اس کی تاریخ سے بعض مفید باتیں معلوم ہوتی ہیں، اور اسی لیے مَیں نے اس کو اپنے مآخذ میں شامل کیا ہے۔ میرے پیشِ نظر اس کی طبقات کا انگریزی ترجمہ ہے جو میجر راورٹی (RAVERTY) کے قلم سے نکلا ہے اور ۱۸۸۱ء میں لندن سے شائع ہوُا ہے۔

سلجوقیوں کا وطن اصلی اور وہ ممالک جو ان کے دور ظہور سے متعلق ہیں
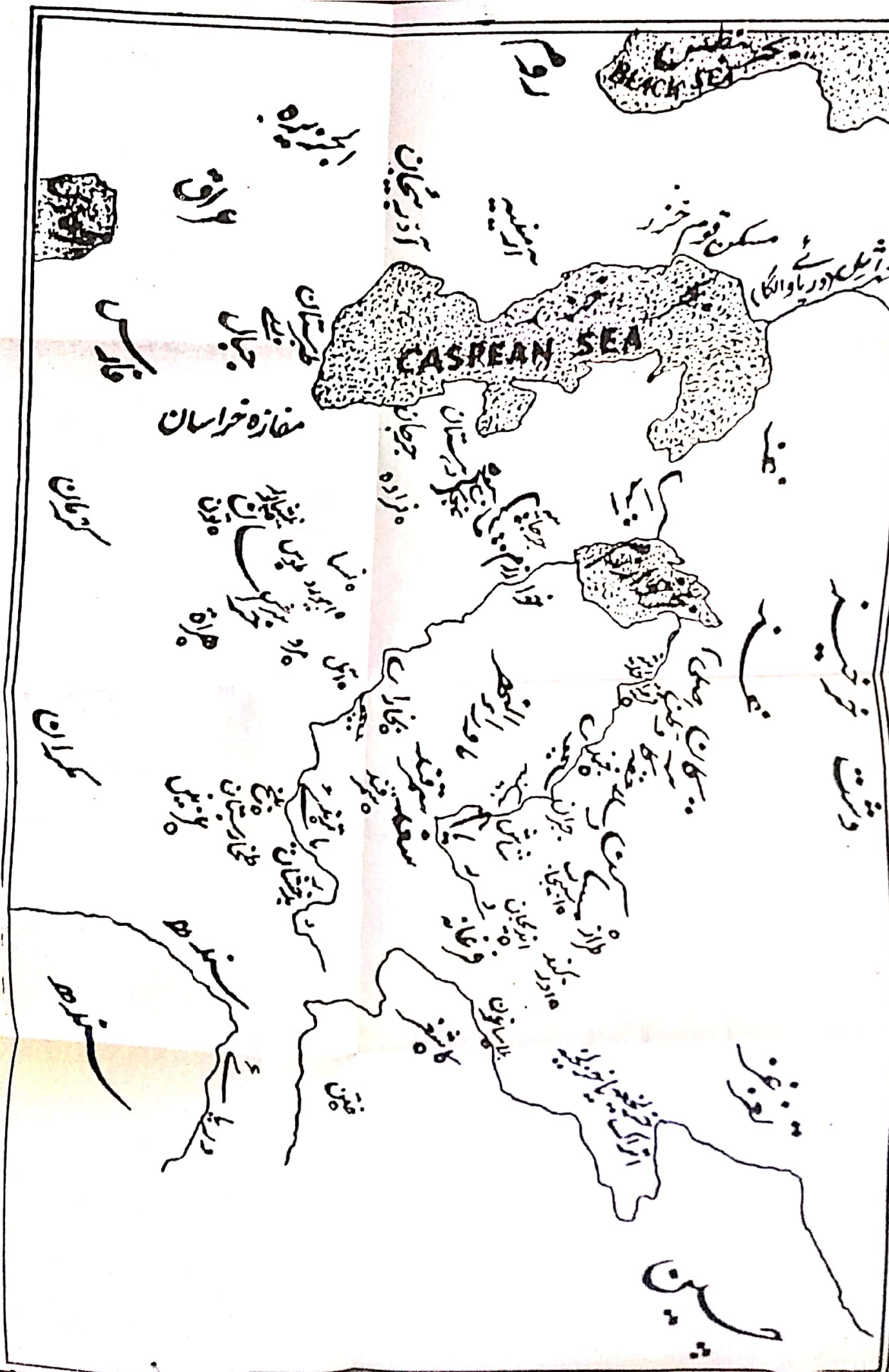
نقشہ کی جغرافی تشریح

مقابل کے صفحہ پر جو نقشہ دیا گیا ہے اس میں تُرکوں کی مختلف قوموں کے مساکن کی تعیین قدیم جغرافیہ نگاروں کے جن بیانات پر کی گئی ہے وہ حسب ذیل ہیں:

ارض خَزلجِیّہ یا خرلُخیّہ

"اَنیجاب سے فرغانہ کے انتہائی حدود تک اتراک خزلجیہ رہتے ہیں۔" (اصطخری ص ۲۹۰)

"فرغانہ کے علاقے میں اُوزکند آخری سرحد ہے جو دارالحرب سے متصل ہے۔" (اصطخری ۳۲۳)

"طراز سے آگے کوئی نہیں بڑھتا کیونکہ جو کوئی اس سے بڑھتا ہے وہ اپنے آپ کو خزلجیہ کے خرگاہات میں پاتا ہے۔" (ابن حوقل ۳۹۱)

"طراز سے نوشجان اسفلی ۳ فرسنگ اور وہاں سے کسریٰ باس جو خرلخیہ کا سرمائی مقام ہے ۲ فرسنگ" (ابن خُرداذبہ ۲۸ - قدامہ بن جعفر ۲۰۵)

"خرلُخ اور غُزّ، دریا کے اس جانب سے متصل رہتے ہیں اور شہر فاراب پر مسلمانوں کی بھی چھاؤنی ہے اور اتراک خرلخیہ کی بھی" (ابن خُرداذبہ ص ۳۱)

ارضِ تغزغز یا تغزغز

"تغزغز کا علاقہ تبت، چین، ارض خزلجیہ اور حدود خرخیز (KIRGHIZ) کے درمیان واقع ہے۔" (اصطخری ۹ - ابن حوقل ۱۴)

"اتراک تغزغز جن کا علاقہ سب سے زیادہ وسیع ہے ان کے حدود چین، تبت، خرلخ، کیماک، غز، جفر، بجاناک، ترکش، اذکش، خفشاخ، اور خرخیز سے ملتے ہیں۔" (ابن خرداذبہ ۳۱)

"جو شخص دارالاسلام سے تغزغز کے علاقے میں جانا چاہے اسے فرغانہ کی سرحد سے چل کر پورے بلاد خرلخ کو عبور کرنا ہوگا جو ۳۰ مرحلے ہیں" (ابن حوقل ۱۱)

ارضِ خرخیز

"خرخیز کا علاقہ تغزغز، کیماک اور غز کے حدود سے لے کر شمال میں بحرِ محیط (ARCTIC OCEAN) تک پھیلا ہوا ہے" (اصطخری ۹ - ابن حوقل ۱۴)

"دریائے اِتل یا ابن حوقل کے بقول اِتل، خرخیز کی سرزمین سے نکل کر خزر میں جا گرتا ہے۔" (اصطخری ۲۲۲ - ابن حوقل، ۲۸)

دیارِ کیماکیہ

کیماک (KALMUKS یا KALMAKS) کا علاقہ شمال میں غز اور خرخیز کی سرحد سے شروع ہوتا ہے اور صقالبہ (SLAVS) کی پشت پر ختم ہوتا ہے" (اصطخری ۹ ابن حوقل، ۱۴)

"نہرِ اِتل (R. VOLGA) کیماک اور غز کی حدود کے درمیان سے گزرتی ہے اور وہی ان دونوں کے بیچ میں حدِ فاصل ہے" (اصطخری ۲۲۲ - ابن حوقل ۱۴)

دیارِ غزیہ

"غز کا علاقہ خزر و کیماک کی سرحد سے لے کر ارض خزلجیہ اور بلغار تک اور دوسری جانب جرجان سے باراب و اسبیجاب تک واقع ہے۔" (اصطخری ۹ - ابن حوقل ۱۴)

"بحرِ خزر کے مغرب میں قوم خزر کا علاقہ اور صحرائے غز کا ایک تھوڑا سا حصہ ہے اور شمال میں صحرائے غز ہے۔" (اصطخری ۱۸ - ۲۱۷ - ابن حوقل ۲۲۶)

"خوارزم کی سرحد پر شمال اور مغرب میں صحرائے غز ہے اور جنوب و مشرق میں خراسان و ماوراءالنہر ہیں" (اصطخری ۲۹۹ - ابن حوقل ۳۵۰)

"نہر جیحوں جس جگہ بحرِ خوارزم میں گرتی ہے اس کو خلیجان کہتے ہیں اور اس کے مقابل بحرِ خوارزم کی دوسری جانب غزوں کا ساحل ہے" (اصطخری ۳۰۳ - ابن حوقل ۳۵۳)

"دریائے سیحوں، صبران کی حد سے گزر کر ایک ایسے جنگل میں جاتا ہے جہاں اس کے دونوں جانب اتراک غز رہتے ہیں۔ بحرِ خوارزم سے دو مرحلے ادھر سیحوں کے قریب قریۃ الحدیثہ واقع ہے جو مسلمانوں کا مسکن مگر غزوں کا دارالحکومت ہے۔ جاڑے کے زمانے میں غزوں کا بادشاہ وہاں آکر رہتا ہے۔ اسی کے قریب جند اور خوارہ ہیں جہاں آبادی مسلمانوں کی ہے، مگر حکومت غزوں کی ہے۔" (ابن حوقل ۳۹۳)

"ماوراءالنہر کے لوگوں کو تمام بلاد اسلام سے زیادہ جہاد کا موقع ملتا ہے کیونکہ ان کی پوری سرحد دارالحرب سے متصل ہے۔ خوارزم سے اسبیجاب

تک اتراکِ غز ہیں اور اسبیجاب سے فرغانہ کے آخری حدود تک اتراک خزلجیہ۔"

(اصطخری ۲۹۰)

" فُراوہ ایک سرحد ہے جو عین صحرائے غز کے سرے پر واقع ہے۔"

(اصطخری ۲۷۳)

" بڑی سرحدوں میں سے ایک بلادِ جرجان کی صحرائی سرحد ہے جس سے متصل تُرک رہتے ہیں۔" (قدامہ بن جعفر ۲۶۱)

" دِہستان کے قریب سیاہ کوہ (یا بلجان کوہ) میں ترکانِ غز کی ایک جماعت رہتی ہے جو کسی اختلاف کی بنا پر اپنی قوم سے جُدا ہو گئی ہے۔

(اصطخری ۲۱۹)

باب اول

دَورِ ظہُور

ترکستان سے نیشاپُور تک

(چوتھی اور پانچویں صدی کے اواسط)

آلِ سلجُوق کی اصل

سلجوقیوں کا مورث ایک شخص "سلجُوق" یا "سلچک" تھا جس نے اس خاندان میں سب سے پہلے ناموری حاصل کی اور بلادِ اسلام میں داخل ہو کر اپنے لیے سیاسی عظمت کا دروازہ کھولا۔ اسی لیے عام مشرقی مذاق کے مطابق اس کی نسل اور اس کے تبعین کو سلجوقی، یا آلِ سلجُوق یا سلاجقہ کہا جاتا ہے۔ نسلاً اس خاندان کا تعلق اتراک زفنق کی اس شاخ سے ہے جو غُز کے نام سے موسوم ہے۔

قوم غُز کا حال

شمال میں اسلامی سرحدوں سے متصل ترکوں کے بہت سے قبائل رہتے تھے جن میں تغزغُز، خرخیز، کیماک، اور خزلجیہ بڑے بڑے علاقوں پر پھیلے ہوئے تھے۔[1]

---

[1] اِصطخری (مرتبہ دی گوئیے) ص ۹۔

کی مالک رہی اور جن کی کامیابیوں نے آئندہ کے لیے بلادِ اسلام میں ترکوں کے بیشتر قسمت آزمائی کا راستہ کھول دیا۔ چوتھی صدی ہجری کے وسط میں ماوراء النہر کی سرحد پر ان نومسلم ترکمانوں کی چھوٹی چھوٹی نوآبادیاں قائم ہوگئی تھیں۔ سبکینذ کا پرگنہ زیادہ تر انہی سے آباد تھا۔ فاراب، کنجیدہ اور شاش کے درمیان جو شاداب علاقہ تھا، اس میں ان کے تقریباً ایک ہزار خاندان بسے ہوتے تھے اور یہ لوگ مسلمانوں کی طرف سے اپنے کافر ہم قوموں کے خلاف جنگ کیا کرتے تھے۔[۱]

انہی غز ترکمانوں میں سے ایک وہ گروہ بھی تھا جو چوتھی صدی ہجری کے وسط میں اپنے سردار سلجوق کے ساتھ آکر بلادِ اسلام میں آباد ہوا۔

سلجُوق کے باپ کا حال

سلجوق کے باپ کے متعلق ہمیں صرف اتنا معلوم ہے کہ اس کا نام دُقاق یا تُقاق تھا۔[۲] ترکانِ غز کے ایک طاقتور گروہ کا سردار تھا، شجاعت و شہامت کی بنا پر "تمر یالیغ" (سخت کمان) کے نام سے مشہور تھا، اور حسنِ تدبیر و صواب رائے کے باعث اتنا اثر رکھتا تھا کہ ترکوں کا بادشاہ بَیغو[۳] اُس کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہ کرتا تھا۔ اس کی زندگی کا حال بالکل تاریکی میں ہے۔ امتدادِ زمانہ کی دست بُرد سے بچ کھچ کر صرف ایک واقعہ ہم تک پہنچا ہے سو وہ بھی افسانگی

---

[۱] ابنِ حوقل ۳۹۱۔

[۲] ابنِ خلکان، ابوالفدا، اور میر خُوند "دُقاق" لکھتے ہیں، اور ابن اثیر اس کا نام "تُقاق" بتاتا ہے۔ لیکن صاحب راحۃ الصدُور نے "لقمان" کہا ہے جو غلط معلوم ہوتا ہے۔

[۳] ابن اثیر اور میر خوند بَیغو لکھتے ہیں اور ابوالفدا یَبغو لکھتا ہے۔ بظاہر یہ تصحیف ہے۔

کے رنگ اور مؤرخین کی اختلاف بیانی کی بدولت پایۂ اعتبار سے ساقط ہو گیا ہے۔ ابن اثیر کہتا ہے کہ ایک مرتبہ بَیغو نے فوج جمع کر کے بلادِ اسلام پر حملہ کرنا چاہا تھا جس سے دُقاق نے روکا، بیغو نے سخت کلامی کی، دقاق نے تھپڑ مارا، بیغو کے آدمی مدد کو آگئے، اور دقاق کے آدمی بھی جمع ہو گئے، دونوں میں جنگ ہوئی، اور اس جنگ کا خاتمہ صلح پر ہُوا۔[۱] میر خوند کا بیان اس سے مختلف ہے۔ وہ کہتا ہے کہ بَیغو نے ترکوں کی ایک بے گناہ جماعت کو سزا دینے کا حکم دیا، دقاق نے اس پر سختی کے ساتھ ملامت کی، بادشاہ کو غصہ آگیا، اور اس نے دقاق کے منہ پر تلوار ماری، دقاق نے بھی جواب میں اس پر ایک تِلم سے ضرب لگائی جس سے اس کا سر پھٹ گیا۔ قریب تھا کہ بات بڑھ جاتی مگر اُمراء و اعیانِ دربار نے مداخلت کر کے دونوں کو ٹھنڈا کیا، اور ایک جشنِ عام ترتیب دے کر دونوں میں صلح کرا دی۔[۲]

سلجُوق کی ابتدائی زندگی

دقاق کی طرح سلجُوق کی ابتدائی زندگی پر بھی پردہ پڑا ہوا ہے۔ تاریخ صرف اتنا بتاتی ہے کہ دقاق اور بیغو کی صلح کے بعد سلجوق پیدا ہوا، اور اس کی پیدائش کے ایک کافی عرصہ بعد دقاق کا انتقال ہو گیا۔ جب سلجوق سنِ رشد کو پہنچا تو بیغو نے اس میں شرافت و بزرگی کے آثار محسوس کر کے اسے اپنے ہاں تقرب

م۔ دراصل یہ ایک شخص کا نام نہیں ہے بلکہ ایک خاص خاندان کے بادشاہوں کا لقب ہے۔

[۱] ابن اثیر ج ۹ ص ۱۹۶

[۲] روضۃ الصفا، نولکشوری، ج ۴ ص ۸۵۔۸۶

کا درجہ عطا کیا۔ اور سُباشی کا لقب دیا جس کے معنی "قائد لشکر" یا "سالار فوج" کے
ہیں۔ اس کے روز بروز بڑھتے ہوئے اقتدار کو دیکھ کر اُمرائے دربار اور خاندان
شاہی کے ارکان اس سے جلنے لگے، یہاں تک کہ خود بیغو کی بیگم بھی اس سے حسد
کرنے لگی۔ مخالفین کی اس کثرت نے رفتہ رفتہ خود بیغو کے مزاج کو بھی اس سے
متغیر کر دیا۔ اس تغیر مزاج کی خاص وجہ میر خوند نے یہ بیان کی ہے کہ ایک دفعہ
سلجوق اس کے پاس گیا تو بیگم اور شاہزادوں کو پیچھے چھوڑ کر سیدھا اس کے قریب
جا بیٹھا۔ یہ بات بیگم کو سخت ناگوار ہوئی اور اس نے کہا کہ "یہ لڑکا جب ابھی سے اتنا
گستاخ اور بے ادب ہے تو آگے چل کر نہ معلوم کیا غضب ڈھائے گا"۔ بیغو
پر یہ وار کارگر ہو گیا اور اسی وقت سے وہ سلجوق کو دفع کرنے کی دُھن میں لگ گیا[1]۔
اس روایت کی تائید کسی دوسری تاریخ سے نہیں ہوتی مگر خواہ وہ صحیح ہو یا غلط، یہ
واقعہ مؤرخین کے نزدیک مسلّم ہے کہ بیغو، سلجوق سے کھٹک گیا تھا اور اس کے
بدلے ہوئے رنگ ہی کو دیکھ کر آخر کار سلجوق نے وطن سے ہجرت کرنے کا
فیصلہ کیا[2]۔

وطن سے ہجرت

یہ ہجرت کا واقعہ کب پیش آیا؟ اس سوال کا جواب حمد اللہ مستوفی
کے سوا کوئی اور نہیں دیتا۔ اس کا بیان ہے کہ سلجوق نے ۳۷۵ھ / ۹۸۵ء میں ترکِ وطن

---

[1] روضۃ الصفا ج ۴ ص ۸۶۔

[2] ابن اثیر ج ۹ ص ۱۹۶۔ ابو الفدا، ج ۲ ص ۱۶۲

کیا اور اس وجہ سے کیا کہ ترکستان کی چراگاہیں اس کے آدمیوں کے لیے تنگ ہو
گئی تھیں[1]۔ مگر یہ تاریخ کچھ زیادہ صحیح نہیں معلوم ہوتی، کیونکہ اس کے بعد سلجوق زیادہ
سے زیادہ آٹھ سال زندہ رہا، اور مؤرخین نے اس کی عمر ۱۰۰ سال بتائی ہے۔ اس
حساب سے ہجرت کے وقت اس کی عمر ۹۹ برس ہونی چاہیے لیکن اوپر ہم کہہ
چکے ہیں کہ بیغو کی بیگم نے جب اس کی شکایت کی تو اسے "لڑکا" کہا۔ اور ظاہر
ہے کہ اسی نوّے برس کے بڈھے کو کوئی لڑکا نہیں کہہ سکتا۔ اگر تاریخ میں قیاس
سے کام لینا جائز ہو تو کہا جا سکتا ہے کہ وطن سے نکلنے کا واقعہ چوتھی صدی کے
وسط میں یا اس سے پہلے ہوا ہوگا۔

بلادِ اسلام میں آمد

ان تارکینِ وطن کا دارالہجرت لامحالہ ماوراء النہر ہی ہو سکتا تھا، کیونکہ
وہی ان کے ملک سے متصل تھا۔ وہیں ان سے پہلے ہجرت کرنے والے جا کر آباد
ہوتے رہے تھے، اور وہیں ان کو فراغ بال و صلاحِ حال میسر آنے کی امید ہو
سکتی تھی۔ عماد کاتب، ابن الراوندی، ابن خلکان اور حمد اللہ مستوفی کہتے
ہیں کہ ماوراء النہر آ کر سُغد[2]، سمرقند اور نور بخارا[3] میں انھوں نے قیام کیا۔ مگر ان

---

[1] تاریخ گزیدہ ص ۴۳۴

[2] سمرقند کے ضلع میں سُغد ایک پہاڑی علاقہ ہے جو سرسبزی و شادابی اور آب و ہوا
کی خوبی کے لحاظ سے دنیا کے بہترین مقامات میں شمار ہوتا ہے (ابن خرداذبہ ص ۲۰۲)۔

[3] بخارا کے قریب ایک گاؤں ہے (معجم البلدان ج ۸ ص ۳۲۴)

اثیر، ابوالفداء اور میر خوند کا بیان ہے کہ انہوں نے ابتداءً جَند[1] میں اقامت اختیار کی تھی، بعد میں بخارا کی طرف آ گئے۔ میری رائے میں دوسرا بیان صحیح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اسلامی علاقہ میں جَند اُن کے وطن سے قریب تر تھا، اور بخارا و سمرقند اُن سے بہت دُور ملک کے اندرونی حصّہ میں واقع تھے۔ علاوہ ازیں اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ ۳۸۲ھ میں جب سلجوق نے امیر نوح بن نصر سامانی کو شاہ ترکستان کے خلاف فوجی امداد دی تو وہ بخارا کے نواح میں نہ تھا، بلکہ جَند میں تھا اور وہیں اس کا انتقال ہؤا، جیسا کہ آگے چل کر تفصیل بیان ہوگا۔

قبولِ اسلام

ماوراء النہر پہنچ کر سلجوق اور اس کی جماعت نے اسلام قبول کر لیا۔

ابن اثیر اور ابوالفدا کہتے ہیں کہ مسلمان ہو کر اس نے مسلمانوں کی طرف سے غیر مسلم ترکوں کے خلاف جہاد شروع کر دیا۔ میر خوند نے اس سے آگے بڑھ کر ایک پُورا قصّہ لکھ دیا ہے کہ جند کے قریب پہنچ کر اس نے اس علاقہ کے والی کو پیغام بھیجا کہ میں اسلام لانے کی غرض سے ادھر آیا ہوں، تم علماء کو تعلیمِ اسلام کے لیے میرے پاس بھیجو۔ چنانچہ والی نے چند علماء کو اس کے پاس بھیجا جن کے ہاتھ پر

---

[1] دریائے سیحون کے قریب ایک بڑا شہر ہے، خوارزم سے دس یوم کی مسافت پر، بلادِ ترک کی سرحد سے متصل واقع ہے (مُعجَم البُلدان ج ۳ ص ۱۴۳)

[2] روضۃ الصفا ج ۴ ص ۸۶۔

وہ اور اس کی پوری جماعت مشرف بہ اسلام ہوئی۔ اس کے بعد جب غیر مسلم ترکی قبائل کے آدمی علاقہ جَند سے خراج طلب کرنے کے لیے آئے تو اس نے کہا کہ ہمارے جیتے جی یہ کفار مسلمانوں سے خراج وصول نہیں کر سکتے۔ چنانچہ اس نے ترکوں سے جنگ کی اور انہیں شکست دے کر بھگا دیا۔[1] لیکن اس تمام داستان کی اصلیت صرف یہ معلوم ہوتی ہے کہ ماوراء النہر کے علاقہ میں آ کر جب یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ رہنے لگے تو رفتہ رفتہ ان میں اسلام پھیل گیا۔ باقی رہا کفارِ غُز سے غزا کرنا تو ممکن ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر کبھی ایسا کیا ہو، لیکن اس کو ان کے خالص دینی جذبے کی طرف منسوب کرنے کے بجائے، ان کی فطری جنگ جوئی اور غنائم طلبی پر محمول کرنا زیادہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ چند سال بعد جب انہیں اسلامی ممالک میں پھیلنے کا موقع ملا تو انہوں نے کشت و خون، لُوٹ مار، اور ہتکِ حُرمات میں وہ شغف دکھایا جس کا محرک یقیناً کوئی دینی جذبہ نہ ہو سکتا تھا۔

توسیعِ نفوذ و اثر

حُسنِ اتفاق سے سلجوق اور اس کے ساتھیوں کو زمانہ ایسا مل گیا جس میں ماوراء النہر کے سیاسی احوال، پراگندگی و بدنظمی اور داخلی و خارجی معاملات کی انتہائی خرابی کے سبب، ان جیسے بہادر قسمت آزماؤں کے لیے پُوری طرح مساعد و موافق ہو رہے تھے۔ اس وقت ملک کی عنانِ حکومت امیر نوح بن منصور سامانی کے ہاتھ میں تھی جو اپنے خاندان کی وسیع مملکت پر پُورا قابو نہ رکھ سکتا تھا۔

---

[1] روضۃ الصفا ج ۴ ص ۸۶۔

ماوراءالنہر کے سوا بقیہ تمام صوبے عملاً خود مختار ہو چکے تھے۔ خراسان اور بلخ کے گورنر ابوعلی سیمجوری اور امیر فائق علی الاعلان اس کی اطاعت سے منحرف تھے اور انہوں نے مرکزی سلطنت سے کامل انقطاع حاصل کرنے کے لیے بیرونی طاقتوں کو اکسانا شروع کر دیا تھا۔ انہی حالات میں ترکوں سے جنگ چھڑ گئی اور پہلی مرتبہ ۳۸۲ھ/۹۹۲ء میں ترکستان کا فرمانروا بُغرا خان[1] ماوراءالنہر پر حملہ آور ہوا۔ ابتدائی مقابلے میں نوح کی فوج نے شکست کھائی اور ترکوں کا سیلاب بخارا کی طرف بڑھا۔ آخر نوح نے اپنی تمام قوت کو جمع کر کے مدافعت کی تیاری کی اور سلجوق سے بھی مدد مانگی جس نے اپنے بیٹے ارسلان (یا اسرائیل) کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ اس کے پاس بھیج دیا۔ بخارا کے نواح میں معرکہ کارزار گرم ہوا اور اس میں بغرا خاں شکست کھا کر بَلاساغون کی طرف پسپا ہو گیا۔[2]

یہ پہلا واقعہ تھا جس نے آلِ سلجوق کے لیے ترقی کے دروازے کھول دیئے۔ ان کے نفوذ و اثر میں معتدبہ اضافہ کیا، اور ماوراءالنہر کی آئندہ سیاسیات میں ان کو حصہ لینے کے اچھے مواقع بہم پہنچا دیئے۔

سلجوق کی وفات

اس کے بعد ہی سلجوق کا چراغِ حیات گُل ہو گیا اور وہ جَند میں دفن کیا گیا۔

---

[1] پورا نام ولقب شہاب الدولہ ہارون بن سلیمان بن ایلک خان تھا۔ کاشغر، ختن اور بَلاساغون کا فرمانروا تھا۔ اس کی سرحد ایک طرف چین سے اور دوسری طرف ماوراءالنہر سے ملی ہوئی تھی۔

[2] ابن اثیر، طبع یورپ، ج ۹ ص ۶۷- ص ۳۲۲۔

مؤرخین متفق ہیں کہ اس نے ۱۰۷ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ لیکن اس کی تاریخِ وفات کسی نے نہیں دی۔ تاہم واقعات کے سلسلے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی وفات ۳۸۲ھ میں بُغرا خان کی جنگ سے متصل پیش آئی ہو گی۔ کیونکہ ابن اثیر کے بیان کے مطابق اس کی وفات کے بعد اس کے خاندان کے لوگ بخارا میں جا کر آباد ہوئے، وہاں نوح سے ان کا اختلاف ہوا، انہوں نے بُغرا خاں کے پاس پناہ لی، مگر اس سے ان کی نہ نبھ سکی اور وہ وہاں سے جند چلے گئے۔ اس کے بعد ۳۸۳ھ ہی میں بُغرا خاں کا انتقال ہو گیا۔[1] اس بیان کو دیکھتے ہوئے یہ ماننا پڑے گا کہ سلجوق کا انتقال بُغرا خان سے کم از کم اتنی مدت پہلے ہونا چاہیے کہ ۳۸۲ھ کی جنگ کے بعد آلِ سلجوق جَند سے چل کر بخارا کے نواح میں آباد ہوں، اور پھر ۳۸۳ھ کے اواخر تک یہ تمام واقعات پیش آ سکیں۔

سلجوق کی اولاد

سلجوق کے متعدد بیٹے تھے۔ ان کے نام اور تعداد بیان کرنے میں مؤرخین نے اختلاف کیا ہے۔ حمد اللہ مُستوفی اسرائیل، میکائیل، موسیٰ اور یونس بتاتا ہے۔[2] ابن الراوندی نے بھی یہی نام لکھے ہیں مگر وہ موسیٰ کا لقب بیغو لکھتا ہے۔[3] ابوالفدا اور ابن اثیر صرف تین کے نام لکھتے ہیں: ارسلان، میکائیل اور موسیٰ۔ لیکن اس پر

---

[1] ابن اثیر، طبع یورپ، ج ۹، ص ۳۲۲-۳۲۳۔

[2] تاریخ گزیدہ، ص ۴۳۴۔

[3] راحۃ الصدور، ص ۸۷۔

مزید یہ ہے کہ وہ بیغو کو میکائیل کا بیٹا بتاتے ہیں جس کی تائید بیہقی سے بھی ہوتی ہے۔[1]

میر خوند نے میکائیل، موسیٰ، اور ارسلان بیغو کے نام گنائے ہیں اور ایک بیٹے کے متعلق لکھا ہے کہ وہ عنفوانِ شباب میں مرگیا۔ اس طرح باتفاقِ مؤرخین سلجوق کے تین بیٹے مسلّم ہیں۔ میکائیل، اسرائیل یا ارسلان، اور موسیٰ۔ ان میں سے تاریخ کو صرف مقدم الذکر دو سے تعلق ہے۔ میکائیل خود ایک جنگ میں شہید ہوا مگر اپنے پیچھے طُغرل بک اور چغری بک داؤد جیسے نامور بیٹے چھوڑ گیا جنہوں نے جیحوں سے فُرات تک تمام وسط ایشیا کی طاقتوں کو زیر و زبر کر دیا۔ دوسرے ارسلان نے محمود غزنوی کی قید میں جان دی اور اپنے پیچھے قُتلمُش کو چھوڑا جس کی اولاد سلاجقۂ روم کہلاتی ہے۔

سلجوق کی وفات کے بعد اس کی قوم دو گروہوں میں منقسم ہو گئی۔ ایک گروہ نے اپنا سردار طُغرل بک اور چغری بک داؤد کو بنایا اور دوسرے گروہ کی قیادت ارسلان بن سلجوق کو حاصل ہوئی۔ اس افتراق کا کبھی یہ نتیجہ تو نہیں ہوا کہ ان میں خانہ جنگی برپا ہوئی ہو، بلکہ ہر ضرورت کے وقت دونوں گروہوں میں ایک طرح کی ہم آہنگی ہی پائی گئی ہے، لیکن اس کے باوجود آئندہ نصف صدی تک ان دونوں کی سیاست اور تاریخ صاف طور پر ایک دوسرے سے جُدا رہی ہے۔ اکثر مورخین نے اس حقیقت کو نظر انداز کر کے تمام سلجوقیوں کو ایک سمجھا ہے اور ایک گروہ کے واقعات میں دوسرے گروہ کو شامل کر کے تاریخی

---

[1] ابوالفدا، ج ۲ ص ۱۶۳۔ ابن اثیر، ج ۹، ص ۱۹۷۔

ترتیب کو بُری طرح اُلجھا دیا ہے۔ لیکن ابن اثیر اور بیہقی کے بیانات کو بغور دیکھنے سے یہ اُلجھن بآسانی رفع ہو جاتی ہے۔ آئندہ واقعات کو سمجھنے کے لیے ان دونوں گروہوں کے امتیاز کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

طُغرل بک اور چغری بک کا حال

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ سلجوق کے حکم سے اس کے بیٹے ارسلان نے بخارا آکر سامانیوں کے ساتھ بُغرا خاں کے خلاف جنگ کی تھی اور اس میں متحدہ سامانی و سلجوقی افواج کو فتح حاصل ہوئی تھی۔ اس کے بعد سلجوقیوں کی باقیماندہ جمعیت بھی جس کے سردار طغرل بک اور چغری بک داؤد تھے، جَنَد سے بخارا آ گئی اور اس کے نواح میں خیمہ انداز ہوئی۔ لیکن نوح کے لیے اپنے دار السلطنت کے عین متصل ان کثیر التعداد جنگ جُو، جھگڑالو، اور وحشی ترکمانوں کے وجود کو گوارا کرنا مشکل تھا، اس لیے اس نے ان دونوں سرداروں کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہ کیا، اور یہ اس سے رُوٹھ کر بغرا خان کے پاس چلے گئے۔ مگر ان کے دادا اور چچا نے بغرا خاں کے خلاف جو کچھ کیا تھا اس کو ابھی زیادہ مدّت نہیں گزری تھی، اور انہیں اس کی طرف سے بھی کسی خیر مقدم کا یقین نہ تھا، اس لیے انہوں نے آپس میں یہ طے کر لیا کہ بیک وقت دونوں اُس کے پاس نہ جائیں گے۔ اس قرار داد کے مطابق جب طغرل اس کے پاس جاتا تو چغری اپنی فوج میں رہتا، اور جب چغری جاتا تو طغرل فوج میں رہتا۔ بغرا خاں نے بہت کوشش کی کہ دونوں ساتھ آئیں مگر انہوں نے اس کا موقع نہ دیا۔ آخر ایک روز اس نے طغرل کو گرفتار کر لیا اور ایک فوجِ گراں چغری کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجی۔ چغری پہلے سے خبردار ہو چکا تھا۔ اس نے

پوری قوت کے ساتھ جم کر مقابلہ کیا اور بغرا خاں کی فوج کو شکست دے کر بھگا دیا آخر اس جنگی قوت کے مظاہرے سے متاثر ہو کر بغرا خاں نے طغرل کو رہا کر دیا اور پھر سے یہ دونوں سردار اپنی فوج کو لے کر پھر جند چلے گئے[۲]۔ اس کے بعد چالیس سال تک طغرل اور جغری منظر تاریخ سے روپوش رہتے ہیں اور ماوراء النہر کی سیاست میں سلجوقیوں کی نمائندگی صرف ارسلان (یا اسرائیل) سے متعلق رہتی ہے۔

دولتِ سامانیہ کا انقراض

۳۸۳ھ میں بغرا خاں نے دوبارہ ایک زبردست فوج کے ساتھ ماوراء النہر پر چڑھائی کی۔ امیر نوح کا سالار لشکر فائق پہلے ہی اس سے ملا ہوا تھا۔ سمرقند پر اس نے قصداً شکست کھائی اور ترکی فوجیں کسی روک ٹوک کے بغیر تیزی کے ساتھ بخارا کی طرف بڑھیں۔ نوح کے لیے ملک چھوڑ کر بھاگ جانے کے سوا کیا چارہ تھا۔ وہ مازندران کی طرف نکل گیا اور بغرا خاں بہ آسانی بخارا پر قابض ہو گیا۔ لیکن یہاں کی آب و ہوا اسے راس نہ آئی۔ سخت بیماری کی حالت میں مفتوح علاقے کو عبدالعزیز بن نوح کے سپرد کر کے اپنے ملک کی طرف واپس ہوا۔ واپسی پر غز ترکوں نے جو یقیناً ارسلان کی فوج کے لوگ ہوں گے اس کے ساقے پر پیہم چھاپے مارے جن سے اسے کافی نقصان پہنچا۔ راستے میں اس کا انتقال ہو گیا، اور امیر نوح نے واپس آ کر دوبارہ ملک پر قبضہ کر لیا[۳]۔

---

[۲] ابن اثیر، ج ۹، ص ۱۹۷۔ روضۃ الصفا، ج ۴، ص ۸۶-۸۷۔

[۳] ابن اثیر، طبع یورپ، ج ۹، ص ۷۸-۷۰۔ روضۃ الصفا ج ۴ ص ۳۲۔ زین الاخبار، ص ۵۳-۵۴۔

۳۸۷ھ / ۹۹۷ء میں امیر نوح کا انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ فائق اور بکتوزون نے اس کے بیٹے ابوالحارث منصور کو برائے نام تخت پر بٹھا کر خود حکمرانی شروع کی تقریباً دو سال بعد انہوں نے منصور کو معزول کر کے اندھا کر دیا اور صغیر السن عبدالملک بن نوح کو تخت نشین کیا۔ ان حالات کو دیکھ کر سلطان محمود غزنوی نے خراسان و غزنین میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ دوسری طرف سے بغرا خاں کے جانشین ایلک خان (شمس الدولہ ابو نصر بن بغرا خاں) نے حملہ کر کے ذی قعدہ ۳۸۹ھ / ۹۹۹ء میں پوری مملکت بخارا کو کنارہ جیحون تک فتح کر لیا، اور سامانی خاندان کے تمام بڑے بڑے شہزادوں کو قید کر دیا جن میں نوح کے چاروں بیٹے عبدالملک، منصور، ابو ابراہیم اسماعیل، اور ابو یعقوب بھی شامل تھے[۱]۔ لیکن ۳۹۰ھ میں ابو ابراہیم اسماعیل بن نوح قید سے نکل بھاگا اور اس نے اپنے خاندان کے پرانے وفاداروں کو جمع کر کے کامل پانچ سال تک آبائی ملک کو واپس لینے کی پیہم کوشش کی۔ اس جدوجہد میں ارسلان بن سلجوق اور اس کے ترکمانان غز نے بھی اس کا ساتھ دیا اور شوال ۳۹۳ھ میں سمرقند تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ مگر انہیں سامانیوں کے حق میں پانسہ پلٹنے کی کچھ زیادہ امید نہ تھی، اس لیے انہوں نے ایلک خاں کے قیدیوں کو رہا کر دیا اور ان کے اس فعل سے بدگمان ہو کر اسماعیل ان سے الگ ہو گیا۔ اس

---

[۴] تاریخ گزیدہ، ص ۳۸۷-۳۸۸۔ انگریزی ترجمہ طبقات ناصری، ص ۴۴-۴۵۔

[۵] ابن اثیر، طبع یورپ، ج ۹، ص ۱۰۱-۱۰۲-۱۰۴-۱۰۵-۱۰۶ - روضۃ الصفا، ج ۴، ص ۲۵-۲۷ - زین الاخبار، ص ۵۸-۶۱- تاریخ گزیدہ، ص ۳۹۰-۳۹۱۔

کے بعد مزید دو سال تک وہ زندگی کے نشیب و فراز دیکھتا رہا، اور انجام کار یہ ہوا کہ ربیع الاول ۳۹۵ھ/۱۰۰۴ء میں اس کی موت نے سامانی خاندان کی قسمت کا قطعی فیصلہ کر دیا۔[1]

اس زمانے میں ارسلان اور اس کے ساتھیوں کے لیے بخارا میں رہنا محال تھا اس لیے وہ جیحوں پار کر کے اس صحرا میں ہٹ آئے تھے جو خراسان، جرجان اور خوارزم کے درمیان واقع ہے، اور یہاں وہ ماوراء النہر کے معاملات میں مداخلت کرنے کے ہر موقع کا انتظار کر رہے تھے۔

ماوراء النہر میں ترکوں کا دور

ایلک خان نے ماوراء النہر پر قبضہ کرنے کے بعد (غالباً ۳۹۰ھ میں) سلطان محمود غزنوی سے معاہدہ کر لیا جس کی رُو سے دونوں کے درمیان دریائے جیحوں سرحد قرار پایا۔ مگر جب اسماعیل کے خطرے سے اس کو نجات مل گئی تو اس نے محمود کو ہندوستان کی طرف مشغول پا کر ۳۹۶ھ میں خراسان پر دو جانب سے حملہ کر دیا۔ ایک جانب اس کے بھائی جعفر تگین نے بلخ پر قبضہ کیا اور دوسری جانب اس کا سپہ سالار سُباشی تگین ہراۃ اور نیشاپور پر متمکن ہو گیا۔ محمود اس دست درازی کی خبر سنتے ہی ادھر متوجہ ہوا اور پہلے حملے میں اس نے بلخ سے جعفر تگین کو مار بھگایا، پھر ہراۃ کی طرف توجہ کی اور سباشی کو پیہم شکستیں دیں۔ سباشی نے چاہا کہ مَرو

---

[1] ابن اثیر، طبع یورپ، ج ۹، ص ۱۱۱-۱۱۳-۲۲۳- روضۃ الصفا، ج ۴، ص ۲۷-۲۹- زین الاخبار، ص ۶۳ تا ۶۴- تاریخ گزیدہ ص ۳۹۲-۳۹۳- طبقات ناصری، ص ۵۱-۵۲-

اور اَبیوَرد کی طرف سے جیحوں پار کر کے ماوراء النہر چلا جائے۔ لیکن ارسلان کے ترکمانوں نے راستہ روک لیا اور سخت نقصان کے ساتھ اسے جرجان کی طرف بھگا دیا۔ اس کے بعد ایلک خاں نے جمیع اطراف ترکستان سے فوجیں جمع کیں اور ادھر سے محمود ترک غُز و خلج اور ہندی و افغانی فوجوں کو لے کر بڑھا۔ ۳۹۷ھ (اور بقول زین الاخبار ۳۹۸ھ میں) بلخ کے قریب ایک زبردست جنگ ہوئی جس میں ایلک خان شکست کھا کر پسپا ہو گیا۔ ممکن تھا کہ محمود اس موقع پر ماوراء النہر میں پیش قدمی کرتا، مگر اسے ہندوستان کی طرف توجہ کرنی تھی، اس لیے جیحوں بدستور دونوں میں سرحدی خط رہا۔[1]

۴۰۳ھ/۱۰۱۲ء میں ایلک خاں مر گیا اور اس کی جگہ اس کا بھائی طغان خاں تخت نشین ہوا۔[2] ۴۰۸ھ/۱۰۱۷ء میں اس کا بھی انتقال ہو گیا اور تخت کے لیے اس کے بھائی ابوالمظفر شرف الدولہ ارسلان خاں اور قدر خاں یوسف بن بغرا خاں میں کشمکش ہوئی جس کا فیصلہ قدر خاں کے حق میں ہوا۔[3]

اس خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر ایلک خاں کا ایک اور بھائی علی تگین خاں جو ارسلان خاں کی قید میں تھا، نکل بھاگا اور اس نے قوت جمع کر کے قدر خاں کے

---

[1] ابن اثیر، طبع یورپ، ج ۹، ص ۱۳۳-۱۳۵- روضہ، ج ۴، ص ۳۴-۳۶- زین، ص ۶۸-۶۹- گزیدہ، ص ۳۹۶-۳۹۷-

[2] ابن اثیر، طبع یورپ، ج ۹، ص ۱۶۹-

[3] ابن اثیر، طبع یورپ، ج ۹، ص ۲۰۹-۲۱۱-

خلاف جدوجہد شروع کر دی۔ اسی زمانے میں ارسلان بن سلجوق سے اس کی دوستی ہو گئی، کیونکہ دونوں کا مقصد ایک تھا۔ آخر کار ان دونوں نے قدر خاں کو بخارا و سمرقند سے بے دخل کر کے ترکستان کی طرف پسپا کر دیا اور خود ماوراء النہر پر قابض ہو گئے[1]۔ اس انقلاب کی صحیح تاریخِ وقوع کسی نے نہیں لکھی۔ مگر یہ امر یقینی ہے کہ وہ ۴۰۸ھ اور ۴۱۵ھ کے درمیان کسی زمانے میں پیش آیا۔

محمود غزنوی کی آمد

علی تگین اور ارسلان بن سلجوق کی دست درازیوں کے خلاف قدر خاں نے سلطان محمود غزنوی سے اعانت کی درخواست کی۔ محمود خود بلادِ ماوراء النہر کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس نے اس دعوت پر فوراً لبیک کہی اور ۴۱۵ھ/۱۰۲۴ء میں ادھر کا رُخ کیا۔ بلخ پہنچا تو جن جن لوگوں کو علی تگین خاں سے شکایات تھیں، وہ فریاد کناں اس کے گرد جمع ہونے لگے۔ آخر کار ۴۱۶ھ کی ابتدا میں اس نے جیحوں پار کیا اور ماوراء النہر میں اس کے قدم رکھتے ہی تمام ملک میں کھلبلی مچ گئی۔ سواحلِ جیحوں کے بعض امراء نے بڑھ کر اطاعت کی۔ علی تگین خاں روپوش ہو گیا۔ ارسلان بن سلجوق نے بھی بیابان کی راہ لی۔ اور کاشغر سے خود قدر خاں استقبال کو آیا۔ دونوں میں خوب دوستانہ ملاقاتیں رہیں[2] اور اس دوران میں ارسلان اور اس کے ترکمانوں کا مسئلہ بھی زیرِ بحث آیا۔ قدر خاں نے ان کی روز افزوں قوت سے سخت اندیشہ ظاہر کیا اور

---

[1] ابن اثیر، طبع یورپ، ج ۹، ص ۳۲۳

[2] زین الاخبار، ص ۸۱-۸۲۔

کہا کہ اگر کبھی آپ ہندوستان کے جہاد میں مشغول ہوئے تو کچھ بعید نہیں کہ ان لوگوں سے فساد ظہور میں آجائے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کو کچھ لالچ دے کر مطیع کر لیا جائے[1]۔ اس مشورے کے بعد محمود نے ان کے ساتھ جو کچھ سلوک کیا اس کے بیان میں مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے۔ گردیزی لکھتا ہے کہ محمود نے اسرائیل بن سلجوق کی گرفتاری کے لیے آدمی بھیجے اور جب وہ پکڑا ہوا آیا تو اسے ہندوستان بھیج کر قید کر دیا[2]۔ عماد کاتب کی روایت ہے کہ محمود نے اس کو دوست بنانا چاہا مگر اس نے احتراز کیا، اس پر غضب ناک ہو کر محمود نے اسے گرفتار کر لیا[3]۔ لیکن ابن اثیر، ابو الفدا، ابن خلکان، حمد اللہ مستوفی، اور ابن الراوندی خفیف اختلاف کے ساتھ یہ بیان کرتے ہیں کہ محمود نے دوستی کی خواہش ظاہر کر کے سلجوقیوں سے درخواست کی کہ وہ اپنے سردار کو اس سے ملنے کے لیے بھیجیں۔ سلجوقیوں نے باہمی مشورے کے بعد اس درخواست کو قبول کر لیا اور ارسلان (یا اسرائیل) کو ملنے کے لیے بھیجا۔ محمود بظاہر بہت اعزاز کے ساتھ اس سے پیش آیا، اور دوستی کا دم بھرتا رہا، مگر بباطن اس کے استیصال کی فکر میں تھا۔ آخر ایک روز دھوکے سے اسے گرفتار کر لیا اور ہندوستان بھیج دیا[4]۔

---

[1] راحۃ الصدور، ص ۸۷

[2] زین الاخبار، ص ۸۴

[3] زبدۃ النصرہ، ص ۵۔ [4] ابن اثیر، ج ۹، ص ۱۹۷۔ ابو الفدا، ج ۲ ص ۱۶۳۔ ابن خلکان، ترجمۂ طغرل بیک۔ تاریخ گزیدہ، ص ۴۳۵۔ راحۃ الصدور ص ۸۷-۸۸۔

ارسلان بن سلجوق کی گرفتاری

تاریخ گزیدہ اور راحۃ الصدور میں محمود سے ارسلان کی ملاقات، گفتگو اور گرفتاری کی مفصّل کیفیت بیان کی گئی ہے، جو کچھ زیادہ قابلِ اعتبار تو نہیں ہے۔ مگر اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ میں ان واقعات کے متعلق کس قسم کی داستانیں زبان زدِ عام تھیں۔ لکھا ہے کہ جب محمود کی جانب سے دعوت نامہ پہنچا تو ارسلان ایک پورے لشکر کے ساتھ محمود کی ملاقات کو روانہ ہوا۔ محمود نے کہلا بھیجا کہ مجھے کسی فوجی اعانت کی ضرورت نہیں ہے، محض دیدار و استظہار مقصود ہے۔ لہٰذا لشکر کو چھوڑ کر اپنے خاص خاص آدمیوں کے ساتھ آؤ۔ چنانچہ ارسلان نے لشکر کو چھوڑ دیا اور چیدہ آدمیوں کی ایک جماعت کے ساتھ محمود کی فرودگاہ پر پہنچا۔ اس نے بڑے تپاک سے استقبال کیا، اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد کہا کہ ہم کو ہر وقت ہندوستان میں کافروں سے جنگ کرنے کے لیے لشکرِ گراں کی ضرورت پڑتی ہے، اور بلادِ خراسان معطل و مہمل رہ جاتے ہیں، لہٰذا ہمارے تمہارے درمیان اس قسم کا ایک میثاق ہو جانا چاہیے کہ اگر کبھی کوئی دشمن اُٹھے اور ہمیں مدد کی ضرورت ہو تو تمہاری فوج سے مدد حاصل کر سکیں۔ ارسلان نے جواب دیا کہ ہماری طرف سے بندگی میں تقصیر نہ ہوگی۔ محمود نے پوچھا تم ہمیں کتنی فوج سے مدد دے سکتے ہو؟ ارسلان کے بازو پر کمان بندھی ہوتی تھی اور بند قبا میں دو تیر تھے۔ اس نے ایک تیر نکال کر کہا کہ بوقتِ احتیاج اس کو ہماری فوج کے پاس بھیج دیجیے گا، ایک لاکھ فوج آپ کی مدد کو پہنچ جائے گی۔ محمود نے کہا اگر یہ کافی نہ ہو؟ ارسلان نے دوسرا تیر دے کر کہا کہ اس کو بلخان کوہ بھیج دیجیے تو پچاس ہزار

سوار آپ کی مدد کو آئیں گے۔ محمود نے کہا اگر وہ بھی کافی نہ ہوں؟ ارسلان نے کمان دے کر کہا اسے ترکستان بھیج دیجیے، اگر دو لاکھ سواروں کی بھی ضرورت ہوگی تو حاضر ہو جائیں گے۔

اس گفتگو سے محمود کو سلجوقیوں کی قوت و شوکت کا اندازہ ہو گیا اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ اس خطرناک قوت کا استیصال کر دینا چاہیے۔ چنانچہ ارسلان کے اعزاز میں ایک مجلس آراستہ کی۔ تین شبانہ روز عیش و نشاط کا سلسلہ جاری رکھا اور تمام مہمانوں کو خلعتیں عطا کیں۔ پھر اپنے اُمراء کو اشارہ کیا کہ ہر شخص ارسلان کے آدمیوں میں سے ایک ایک کو دعوت دے اور خوب شراب پلا کر باندھ لے۔ خود محمود نے اس طرح ارسلان کی دعوت کی اور بدمستی کے عالم میں اسے گرفتار کر کے راتوں رات ہندوستان روانہ کر دیا۔

ہندوستان میں ارسلان کو قلعہ کالنجر[1] میں قید رکھا گیا اور سات سال تک وہ برابر قید رہا۔ اس اثنا میں دو ترکمان جو اس کی فوج کے آدمی تھے، اسے چھڑانے کی فکر میں پھر رہے تھے، آخر انہوں نے قلعہ میں پہنچ کر آپ کشتی کی خدمت حاصل کر لی، اور ایک روز فرصت پا کر اُسے لے اُڑے۔ مگر راستے سے ناواقف تھے۔ ایک جنگل میں جا کر بھٹک گئے۔ اُدھر سے قلعہ کا کوتوال تلاش کرتا ہوا سر پر آن پہنچا۔ جب ارسلان کو دوبارہ گرفتار ہونے کا یقین ہو گیا تو اس نے ترکمانوں سے کہا کہ تم وطن واپس جاؤ اور دوسرے بھائیوں کو یہ پیغام پہنچا دو کہ:

---

[1] یہ کالنجر وہ نہیں ہے جو بندیلکھنڈ میں واقع ہے اور آج کل اس نام سے مشہور ہے بلکہ یہ ملتان کے حدود میں واقع تھا۔

اور دوسری طرف اس کی قوم کے دربار محمودی میں حاضر ہو کر خراسان کا پاسپورٹ مانگنے میں ہم کو کوئی مناسبت نظر نہیں آتی۔

خراسان میں ان کی شورشیں

جس وقت محمود نے ارسلان بن سلجوق کی قوم کو خراسان میں آباد کرنے کا فیصلہ کیا تھا اسی وقت ارسلان جاذب نے حکم لگا دیا تھا کہ یہ ایک بڑی غلطی ہے جس پر بعد میں پچھتانا پڑے گا[1]۔ اگرچہ محمود نے ایسا کرنے میں متعدد مصلحتیں سوچی تھیں، مثلاً یہ کہ خراسان کے مختلف ناحیوں میں بس کر ان کی بندھی ہوئی جمعیت پراگندہ ہو جائے گی، متمدن قوموں کے ساتھ رہنے سے ان کی وحشت و جنگ جوئی دور ہو جائے گی، اور سب سے زیادہ یہ کہ جب وہ خراسان کی منضبط اور منظم حکومت کے ماتحت آجائیں گے تو آسانی سے قابو میں رکھے جا سکیں گے۔ لیکن یہ سب مصلحتیں بے بنیاد ثابت ہوئیں اور تاریخ نے آخر یہی فیصلہ کیا کہ خراسان میں اس قوم کو داخل کرنا غزنوی سیاست کے اعتبار سے ایک بڑی غلطی تھی۔

بہر حال محمود کی اجازت سے یہ لوگ خراسان میں داخل ہوئے اور کچھ عرصہ تک ایک مطیع رعایا کی حیثیت سے رہے۔ اس زمانہ میں ابو سہل حمدوی[2]

---

[1] زین الاخبار، ص ۸۵

[2] عماد کاتب ابن اثیر، بیہقی اور گردیزی نے اس کو حمدونی لکھا ہے مگر ثعالبی اپنی یتیمہ میں حمدوی لکھتا ہے، اور فرخی نے اپنے ایک قصیدہ میں اس کے ساتھ کسروی، شروی اور مانوی وغیرہ قافیہ باندھے ہیں۔

عمید عراق سے انہوں نے اچھے تعلقات پیدا کر لیے تھے، چنانچہ ہم سنتے ہیں کہ ایک مرتبہ انہوں نے تین ختلی گھوڑے، سات بختی اونٹ، اور تین سو ترکی بکریاں اس کو ہدیۃً پیش کیں[1]۔ لیکن یہ حالت کچھ زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہی۔ خراسان کے عمال نے ان پر سختی شروع کی اور انہوں نے بھی سختی سے جواب دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خراسان کا سارا بالائی علاقہ ہنگامہ و فساد سے بھر گیا۔ نسا، باورد[2] اور فراوہ کے لوگ سلطان محمود کے پاس فریاد لے کر پہنچے۔ (۴۱۸ھ) اور محمود نے ارسلان جاذب کو ان کی گوشمالی کا حکم دیا۔ اس نے حسب حکم ان کی جمعیت پر پیہم حملے کیے مگر ان کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ جب محمود کے پاس شکایات کی جھڑی لگ گئی تو اس نے زیادہ سختی کے ساتھ ارسلان جاذب کو ان کا انسداد کرنے کے لیے لکھا۔ ارسلان نے جواب دیا کہ ان کی قوت بہت بڑھ گئی ہے، اگر آپ بذات خود آکر ان کی سرکوبی نہ کریں گے تو ان کا فتنہ حدِ تدارک سے گزر جائے گا۔ آخر ۴۱۹ھ/۱۰۲۸ء میں محمود خود غزنین سے روانہ ہوا اور بُشت کے راستے طوس پہنچا۔ رباطِ فراوہ کے قریب سلجوقیوں سے جنگ ہوئی اور محمودی قوت سے ٹکر کھا کر وہ اس طرح پاش پاش ہوئے کہ بلخان کوہ، جرجان اور دہستان وغیرہ علاقوں میں پراگندہ ہو گئے اور ان کی ایک جماعت آذربیجان تک چلی گئی[3]۔

---

[1] زبدۃ النصرہ، ص ۵

[2] اس مقام کا نام باوَرد بھی ہے اور ابیورد بھی۔

[3] زین الاخبار، ص ۷۹-۹۰- ابن اثیر، ج ۹، ص ۱۵۷- ابن خلکان، ترجمۂ طغرل بک۔

محمود کا انتقال اور مسعود کی جانشینی

۴۲۱ھ / ۱۰۳۰ء میں سلطان محمود کا انتقال ہو جانے سے عارضی طور پر ان ترکمانوں کی قسمت ذرا مائل بہ اصلاح ہو گئی۔ محمود کے بعد محمد اور مسعود دو اس کے بیٹوں میں خانہ جنگی ہوئی جس کا خاتمہ مسعود کی تخت نشینی پر ہوا۔ مسعود میں وہ خوبیاں نہ تھیں جو اس کے نامور باپ کی کامیابی کا ذریعہ بنی تھیں۔ وہ تنگ نظر تھا، عیش پسند تھا، ناعاقبت اندیش تھا، مواقع سے فائدہ اٹھانے کے بجائے انہیں کھو دینا زیادہ جانتا تھا، اور سب سے زیادہ یہ کہ مستبد تھا۔ گو اس کے زمانہ میں بھی وہی سیاسی مدبر اور فوجی سالار موجود تھے جن سے کام لے کر محمود نے متھرا سے لے کر رے تک اپنی سیادت کا سکہ بٹھایا تھا، مگر اس نے صرف یہی نہیں کہ ان سے کام نہیں لیا، بلکہ ہمیشہ ان کے نیک مشوروں کے خلاف عمل کرتا رہا جس کی بدولت جنی بنائی سلطنت چند سال کے اندر بگڑ گئی۔

اُس نے ابتدا ہی میں اپنے بھائی محمد کے خلاف اپنی قوت کو مضبوط کرنے کے لیے جو تدبیریں اختیار کیں، وہ سخت ناعاقبت اندیشی پر مبنی تھیں۔ اس نے علی تگین خاں کو لکھا کہ میں بھائی سے جنگ کرنا چاہتا ہوں، اگر تم مجھے مدد دو گے تو میں تم کو ایک ولایت کی حکومت دے دونگا۔ اُمرائے دولت نے اس سے سخت اختلاف کیا اور کہا کہ علی تگین ایک حریص آدمی ہے، اُس کی جڑیں بڑھ جائیں گی اور وہ ایک ولایت پر کبھی بس نہ کرے گا۔ مگر مسعود نے کسی کی ایک نہ سُنی۔

سلجوقی ترکمانوں کے ساتھ مسعود کا سلوک

دوسری طرف اس نے انہی ترکمانوں کو جنہیں محمود نے خراسان سے نکال کر منتشر کر دیا، اپنی فوجی قوت بڑھانے کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کی اور ان میں سے یغمُر، قزل، بُوقہ، کوکتاش اور دوسرے سرداروں کو اُن کی جمعیتوں سمیت اپنے پاس بلا کر نوکر رکھ لیا جنہوں نے بعد میں عاجزی و التجا کر کے اپنے دوسرے بھائی بندوں کو بھی آبسنے کی اجازت دلوا دی[1]۔ اس کے بعد مناسب تھا کہ تالیفِ قلب کر کے انہیں مطیع کر لیا جاتا، مگر مسعود نے غلطی پر غلطی یہ کی کہ جب ان سے کام نکل گیا تو اپنے سالارِ عراق تاش فرّاش کو ان کی سرکوبی پر مامور کیا اور اسے حکم دیا کہ ان کے بڑے بڑے سرداروں کو بلا کر اچانک گرفتار کر لے۔ اس موقع پر وزیر اعظم احمد بن حسن مَیمَندی موجود تھا۔ اس نے اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے عرض کیا کہ:

"ابتداء میں ان ترکمانوں کو لا کر اپنے گھر میں بٹھانا ہی غلط تھا۔ اُس روز میں نے اور اَلتُونتاش، اور اَرسلان جاذب وغیرہ لوگوں نے بہتر سمجھایا مگر ہماری نہ سُنی گئی کیونکہ امیر سابق کو اپنی رائے کی پچ بہت تھی۔ وہ ایک خطا تھی جس سے اتنا فتنہ برپا ہوا کہ آخر انہیں خراسان سے نکالنا پڑا۔ اس کے بعد آپ ان کو پھر لے آئے۔ اب کہ یہ قوم سکون سے بیٹھی ہے اور سرکاری خدمت میں لگی ہوئی ہے، اس کو ایک حاجب کے سپرد کر دینا مناسب

---

[1] بیہقی، ص ۷۰-۱۷۔ ابن خلکان، ترجمۂ طغرل بک۔ ابن اثیر، طبع یورپ، ج ۹، ص ۲۶۷۔

معلوم ہوتا ہے۔ اس کے سرداروں پر ہاتھ ڈالنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ بدگمان ہو جائے گی اور یہ ٹھیک نہ ہوگا"۔[1]

مگر مسعودؔ نے خودسری و خود رائی کی بنا پر اس رائے صائب کو رد کر دیا اور کہا کہ یہ خود انہی کے چند سرداروں کی خواہش پر کیا جا رہا ہے۔ اس پر خواجہ احمد خاموش ہو گیا اور باہر نکل کر اس نے خواجہ ابو نصر مشکان اور ابو سہل زوزنی سے کہا کہ "یہ رائے سخت نادرست ہے۔ تم گواہ رہو کہ مَیں اس کی مخالفت کر کے ذمہ داری سے بری ہو چکا ہوں"۔

غرض مسعودؔ کے حکم سے تاش فرّاش نے جا کر نیشاپور کے قریب ان کے پچاس سے زیادہ سرداروں کو قتل کر دیا اور پھر ان کی جمعیّت پر ایک دم ٹوٹ پڑا، جس سے وہ تتّر بتّر ہو کر جبال کی طرف بھاگ گئے، اور اس کے بعد تقریباً دس سال تک رَے، اصفہان، آذربیجان، موصل اور دیارِ بکر کے علاقوں میں لوٹ مار مچاتے پھرے یہاں تک کہ ۴۳۲ھ کے بعد جب طغرل اور جغری بک نے ان ممالک کو فتح کیا تو انہوں نے باوفاتِ مختلفہ ان کی اطاعت قبول کر لی۔ یہی لوگ ہیں جن کو ابن اثیر اور بیہقی وغیرہ "عراقی غز" کہتے ہیں۔[2]

---

[1] بیہقی ص ۳۲۲-۳۲۳۔

[2] ابن اثیر نے ممالکِ مذکورہ میں ان کی غارت گریوں کی پوری تفصیل بیان کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

خراسان سے بھاگ کر یہ لوگ دامغان، خوار لری، اور اسحاق آباد وغیرہ کو لوٹتے

دوسری طرف جب یغمرؔ اور اس کے ساتھی ترکمانوں کے ساتھ تاش فرّاش

ہوئے رَے پہنچے اور شہر میں گھس کر اسے تاراج کر دیا۔ پھر ان میں سے ایک گروہ آذربیجان چلا گیا۔ اور وہاں اس نے اس قدر شر و فساد برپا کیا کہ کُردوں نے عاجز آ کر اس پر ہجوم کیا اور اپنے ملک سے نکال دیا۔ یہاں سے انہوں نے پھر جبال کا رُخ کیا اور رَے، ہمدان، قزوین، اسد آباد اور دینوَر کے علاقوں میں پھیل کر اس قدر تباہی پھیلائی کہ تمام ملک کے باشندے چیخ اُٹھے۔ یہ حالت اس وقت تک قائم رہی جب تک طغرل اور سلطان مسعود کے درمیان کشمکش جاری رہی جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ پھر جب غزنویوں سے فارغ ہو کر سلجوقیوں نے جبال اور طبرستان کا رُخ کیا تو ان غارت گر ترکمانوں نے اُن کے خوف سے آذربیجان کی راہ لی، کیونکہ وہ طغرل کے خاندان کی رعیت رہ چکے تھے اور اس کے مقابلے میں آنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔ آذربیجان میں غارت گری کرتے ہوئے یہ لوگ دیارِ بکر، جزیرۂ ابن عمر، موصل، سنجار اور نصیبین تک پھیل گئے۔ چونکہ یہ بظاہر طغرل بک کو اپنا سردار مانتے تھے اور خلیفہ کے بعد خطبے میں اسی کا نام لیتے تھے، اس لیے جب ان کی شرارتیں حد سے بڑھ گئیں تو جلال الدولہ بن بُوَیہ اور نصر الدولہ بن مروان نے طغرل کو شکایت نامے لکھے۔ جن کے جواب میں طغرل نے معذرت کی اور لکھا کہ یہ لوگ ہماری رعایا اور ہمارے خدام تھے مگر جب ہم آلِ سبکتگین سے جنگ اور خوارزم کے معاملات میں اُلجھے ہوئے تھے تو یہ اِدھر نکل آئے اور یہاں فساد برپا کرنے لگے۔ اب ہم ان معاملات سے فارغ ہو چکے ہیں اور عنقریب ان کو اطاعت اور ترکِ فساد پر مجبور کریں گے (طبع یورپ، ج ۹، ص ۲۶۶-۲۷۶)

کے سلوک کی اطلاع بلخان کوہ میں ان کے دوسرے اہلِ قبیلہ کو ہوئی تو وہ بدلہ لینے کے لیے پھر خراسان میں گھس آئے اور فتنہ و فساد برپا کرنا شروع کر دیا[1] ۴۲۴ھ کے وسط میں جب ان کی شورشیں حد سے بڑھ گئیں تو مسعود نے رَے اور خراسان کے گورنروں کو ان کی تادیب کا حکم دیا اور تاکید کی کہ رَے میں ان کو گھیر لیا جائے۔ لیکن جو مدبرینِ سلطنت حالات پر گہری نظر رکھتے تھے انہوں نے خوب سمجھ لیا تھا کہ اب خراسان کی خیر نہیں ہے۔ چنانچہ بیہقی لکھتا ہے کہ اسی زمانہ میں میرے اُستاد ابونصر مشکان نے اپنے کارندے کو جو گوزگانان اور کرمان میں تھا خط لکھا کہ میری دس ہزار بکریاں اور بھیڑیں جو تمہارے پاس ہیں انہیں فوراً بیچ کر قیمت نقد کر لو۔ مَیں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا تو اس نے کہا:

"ترکمانوں کو رَے میں گھیر لینا ایک غلط رائے اور نادرست تدبیر ہے کیونکہ تین چار ہزار سواروں کو اس طرح گھیر لینا ممکن نہیں ہے... اس کی خبر جب رَے پہنچے گی تو وہاں شورش پھیلے گی، پھر بلخان کوہ سے یَغمر کا لڑکا فوجیں لائے گا اور یہ سب مل کر خراسان میں گھس آئیں گے، جو کچھ مواشی وغیرہ پائیں گے لے جائیں گے، اور بہت فساد برپا کریں گے۔ مَیں نے پہلے سے اس انجام کو دیکھ لیا ہے اس لیے حکم دیتا ہوں کہ میری بکریوں کو فوراً بیچ دیں۔ اگر وہ سستی سے سستی بھی بیچ دی گئیں تب بھی مجھے کچھ تو مل جائے گا۔ میں نے اور خواجہ بزرگ (وزیرِ اعظم)

[1] بیہقی، ص ۴۶۰

نے بہتیرا سمجھایا اور اس غلط تدبیر کا انجام سُجھایا، مگر کوئی اثر نہ ہُوا۔ یہ خداوند (یعنی مسعود) ہمّت و جگر میں اپنے باپ کے خلاف واقع ہُوا ہے۔ اس کا باپ (یعنی سلطان محمود) ایک سرکش مگر دُور اندیش آدمی تھا۔ وہ اگر کوئی غلط بات کہتا کہ میں ایسا کروں گا تو شاہانہ جباری کی شان سے کہتا تھا اور جو کوئی اس ارادے کے عیب و صواب کو ظاہر کرتا اس پر ناراض ہوتا اور بُرا بھلا کہتا تھا، مگر جب ٹھنڈے دل سے اس پر غور کرتا تو پھر راہِ راست پر آجاتا تھا۔ بخلاف اس کے اِن سرکار کا حال یہ ہے خود رائی سے کام لیتے ہیں بغیر سوچے سمجھے۔ نہ معلوم ان باتوں کا کیا انجام ہوگا[1]"

یہاں پہنچ کر اُس سلجُوقی جماعت کی تاریخ ختم ہوتی ہے جو ارسلان بن سلجُوق کے زیرِ قیادت تھی۔ اب ہم اس جماعت کی طرف رجوع کرتے ہیں جس کے سردار طُغرل بک اور چغرل بک تھے۔

طُغرل بک اور علی تگین خاں کی لڑائی

یاد ہوگا کہ بغراخاں کے پنجے سے نکل کر یہ لوگ جند کی طرف چلے گئے تھے۔ اس کے بعد تقریباً ۳۰ سال تک کا زمانہ انہوں نے خاموشی کے ساتھ جند اور خوارزم کے درمیان مرغزاروں میں بسر کر دیا اور ماوراء النہر کے معاملات میں

[1] بیہقی، ص ۴۹۴ - ۴۹۵

کوئی قابلِ ذکر حصہ نہیں لیا۔ آخر ۴۱۶ھ میں جب ارسلان بن سلجوق گرفتار ہوا اور اس کی قوم ماوراء النہر سے نکل گئی، تو محمود غزنوی کے پیٹھ پھیرتے ہی علی تگین خاں پھر بخارا واپس آگیا، اور اس نے ارسلان کی جگہ طغرل کے چچازاد بھائی یوسف کو، جو موسیٰ بن سلجوق کا بیٹا تھا، اپنے پاس بلا کر بہت خاطر مدارات اپنے ہاں کی؛ تمام ترکی فوج کا سردار بنایا، بڑی جاگیر دی اور اینانچ بیغو کا لقب عطا کیا لیکن کچھ عرصے بعد دونوں میں کسی بات پر اختلاف ہو گیا جس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ علی تگین خاں اس کو طغرل اور چغری کے خلاف استعمال کرنا چاہتا تھا ہمیں نہیں معلوم کہ اس کی یہ خواہش کس وجہ سے تھی؛ بلکہ ہم وثوق کے ساتھ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ دونوں میں اختلاف کی اصلی وجہ یہی تھی۔ بہر حال صورت کچھ ہو، ان کے اختلافات یہاں تک بڑھ گئے کہ علی تگین خاں نے اپنے ایک امیر اَلپ قرا کے ذریعے یوسف کو قتل کرا دیا۔

جب اس واقعہ کی خبر طغرل اور چغری کو پہنچی تو وہ علی تگین خاں سے بدلہ لینے کے لیے روانہ ہوئے۔ اِدھر سے یہ بھی لڑنے چلا۔ محرم ۴۲۰ھ/۱۰۲۹ء میں طرفین کا مقابلہ ہوا اور علی تگین خاں کو شکست ہوئی۔ اسی زمانہ میں چغری بیک کے ہاں اَلپ ارسلان پیدا ہوا اور ترکمانوں نے اس فتح کے موقع پر اس کی پیدائش کو بہت بھاگوان سمجھا۔ اس کے بعد ۴۲۱ھ میں اِن دونوں بھائیوں نے یوسف کے قاتل اَلپ قرا پر حملہ کیا اور اس کو تقریباً ایک ہزار آدمیوں سمیت قتل کر دیا۔ ان چیرہ دستیوں سے مشتعل ہو کر علی تگین خاں نے ایک زبردست لشکر کے ساتھ ان پر حملہ کیا جس کی تاب یہ نہ لا سکے۔ اس میں سلجوقی لشکر کے بہت سے آدمی

مارے گئے، ان کا مال اسباب لوٹ لیا گیا، اور بخاری فوج کے لوگ ان کی عورتوں اور بچوں کو لونڈی اور غلام بنا کر لے گئے۔[۱]

غزنویوں کے خلاف دونوں کا اتحاد

لیکن یہ جنگ زیادہ عرصے تک جاری نہ رہی۔ بہت جلدی دونوں فریقوں نے محسوس کر لیا کہ وہ ایک دوسرے کے ضرورت مند ہیں۔ ایک طرف علی تگین خاں بخارا ابن قدر خاں اور سلطان مسعود کے علی الرغم اپنے موقف کو محفوظ رکھنے کے لیے بہادر اور جنگ جو سلجوقیوں کا محتاج تھا اور دوسری طرف خود سلجوقی اپنی قسمت آزمائی کے لیے بخارا سے بہتر کوئی اور میدان نہ پاتے تھے۔ اس لیے ۴۲۱ھ کے آخر یا ۴۲۲ھ کے آغاز میں دونوں کے درمیان دوستی ہو گئی اور ان کے ملتے ہی خراسان میں غزنوی طاقت کے لیے ایک زبردست خطرہ پیدا ہو گیا۔ شوال ۴۲۲ھ میں اس اتحاد کی اطلاع عین اُس وقت جبکہ مسعودؔ ہندوستان کی طرف جانے کا قصد کر رہا تھا، غزنیں پہنچی اور اس نے دفعتہً مسعود کا رُخ لاہور کی طرف سے بلخ کی جانب پھیر دیا۔[۲] ذی قعدہ میں بلخ پہنچنے پر معلوم ہوا کہ علی تگین نے سلجوقیوں کے ساتھ مل کر جنگ کی پوری تیاری کر لی ہے اور وہ صرف اس کا منتظر ہے کہ جب غزنویوں کی توجہ کسی دوسری طرف منعطف ہو تو فوراً خراسان پر حملہ کر دے ایس

---

[۱] ابن اثیر، ج ۹ ص ۱۹۷-۱۹۸۔ روضۃ الصفا اور ابوالفداء نے ان واقعات کو ذرا اختلاف کے ساتھ بیان کیا ہے۔ لیکن میری رائے میں ابن اثیر کا بیان زیادہ صحیح ہے۔

[۲] بیہقی ص ۳۴۸۔

خطیبہ نے سلطان مسعود کو مجبور کر دیا کہ وہ حملے کا انتظار کرنے کے بجائے خود جنگ کی ابتدا کرے۔ چنانچہ اس نے خوارزم شاہ التونتاش کو، جو دولت غزنویہ کے ماتحت صوبہ خوارزم کا گورنر تھا، علی تگین خاں پر حملہ کرنے کے احکام بھیج دیئے۔

بخارا پر التونتاش کا حملہ

ربیع الاول ۴۲۳ھ (۱۰۳۲ء) میں التونتاش نے بخارا پر چڑھائی کی۔ دبوسیہ[1] پر فریقین کا مقابلہ ہوا جس میں ایک طرف علی تگین کا زور ٹوٹ گیا اور دوسری طرف التونتاش ایسا زخمی ہوا کہ جانبر نہ ہو سکا۔ قریب تھا کہ اس کی موت جنگ کے نقشے ہی کو بدل دیتی۔ مگر غزنوی مدبر خواجہ عبدالصمد[2] نے حقیقت حال کو پوشیدہ رکھا اور علی تگین کو اس بات پر راضی کر کے سمرقند واپس کر دیا کہ خوارزم شاہ اپنی شخصی وساطت سے تمہارے اور مسعود کے تعلقات درست کرا دے گا۔[3] اس تدبیر سے یہ خطرہ عارضی طور پر ٹل گیا اور اگر مزید توجہ کی جاتی تو مستقل طور پر بھی ٹل سکتا تھا۔ مگر اس کے بعد ہی مسعود کی عیش پسند طبیعت بلخ کی ہنگامہ پرور فضا سے اچاٹ ہو گئی، اور جمادی الاولیٰ ۴۲۳ھ میں وہ غزنیں واپس چلا گیا۔

ہارون بن التونتاش کی بغاوت

جنگ دبوسیہ سے واپسی پر راستے ہی میں بوڑھے خوارزم شاہ کا انتقال

---

[1] یہ ماوراء النہر کے اعمال صغد میں ایک مقام ہے۔ (معجم البلدان ج ۴ ص ۲۳)

[2] پورا نام احمد بن محمد بن عبدالصمد ہے۔ یہ بعد میں احمد بن حسن میمندی کی جگہ سلطان مسعود کا وزیر اعظم ہوا۔

[3] بیہقی، ص ۴۱۶ - ۴۴۳ - ابن اثیر، ج ۸، ص ۲۱۰۔

ہو گیا۔ مسعود نے اس کی جگہ اپنے امرائے سلطنت کے مشورے سے اس کے جوان بیٹے ہارون کو خوارزم شاہ بنایا اور اس کے ساتھ وزیر اعظم احمد عبدالصمد کے نوعمر بیٹے عبدالجبار کو کدخدائی پر مامور کر کے بھیجا۔ کچھ عرصہ تک ہارون سیدھا سیدھا رہا، مگر جب اس نے خراسان میں غزنوی سلطنت کا رنگ بگڑتے دیکھا تو اس کے دماغ میں بھی خودسری کی ہوا سمائی۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں ہارون کا بھائی جو غزنیں میں مسعود کے پاس تھا، مر گیا، جس پر فتنہ پردازوں نے مشہور کیا کہ مسعود نے قصداً اسے ہلاک کیا ہے۔ یہ واقعہ اس کے لیے بغاوت کا خاصا بہانہ بن گیا۔ اس نے علانیہ غزنوی ریزیڈنٹ عبدالجبار کی توہین و تذلیل کی، اپنا الگ جھنڈا نصب کیا، ہر طرف سے اپنی قوم کے ترکوں کو جمع کر لیا، علی تگین خاں اور دوسرے امراء کو خطوط لکھے کہ غزنوی سیادت کا جُوا اتار پھینکنے کا یہی وقت ہے، اور تمام تیاریاں مکمل کرنے کے بعد رمضان ۴۲۵ھ میں اپنے نام کا خطبہ پڑھایا جو حکومت بالادست سے انقطاع اور بجائے خود استقلال کا اعلان تھا۔

ہارون اور سلجوقیوں کا اتحاد

اس موقع پر سلجوقیوں اور ان کے ہم قوم ترکمانوں کو نظر انداز کرنا مشکل تھا۔ ہارون نے ان کو اپنے ملک میں آنے کی دعوت دی، اور اس کو قبول کر کے طغرل، چغری بک داؤد اور ان کے ساتھ سلجوقی اور ینالی[1] ترکمان کثیر تعداد میں خوارزم پہنچے، جہاں ہارون نے ان کی بہت خاطر مدارات کی اور شہر کے باہر

---

[1] ینالی ایک اور گروہ تھا جو سلجوقیوں کا ہم قوم اور شریک حال تھا۔ دیکھو ترجمہ طبقات ناصری۔ ص ۱۲۱

گھبرا گیا۔ اتنا سہارا ملتے ہی سلجوقی ترکمانوں کے حوصلے بڑھ گئے، انہوں نے خوارزم شاہ اور علی تگین جیسی طاقتوں کو اپنی پشت پر دیکھ کر خراسان پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے، اور مرو، سرخس، باذغیس اور باورد کے علاقوں میں گھس گئے ان ہنگاموں سے گھبرا کر ابوالفضل سوری نے ذی قعدہ ۴۲۵ھ میں مسعود کو لکھا کہ خراسان اب میرے بس کا نہیں ہے، اگر آپ خود نہ آئیں گے تو یہ ملک ہاتھ سے نکل جائے گا[1] مسعود خوارزم کی خبروں سے پہلے ہی بدحواس ہو رہا تھا، جب یہ خط آیا تو مضطرب ہو گیا اور اسی مہینے خراسان کی جانب چل کھڑا ہوا۔

سلجوقیوں پر شاہ ملک کا حملہ

ادھر سلجوقی اور ان کے دوسرے ترکمان بھائی خراسان پر چھاپے مار رہے تھے، اُدھر اُن کا ایک دشمن شاہ ملک[2] ان کو غافل دیکھ کر خوارزم کے علاقہ میں گھس آیا، اور ان کے پڑاؤ پر اچانک ٹوٹ پڑا۔ سلجوقی اس حملہ کی تاب نہ لا سکے۔ سات آٹھ ہزار آدمی مارے گئے، سارا مال اسباب لٹ گیا، اور بقیۃ السیف بھاگ کر جیحوں کی دوسری جانب رباط نمک میں مقیم ہوئے

---

[1] بیہقی، ص ۵۵۳۔ ۵۵۹۔ ابن اثیر، ج ۹ ص ۲۱۰ [3] بیہقی، ص ۵۳۵۔

[2] شاہ ملک جند کے علاقے کا امیر تھا۔ بخارا آنے سے پہلے طغرل اور اس کے ساتھی جند اور خوارزم کے درمیان اپنے جانور چرانے اور لوٹ مار کرتے پھرتے تھے اسی زمانے میں اس سے ان کی شدید عداوت ہو گئی تھی (ترجمہ طبقات ناصری ص۱۱۲)۔

[1] یہ واقعہ ذی الحجہ ۴۲۵ھ میں عید قربان کے تیسرے روز پیش آیا۔ بیہقی لکھتا ہے کہ رباط نمک کے قریب ایک بڑا گاؤں تھا۔ وہاں کے نوجوان مسلح ہو کر سلجوقیوں پر حملہ کرنے کے لیے مستعد ہوئے تاکہ ہمیشہ کے لیے ان کا خاتمہ کر دیں۔ مگر نوّے سال کے ایک بوڑھے نے انہیں روکا اور کہا کہ جو آپ ہی مر رہے ہیں انہیں مارنا ٹھیک نہیں ہے، اُن کی اس نصیحت سے وہ باز آ گئے ورنہ کچھ بعید نہ تھا کہ یہ حملہ سلجوقیوں کو بالکل برباد کر دیتا۔

شاہ ملک کے واقعہ کی اطلاع جب ہارون کو ہوئی تو اس کو سخت افسوس ہوا۔ اس نے فوراً سلجوقیوں کے پاس قاصد بھیج کر انہیں واپس بلوایا، تسلی اور دلاسا دے کر مطمئن کیا، اور از سرِ نو ان کو ساز و سامان اور جمعیت سے مضبوط کر دیا[2]۔

خوارزم شاہ کا قتل

دوسری طرف ہارون نے شاہ ملک کو دوستی و صلح کا پیغام دیا اور لکھا کہ سلجوقیوں کا پیچھا چھوڑ کر پہلے غزنوی طاقت کا فیصلہ کر لو۔ شاہ ملک نے اس تجویز کو قبول کر لیا اور باہمی قرارداد کے مطابق ۲۷ ذی الحج ۴۲۵ھ کو جیحوں کے کنارے دونوں کی فوجیں جمع ہوئیں۔ مگر ہارون کی تیاریاں دیکھ کر

---

[1] بیہقی، ص ۸۵۶۔ ابن اثیر، ابوالفدا اور میر خوند نے لکھا ہے کہ یہ حملہ ہارون کے اشارے سے ہوا تھا، مگر بیہقی، جو اس زمانہ میں موجود تھا، اس کے خلاف بیان کرتا ہے۔

[2] بیہقی، ص ۸۵۲۔

شاہ ملک ڈر گیا اور دھوکے سے اپنے ملک کو واپس چلا گیا۔ ہارون میں تنہا حملہ کرنے کی جرأت نہ تھی، اس لیے وہ بھی مجبوراً واپس ہو گیا۔ خوارزم پہنچ کر اس نے ہر طرف سے فوجیں جمع کیں، سلجوقیوں کو بھی آدمیوں اور ساز و سامان سے مدد دی اور عزم کر لیا کہ اب تنہا جنگ کرے گا۔

لیکن دوسری طرف خود اس کے گھر میں ایک زبردست سازش پرورش پا رہی تھی۔ عبدالجبار نے جو خوارزم ہی میں ایک جگہ چھپا ہوا تھا، اس کے غلاموں کو انعام و اکرام، اور آئندہ ترقیوں کا لالچ دے کر پرچا لیا، اور جمادی الاُخریٰ ۴۲۶ھ میں، جب ہارون پوری تیاریوں کے ساتھ جنگ کے لیے نکلا تو موقع پا کر ان غلاموں نے اسے قتل کر دیا[1]۔ اس کے بعد ہارون کے آدمیوں نے عبدالجبّار کو بھی مار ڈالا، اسماعیل بن التونتاش تخت نشین ہوا اور خوارزم کا خطرہ ایک حد تک دُور ہو گیا۔

مسعُود کی ایک اہم سیاسی غلطی

یہ موقع ایسا تھا کہ اگر مسعُود مستعدی اور تدبیر سے کام لیتا تو اپنے تمام دشمنوں کا استیصال کر سکتا تھا، لیکن اس نے اسے کھو دیا اور ایسا نقصان اٹھایا کہ پھر اس کی تلافی نہ ہو سکی۔

اُوپر بیان ہو چکا ہے کہ خوارزم اور خراسان کی خبروں سے پریشان ہو کر وہ ذیقعدہ ۴۲۵ھ میں غزنیں سے اس جانب روانہ ہوا تھا، ذی الحجہ اور محرم کا زمانہ اس نے ہرات اور سَرَخس میں گزارا۔ خوارزم سے پیہم اطلاعات

[1] بیہقی، ص ۸۵۹۔۸۶۰۔ ابن اثیر، ج ۹، ص ۲۱۱

آ رہی تھیں کہ ہارون کے قتل کی سازش مکمل ہو چکی ہے اور امروز و فردا میں وہ مارا جانے والا ہے۔ اُمرائے دولت نے مشورہ دیا کہ اس وقت سلطان کا مَرْو میں موجود ہونا ضروری ہے، تاکہ سلجوقی اور دوسرے ترکمان جیحوں کو عبور کرنے کی جرأت نہ کر سکیں۔ مگر محرم کا سارا زمانہ مسعود نے سَرَخس میں گزار دیا[1] اور اس کے بعد وہاں سے نکلا تو نیشاپور کی طرف چلا گیا جہاں جانے میں سوائے عیش و عشرت کے اور کوئی فائدہ نہ تھا۔ صفر کا مہینہ یہاں ضائع کرنے کے بعد اُمراء کو مشورے کے لیے جمع کیا اور ان سے کہا کہ:

> "میرے اِس جگہ ایک ہفتہ کے قیام ہی سے خراسان میں سکون ہو گیا، اور ترکمان واصل بجہنم ہو گئے۔ اب میں سنتا ہوں کہ دِہستان میں ایک دِرم کے دس من گیہوں اور ۱۵ من جَو آتے ہیں، اور وہاں چارہ بہت ہے۔ لشکر کو آرام ملے گا، سردی کم ہو گی، خوارزم اور بَلخان کوہ سے بھی ہم قریب ہوں گے۔ ادھر رَے اور جبال میں جب ہمارے جانے کی خبر پہنچے گی تو عمال قوی دل اور سرکش لوگ مائل بہ اطاعت ہوں گے، باکالنجار (یا ابو کالیجار)، گُرگان (یا جرجان) کا دو سالہ خراج بھیجے گا[2]۔ اور دوسرے مقامات سے بھی زر و جنس کے

[1] بیہقی ص ۵۴۲۔۵۴۳

[2] سلطان مسعود کے باجگزار رئیسوں میں سے ایک دارا ابن منوچہر بن قابوس بن وَشمگیر والی جرجان و طبرستان بھی تھا، جس کے لشکر کا سردار اور ریاست کا واحد مختار کار، ۲

ہو رہے آئیں گے۔ پھر اگر ضرورت ہوئی تو ہم ساری اور آمل کی طرف بڑھ جائیں گے۔ سنا ہے کہ آمل میں ہزاروں آدمی ہیں، اگر ہر ایک سے ایک ایک دینار بھی لیا تو ہزاروں دینار ہو جائیں گے۔ اس طرح تین چار مہینے گزارنے کے بعد ہم نیشاپور واپس آجائیں گے اور ضرورت ہوئی تو گرمی کا زمانہ گزاریں گے۔"

یہ اس بادشاہ کے خیالات تھے جس کی سلطنت اس وقت خطرے میں مبتلا تھی۔ وزیر احمد عبدالصمد نے ان خیالات سے سخت اختلاف کیا۔ اس نے کہا:

"اگرچہ ہندوستان میں احمد نیالتگین کی سازش فرو ہو چکی ہے۔ تاہم یہ مناسب نہیں ہے کہ اس علاقہ کو پیچھے چھوڑ کر ہم اتنی دور چلے جائیں۔ دوسری طرف ابھی خبر آئی ہے کہ علی تگین خاں مر گیا اور سلطنت کا کام دو بچوں کے ہاتھ میں آیا ہے۔ علی تگین ایک فرزانہ شخص تھا۔ سلجوقیوں اور ترکمانوں کو سنبھالے ہوئے تھا۔ اب ان بچوں سے ان کی نہ نبھے گی، ناچار وہاں سے نکلیں گے۔ خوارزم میں ان

۴۔ ابو کالیجار ہی تھا۔ اگرچہ ابو کالیجار کی بیٹی سلطان مسعود کے محل میں تھی، لیکن اس زمانے میں خراسان کے مضطرب حالات کو دیکھ کر اس نے جرجان کے استقلال کا اعلان کر دیا تھا۔ مسعود نے سلجوقیوں کو چھوڑ کر اس بغاوت کے استیصال کی طرف توجہ کی اور جرجان، آمل اور طبرستان کو پھر مغلوب کر کے دارا اور ابو کالیجار کو مطیع و باجگزار بنا لیا (ابن اثیر، طبع یورپ، ج ۹ ص ۳۰۱)۔

کا زیادہ ٹھیرنا ممکن نہیں، کیونکہ ہماری تدبیروں کے مطابق ہارون عنقریب مارا جائے گا، اور شاہ ملک جو سلجوقیوں کا شدید دشمن ہے، خوارزم پر مسلط ہو جائے گا۔ اس طرح جب ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہ رہے گی تو مجھے اندیشہ ہے کہ ضرورت سے مجبور ہو کر وہ پھر خراسان کا رُخ کریں گے۔ یہاں اگر خداوند خود موجود نہ ہوئے تو بنا بنایا کام بگڑ جائے گا۔ اس لیے تدبیر مناسب یہ ہے کہ مَرو کا رخ کیا جائے۔"

یہ بہترین رائے تھی، مگر مسعود نے اس کو قبول نہ کیا اور کہا کہ مجھے دہستان جانے کے سوا کوئی بہتر صورت نظر نہیں آتی۔ وزیر اعظم نے جب دیکھا کہ وہ اس حماقت کے ارتکاب پر مُصر ہے، تو اس نے اس سے باز رکھنے کی ایک آخری کوشش یہ کی کہ اس کے نام ایک طویل عرضداشت لکھی جس میں اس سفر کے سیاسی نتائج اچھی طرح واضح کر دیئے اور یہ بھی لکھا کہ:

"ہم غلاموں کا یہ رُتبہ نہیں ہے کہ آقاؤں سے کہیں کہ فلاں کام کیا جائے۔ البتہ رسم و شرط یہ ہے کہ جو غلام اُس مرتبۂ اعتماد پر ہو جو مجھ کو حاصل ہے، وہ نصیحت کی بات کہنے میں دریغ نہ کرے۔ کل جب دہستان کی طرف جانے کے متعلق ہر پہلو پر گفتگو ہوئی، اور رائے عالی اس پر قرار پائی کہ ناچار اسی طرف جانا چاہیے تو اس وقت اہلِ سیف نے مجلسِ خداوندی میں عرض کیا تھا کہ ہم فرمان بردار ہیں جو حکم ہو گا، بجا لانا ہمارا کام ہے۔ مگر باہر آکر ان لوگوں نے پوشیدہ مجھ سے کہا کہ یہ سفر مناسب نہیں ہے . . . . اگر العیاذ باللہ کوئی خلل واقع ہوا

تو ایسا نہ ہو کہ خداوند فرمائیں کہ ہمارے خادموں میں سے کسی نے اس رائے کی غلطی ہم پر ظاہر نہ کی۔ باقی فرمان سرکار کا ہے، جو کچھ حکم ہو گا غلاموں کے لیے امتثال کے سوا چارہ نہیں ہے[1]۔

مسعود پر اس خط کا بھی کوئی اثر نہ ہوا۔ اس نے کہا کہ خواجہ جو کچھ کہتے ہیں وہ مانع سفر چیز نہیں ہے۔ خراسان اور اس کی گذرگاہیں لشکروں سے پُر ہیں، ترکمانانِ عراقی بھاگ نکلے ہیں، بلخان کوہ تک ان کو بھگا دیا گیا ہے، اور ایک لشکر اُن کا پیچھا کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ دہستان و گرگان تک مسافت ہی کتنی ہے، اگر ضرورت ہوئی تو ایک ہفتہ میں واپس آیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد تمام ارکان و اعیانِ سلطنت کیا کہہ سکتے تھے۔ ناچار خاموش ہو گئے، اور ربیع الاوّل ۴۲۶ھ میں مسعود اس تباہ کُن سفر پر روانہ ہو گیا[2]۔

خراسان میں سلجوقیوں کا نزُول

اُدھر سلطنت غزنویہ کا فرمانروا آمُل و ساری اور طبرستان و دہستان کی ہوا کھانے میں مشغول ہوا، اِدھر فتنہ و فساد کے چشمے پھُوٹ نکلے۔ جمادی الاُولیٰ ۴۲۶ھ میں ہارون بن التونتاش شاہِ خوارزم مارا گیا۔ اس کی جگہ اسماعیل بن التونتاش حکمران ہوا جس سے طغرل اور اس کے بھائیوں کی نہ نبھ سکی۔ دوسری طرف علی تگین

---

[1] بیہقی ص ۵۵۰-۵۵۵۔ صاحب زین الاخبار نے اس سفر کو ۴۲۵ھ کا واقعہ بیان کیا ہے مگر یہ غلط معلوم ہوتا ہے۔ اس بارے میں بیہقی کا بیان سب سے زیادہ صحیح ہے، کیونکہ وہ خود اس زمانے میں موجود تھا، بادشاہ کا متوسلِ دربار اور صاحبِ دیوانِ رسالت کے تحت مامور بکار تھا اور حکومت کے معاملات سے براہِ راست واقفیت رکھتا تھا۔

خاں کی وفات نے ان کے لیے بخارا کا دروازہ بھی بند کر دیا۔ اب خوارزم میں ٹکنا محال تھا، کیونکہ شاہ ملک کا کھٹکا ہر وقت لگا ہوا تھا۔ اس لیے ناچار انہوں نے خراسان کا رخ کیا۔ یہاں کوئی قوت روکنے والی نہ تھی۔ رجب ۴۲۶ھ میں انہوں نے دس ہزار سلجوقی و ینالی ترکمانوں کے ساتھ جیحوں کو عبور کیا، بیابانِ رباط گنبدان سے گزر کر مَرْو پہنچے، اور وہاں سے نسا کا رخ کیا۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے خراسان کے غزنوی گورنر کو ایک خط لکھا جس کے الفاظ یہ ہیں:

"بخدمت حضرت شیخ الرئیس الجلیل السید مولانا ابوالفضل سُوری المُعتز من جانب بندگانِ بیغو، طغرل، داؤد، غلامان امیرالمومنین۔

"ہم غلاموں کے لیے ماوراء النہر و بخارا میں رہنا ممکن نہ تھا۔ علی تگین کی زندگی تک ہمارے اور اس کے درمیان دوستی، حسنِ سلوک، اور ملاپ کے تعلقات تھے۔ مگر اب کہ وہ مر چکا ہے، معاملات دو بچوں کے ہاتھ میں آ گئے ہیں جو ناتجربہ کار ہیں۔ علی تگین کا سپہ سالار تُونتش اُن پر اور لشکر و بادشاہی پر حاوی ہو گیا ہے۔ اس کے اور ہمارے درمیان کھلم کھلا مخالفت ہو گئی ہے، جس کے باعث ہم وہاں نہیں رہ سکتے۔ اِدھر خوارزم میں ہارُون کے مارے جانے سے بڑا اضطراب برپا ہو گیا ہے اس لیے وہاں جانا بھی ممکن نہ تھا۔ اب ہم خداوندِ عالم، سلطانِ بزرگ، ولی النعم کی پناہ میں آئے ہیں، تاکہ خواجہ ہماری مدد کریں اور خواجہ عبدالصمد کو لکھ کر ہمارا شفیع بنائیں۔ ہماری ان سے واقفیت ہے۔ ہر جاڑے میں خوارزم شاہ

التونتاش رحمہ اللہ ہم کو اور ہماری قوم اور ہمارے چارپایوں کو ہمارے زمانہ تک اپنی ولایت میں جگہ دیا کرتے تھے، اور اُس وقت خواجہ بزرگ (یعنی عبدالصمد) ہماری یاوری کرتے تھے۔ لہٰذا ان کی سفارش سے اگر رائے عالی ہو تو ہمیں بندگی میں قبول کیا جائے، اس طرح کہ ہم میں کا ایک شخص درگاہِ عالی میں خدمت کرے، اور دوسرے ہر اُس خدمت کو بجا لائیں جس کے لیے خداوند کا فرمان ہو۔ اور یہ کہ ہم ان کے سایۂ بزرگ میں آرام و اطمینان سے رہیں، اور ولایتِ نسا و فراوہ جو بیابان کے سرے پر ہے، ہمیں بخش دی جائے تاکہ وہاں فارغ دل ہو کر اپنا سامان رکھیں، بلخان کوہ، دہستان، حدود خوارزم اور جوانبِ جیحوں سے کسی مفسد کو سر نہ نکالنے دیں، اور عراقی اور خوارزمی ترکمانوں کو بھگا دیں۔ اگر العیاذ باللہ خداوند نے ہماری درخواست قبول نہ کی تو نہ معلوم ہمارا کیا حال ہوگا، کیونکہ ہمارے لیے رُوئے زمین پر کوئی جگہ نہیں رہی ہے۔

مجلسِ عالی کی حشمت بڑی ہے۔ اس مجلسِ بزرگ کو کچھ لکھنے کی جرأت ہم میں نہیں ہے، اس لیے خواجہ کو لکھتے ہیں تاکہ خداوندی سے اس کام کو پورا کریں، انشاء اللہ عزوجل[1]

[1] بیہقی، ص ۵۰۳۔ ابن اثیر (ص ۱۹۸) اور ابن الراوندی (ص ۹۴) نے بھی اس خط کا ذکر کیا ہے مگر صرف اس کے مضمون کی طرف اشارہ کر کے چھوڑ دیا ہے۔

غزنویوں کی پریشانی

جس وقت یہ خط ابوالفضل سُوری کے پاس پہنچا تو اس کے حواس باختہ ہو گئے۔ اُس نے فوراً دو سواروں کے ہاتھ یہ خط اپنی مفصل عرضداشت کے ساتھ مسعُود کے پاس بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ راستہ میں رات دن کہیں آرام نہ کریں۔ مسعُود اس وقت آمُل و طبرستان سے واپس ہو کر گرگان میں مقیم تھا۔ قاصد ڈھائی روز میں نیشاپور سے گرگان پہنچے اور سوری کا خط ابونصر صاحبِ دیوانِ رسالت کو دیا۔ ابونصر پڑھتے ہی اُچھل پڑا اور اٹھ کر سیدھا بارگاہِ سلطانی کی طرف گیا۔ مگر معلوم ہوا کہ بادشاہ سلامت نے رات بھر شراب پی ہے اور دن چڑھے تک سو رہے ہیں۔ بیہقی ساتھ تھا۔ ابونصر نے اس سے کہا کہ خراسان گیا گزرا ہوا، جا کر خواجۂ بزرگ (وزیرِ اعظم) کو خبر دو۔ بیہقی کہتا ہے کہ جب میں خواجہ کے پاس پہنچا تو اس نے مجھے بدحواس دیکھتے ہی کہا "شاید سلجوقی خراسان میں گھس آئے"۔ مَیں نے سارا قصّہ سنایا تو اس نے کہا "یہ نتیجہ ہے آمُل آنے اور عراقی کے مشوروں پر چلنے کا[1]"۔ اتنے میں ابونصر بھی پہنچ گیا اور وزیرِ اعظم نے اس سے کہا :-

"اے خواجہ غور کا مقام ہے کہ اب تک چرداہوں سے کام پڑا تھا تو اتنی دردسری ہوئی کہ ابھی تک آفت برپا ہے۔ اب امیرانِ ولایت گیر آئے ہیں۔ مَیں نے بہت فریاد کی کہ طبرستان و گرگان آنے کا موقع

[1] بیہقی ص ۵۸۱-۵۸۲۔ عراقی سے مراد ابوالحسن عراقی ہے جس نے مسعُود کو آمُل و طبرستان جانے کی سُجھائی تھی۔

نہیں ہے، مگر خداوند نے ایک نہ سُنی۔ عراقی جیسے مردک نے جس کو دائیں بائیں تک کی خبر نہیں، سبز باغ دکھایا اور اُس میں کچھ بھی حاصل نہ ہُوا کہ محال و باطل تھا۔ گرگان و طبرستان جیسی پُرسکون ولایت مُضطرب و برباد ہوئی، مطیع و فرمانبردار لوگ بگڑ گئے، ابو کالیجار بھی سیدھا نہ ہُوا، اور خراسان میں اتنا بڑا خلل برپا ہو گیا۔ اللہ اس کام کا انجام بخیر کرے۔ یہ سب کچھ ہو گزرنے پر بھی یہ لوگ صحیح تدبیر کرنے نہ دیں گے، اور سلجوقیوں کو بھڑکائیں گے۔ دیکھنا چاہیے کہ اس وقت کیا نتیجہ نکلتا ہے[1]۔"

مجلسِ مشاورت

اس کے بعد بادشاہ سلامت کو خوابِ راحت سے جگایا گیا اور دونوں خط سنائے گئے۔ سنتے ہی سخت چراغ پا ہوئے۔ عراقی کو گالیاں دیں۔ اپنی غلطی پر پشیمان ہوئے۔ اُمراء و وزراء اور سالارانِ فوج کو بلایا۔ تخلیہ میں مجلس کی اور سب کو خطاب کر کے کہا:

"یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ دس ہزار ترک سوار بہت سے سرداروں کے ساتھ آتے ہیں اور ہماری ولایت میں بیٹھ کر کہتے ہیں کہ ہمارے لیے کوئی جگہ نہیں رہی ہے۔ ہم اِن کو اپنی زمین میں ٹھہرنے اور بال و پر نکالنے کا ہرگز موقع نہ دیں گے۔ غور کیجیے کہ اُن ترکمانوں سے

---

[1] بیہقی، ص ۵۸۵۔

جن کو میرے والد لائے، اور دریا سے گزرنے کی اجازت دی اور خراسان میں جگہ دی، اور جو محض ساربان تھے، کتنی مصیبت اور درد سری دیکھنے میں آئی۔ لہٰذا ان لوگوں کو جو خواجہ کے بقول ولایت کے طلبگار ہیں، دم لینے کی مہلت نہ دینی چاہیے۔ مناسب یہ ہے کہ ہم خود یہاں سے حرکت کریں[1]۔"

وزیرِ اعظم نے پھر اس رائے سے اختلاف کیا۔ اس نے کہا کہ گرگان سے مارا مار خراسان جانے میں اہلِ لشکر اور جانور خستہ ہو جائیں گے، اور ایسی حالت میں اگر آسودہ دشمنوں سے ان کو لڑایا جائے گا تو ممکن ہے کہ اپنی سبکی ہو جائے۔ ابھی تک یہ ترکمان سکون سے بیٹھے ہیں۔ ان سے کوئی فساد ظاہر نہیں ہُوا ہے۔ اور انہوں نے خود سوری کو لکھ کر بندگی پر آمادگی ظاہر کی ہے۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ سوری کو لکھا جائے کہ وہ ان کے سرداروں کو بلائے، اور ان سے کہے کہ "گھبراؤ نہیں، تم اپنے گھر میں آتے ہو اور ہماری پناہ میں ہو۔ ہم یہاں سے رَے کا قصد رکھتے ہیں۔ وہاں پہنچ کر جو کچھ تمہارے حق میں درست ہو گا، حکم دیا جائے گا۔" اتنے عرصہ میں کہ یہ خط ان تک پہنچے، خداوند باطمینان یہاں سے نیشاپور چلیں گے، لشکر دم لے گا، اور ان نوواردوں کا رنگ بھی معلوم ہو جائے گا۔ پھر اگر ضرورت ہوئی تو کافی فوج بھیج کر انہیں خراسان سے نکال دیا جائے گا[2]۔ حاضرین نے اس رائے

---

[1] بیہقی، ص ۵۸۵

[2] بیہقی، ص ۵۸۶ – ۵۸۷۔

کو پسند کیا اور یہی جواب بھیج دیا گیا۔

سلاجقہ کے اخراج کی تدبیریں

۱۱ رجب کو مسعود گرگان سے نیشاپور پہنچا۔ اس دوران میں باورد اور نسا سے خبریں آتی رہیں کہ سوری کے جواب نے سلجوقیوں کو ایک حد تک مطمئن کر دیا ہے، اب تک ان کا رویہ پُر امن ہے، کسی کو نہیں چھیڑتے[1]، مگر سلطان کے نیشاپور آنے سے خوف زدہ ہیں اور ہر وقت گھوڑے کی پیٹھ پر سوار رہتے ہیں گویا کہ اس وقت ان کی حالت صلح اور جنگ کے مابین ہے[2]۔ یہ خبریں ایک حد تک باعثِ اطمینان تھیں۔ مگر دس ہزار ترکوں کا مملکت میں موجود رہنا کسی طرح خطرے سے خالی نہ تھا۔ لہٰذا ان کے حق میں یہ فیصلہ کرنا ضروری تھا کہ یا تو انہیں ملک سے نکال دیا جائے یا مطیع کر کے سرکاری خدمت میں لے لیا جائے۔ چنانچہ اس غرض کے لیے وزراء و اعیانِ سلطنت کی ایک مجلس منعقد ہوئی اور ان کے مسئلے پر خوب غور کیا گیا۔ اربابِ سیاست کی رائے یہ تھی کہ جو قوم خود اطاعت و بندگی پر آمادہ ہے اسے چھیڑنا ٹھیک نہیں۔ مناسب یہ ہے کہ استمالتِ قلب سے اس کو مطیع کر لیا جائے۔ مگر فوجی گروہ جنگ چاہتا تھا۔ اس کی طرف سے سپاہ سالار فوج حاجب بگتغدی نے کھڑے ہو کر تقریر کی اور جوش کے ساتھ کہا:

"معلوم ہے کہ امیر سابق جب اپنی رائے سے ترکمانوں کے ایک

---

[1] زین الاخبار ص ۱۰۰ میں لکھا ہے کہ نیشاپور پہنچ کر سلطان نے ترکمانوں کے ظلم و ستم کی سخت شکایات سُنیں۔ مگر بیہقی کا بیان اس سے مختلف ہے اور میں نے اسی پر اعتماد کیا ہے۔

[2] بیہقی ص ۵۹۱۔

گروہ کو خراسان لائے تھے تو انہوں نے کیسا فساد برپا کیا اور اب تک کر رہے ہیں۔ ان کے آنے سے دوسروں کو بھی یہاں آنے کی خواہش ہوئی ہے۔ دشمن ہرگز دوست نہیں ہوتا۔ ان کے لیے تلوار چاہیے۔ ارسلان جاذب نے بھی کہا تھا، مگر نہ سنی گئی۔ آخر جو ہونا تھا سو ہُوا۔"

دوسرے اعیانِ سلطنت نے بھی اس خیال کی تائید کی اور فیصلہ کیا گیا کہ دس بڑے بڑے سالاروں کو پندرہ ہزار فوج کے ساتھ بھیجا جائے جن کا سردار حاجب بگتغدی اور کدخدائی پر خواجہ حسین علی میکائیل کو مامور کیا جائے۔ بگتغدی نے کہا کہ ایک فوج میں کئی سالاروں کے موجود ہونے سے اختلاف رائے اور پراگندگی کا اندیشہ ہے، سالار صرف ایک ہونا چاہیے۔ مگر مسعود نے منظور نہ کیا اور اپنی رائے کے موافق فوج کو مُرتّب کیا[1]۔

جنگ اور غزنویوں کی شکست

۹ شعبان سنہ ۴۲۶ھ / ۱۰۳۴ء کو یہ فوج بڑے ساز و سامان کے ساتھ نیشاپور سے روانہ ہوئی۔ بہت سا زرِ نقد اور سامانِ فاخر ساتھ کیا گیا تاکہ جن لوگوں سے کارہائے نمایاں صادر ہوں ان کی ہمّت افزائی کی جائے[2]۔ سپَندانِقان میں سلجوقیوں کی جانب سے ایلچی آئے اور بگتغدی کے پاس حاضر ہو کر کہا کہ "ہم غلام اور مطیع ہیں۔" مگر بگتغدی نے ان کو سختی کے ساتھ ڈانٹ کر کہا کہ "ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار

---

[1] بیہقی ص ۵۹۶-۵۹۸

[2] بیہقی ص ۵۹۹

ہے۔ اگر تم مطیع ہو تو شاہ مسعود کے پاس جاؤ اور اس کے سامنے اپنا عذر پیش کرو اور ہمارے پاس وہاں سے فرمان لے کر آؤ تاکہ ہم تم سے باز آئیں۔ ورنہ ہم ہرگز واپس نہ ہوں گے[1] آخر ایلچی مایوس ہو کر واپس گئے، غزنوی فوج آگے بڑھی اور زرادہ و شہرستانہ کے درمیان ایک میدان میں فریقین کا مقابلہ ہوا۔

۱۱ شعبان کو میدانِ جنگ سے اطلاع آئی کہ پہلے ہی حملہ میں سلجوقیوں کو شکست فاش ہوئی، ان کے سات آٹھ سو آدمی مارے گئے، بہت سے قید ہوئے اور مال اسباب لوٹ لیا گیا۔ اس خبر سے مسعود کو بڑی خوشی ہوئی۔ کئی روز سے پریشانی کے مارے شراب نہیں پی تھی۔ فوراً محفلِ نشاط گرم کی گئی اور خوب جام پر جام لنڈھائے گئے۔ لیکن دوسرے ہی دن صبح سویرے ایک اور قاصد یہ پیغام لایا کہ لشکر کو شکست فاش ہوئی، تمام ساز و سامان دشمن نے لوٹ لیا، سپاہ سالار فوج بمشکل جان بچا کر بھاگا اور خواجہ حسین علی میکائیل (کدخدا) گرفتار ہو گیا۔ اس خبر نے وزرا میں ہلچل ڈال دی، گھبرا کر سلطان کی بارگاہ کا رخ کیا، مگر معلوم ہوا کہ رات بھر شراب پی کر ایسے بے خبر سو رہا ہے، اور کسی طرح جگانا ممکن نہیں ہے۔

اس شکست کا حال خود اس فوج کے دو سپاہیوں کی زبان سے سننا چاہیے۔ وہ کہتے ہیں کہ سارا فساد اس وجہ سے برپا ہوا کہ سالار فوج ایک نہ تھا، کئی تھے، اور ہر شخص اپنی بات ور رکھنا چاہتا تھا۔ فوج پوری ترتیب کے ساتھ

[1] زین الاخبار، ص ۱۰۱۔

چلی جا رہی تھی کہ دفعتہً سلجوقیوں کے ڈیرے خیمے نظر آئے اور ایک قلیل جماعت ان کی نگرانی پر مامور پائی گئی۔ سالار اعظم (کینغدی) نے کہا کہ ہوشیار رہو، دشمن کمین گاہوں میں چھپ گیا ہے، صف بندی نہ ٹوٹنے پائے۔ جب تک ہمارا طلیعہ جا کر اچھی طرح حال نہ معلوم کرے، سب اپنی اپنی جگہ جمے رہیں۔ مگر کسی نے یہ حکم نہ سنا، سب ان کا مال لوٹنے کے لیے ٹوٹ پڑے اور جو آدمی وہاں ملے انہیں مار ڈالا۔ یہ وہ "فتح" تھی جس کی پہلے خبر پہنچی تھی۔ جب سلجوقیوں نے دشمن کی فوج کو اس طرح پراگندہ و منتشر پایا تو دفعتہً حملہ کر دیا اور سخت جنگ برپا ہوئی اس حالت میں چند ناتجربہ کار افسر فوج کے ایک حصے کو لے کر پانی لینے کے لیے چلے۔ بقیہ فوج نے یہ حال دیکھا تو سمجھی کہ یہ بھاگے جاتے ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ سب کے پاؤں اکھڑ گئے اور اتنے عظیم الشان لشکر کا وہ انجام ہوا جو اوپر بیان کیا گیا[1]

بدبخت سلطان جب خمار آلود نیند سے بیدار ہوا تو یہ خبریں سنیں جن سے سارا نشاط کافور ہو گیا۔ امراء و اعیان اور مصاحبین جمع ہوئے اور دل دہی کی باتیں کرنے لگے۔ مگر ان میں ایک بوڑھا وزیر ابونصر بھی تھا جس کا دل جلا ہوا تھا۔ اس نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا:

"خداوند کی عمر دراز ہو، چند روز کے لیے عیش و طرب سے ہاتھ

[1] بیہقی، ص ۵۹۹-۶۰۲۔ ابن اثیر، ابوالفدا، میرخوند، ابن الراوندی وغیرہ نے اس جنگ کا مختصر حال لکھا ہے، مگر بیہقی کا بیان نہایت مفصل ہے۔

کھینچیے، لشکر کا خود جائزہ لیجیے اور یہ دل خوش کن باتیں جن کو خواجۂ عارض اپنے زعم میں سلطنت کی خدمت سمجھ رہے ہیں، بند کیجیے۔ لشکر کا دل ہاتھ میں لینا چاہیے اور آدمیوں پر نظر رکھنی چاہیے۔ امیر سامانی کے مال و دولت نے کام کے آدمی فراہم کیے ہیں۔ اگر ان کی نگہداشت نہ ہو گی تو العیاذ باللہ دوسرے آئیں گے اور مال لے جائیں گے اور ہر طرف سے خطرات رونما ہوں گے۔[1]

یہ پہلی شکست تھی جو سلجوقیوں کے ہاتھ سے غزنوی طاقت نے اٹھائی۔

عارضی صلح

اس کے بعد سلجوقیوں اور غزنویوں میں صلح ہو گئی۔ اس صلح کے واقعات میں اختلاف ہے۔ ابن اثیر کہتا ہے کہ شکست کے بعد مسعود نے سلجوقیوں کو ایک خط لکھا جس میں نافرمانی کے برے نتائج سے ڈرایا اور فرمانبرداری کے اچھے نتائج کا لالچ دیا۔ مگر طغرل نے اپنے امام صلوٰۃ کو حکم دیا کہ اس کے جواب میں صرف یہ لکھ دے کہ:[2]

قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

۱؎ بیہقی ۶۰۳-۶۰۴۔

۲؎ ابن الراوندی کہتا ہے کہ یہ جواب طغرل نے خلیفۂ بغداد کو لکھا تھا۔ (راحۃ الصدور ص ۶۵)

اس خط کے پہنچنے پر مسعود نے ان کو خلعتیں بھیجیں، داؤد کو دہستان، طغرل کو نسا، اور بیغو کو فراوہ عطا کیا، ہر ایک کو دہقان (یعنی زمیندار یا تعلقہ دار) کا لقب دیا، اور شر و فساد سے منع کیا۔[1] مگر یہ قصہ بعد کی تصنیف معلوم ہوتا ہے۔ میری رائے میں اصل واقعہ وہ ہے جو بیہقی نے بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جنگ کے بعد سلجوقی سردار سر جوڑ کر بیٹھے اور آپس میں کہا کہ ہماری اس فتح کی وجہ صرف اُن کی بے تدبیری اور ہماری خوش تدبیری ہے، اِس سے ہم کو اپنی قوت کا غلط اندازہ نہ کرنا چاہیے، کیونکہ مسعود ایک بڑا بادشاہ ہے، اور اس کے پاس ایسے ایسے بہت سے لشکر اور سالار ہیں۔ ان اُمور پر غور کرنے کے بعد ایک بخاری پیر مرد کو، جو بہت چرب زبان تھا، اپنا سفیر بنا کر نیشاپور روانہ کیا اور اس کے ہاتھ وزیر اعظم کے نام ایک خط بھیجا جس میں تواضع و انکسار کے ساتھ لکھا تھا کہ:

"ہم نے سوری کو متوسط و شفیع اور مددگار بنانے میں غلطی کی۔ وہ جلد باز آدمی ہے، صلاح و عاقبت کو اچھی طرح نہ سمجھا، اور سلطان کو خواہ مخواہ لشکر بھیجنے پر آمادہ کیا۔ معاذ اللہ، ہماری کہاں یہ مجال کہ لشکرِ منصور پر شمشیر کشی کریں۔ مگر جب وہ ہم پر اس طرح ٹوٹ پڑے جیسے بھیڑ یا بکریوں کے ریوڑ پر، اور ہم پناہ گزینوں کے گھر بار اور زن و فرزند پر حملہ آور ہوئے، تو مدافعت کے بغیر کیا چارہ تھا کہ جان سب کو پیاری ہے۔ ہم اب بھی اُس بات پر قائم ہیں جو پہلے

۱؎ ابن اثیر، ج ۹، ص ۱۹۸-۱۹۹۔

عرض کی تھی ۔ یہ چشم زخم جو پہنچا ہے ہم سے بلا ارادہ پہنچا ۔ خواجۂ بزرگ خوارزم شاہ التونتاش کے زمانہ میں ہم کو دیکھ چکے ہیں ۔ اگر مناسب سمجھیں تو اس معاملہ میں دخل دیں ، اور ہمارے مددگار بن کر سلطان کے دل کو خوش کریں تاکہ ہمارا عذر قبول ہو اور ہمارے اس آدمی کو ایسے جواب کے ساتھ واپس کیا جائے کہ ہمارے دلوں کو قرار ہو ، اور قصّہ کوتاہ ہو ۔ اگر خواجہ بزرگ خود اپنی طرف سے بھی اس کے ساتھ کسی آدمی کو بھیجیں تو بہتر ہو گا ، وہ ہماری بات سُن لے گا اور تحقیق کرے گا کہ ہم بندے ہیں صَلاح کے سوا کچھ نہیں چاہتے ۔"[1]

یہ پیغام ایک گونہ اطمینان کے ساتھ لیا گیا ۔ ایلچی کو اچھی طرح ٹھیرایا گیا اور مجلسِ عالی میں بحث و مشاورت کے بعد طے پایا کہ ابو نصر حلبئی[2] کو ان کے پاس بھیجا جائے تاکہ وہ ان کے حالات کو بچشم خود دیکھ کر اندازہ کرے کہ وہ دل سے اطاعت کرنا چاہتے ہیں یا یہ محض ایک چال ہے ۔ اس قرارداد کے مطابق وزیر اعظم نے سلجوقیوں کے ایلچی کو بلا کر ظاہر کیا کہ سلطان کو بڑی مشکل سے ٹھنڈا کیا گیا ہے اور اس نے تمہارے عذر کو قبول کر کے اپنے معتمدانِ درگاہ میں سے

---

[1] بیہقی ، ص ۶۰۷ - ۶۰۸ ۔

[2] یہ ابو نصر بڑا تیز اور چالاک آدمی تھا ۔ سلطان محمود غزنوی نے اس کے باپ سے قرآن پڑھا تھا ۔ اس نے ترکستان میں محمود کے لیے بڑے بڑے خفیہ کام کیے جن کا ذکر بیہقی نے کیا ہے ۔

یہ سفیر مقرر کیا ہے ، اب جو کچھ بات کرنی ہو اس سے کر لینا ۔

۲ رمضان سنہ ۴۲۶ھ کو یہ سفارت نیشاپور روانہ ہوئی اور ۲۰ شوال کو واپس آئی ۔ اُس کے ساتھ بیغو ، طغرل اور داؤد کی جانب سے تین ایلچی بھی آئے ۔ دیوانِ رسالت میں ان سے ایک دن مسلسل مفاوضاتِ صلح جاری رہے ۔ آخر اس پر صلح ہوئی کہ نَسا ، فراوہ اور دِہستان کا علاقہ ان کو دیا جائے گا ، سلطان کی طرف سے خلعت و منشور و لِواء عطا ہو گا ، ابو نصر حلبئی جا کر ان تینوں سے اس امر کا حلف لے گا کہ سلطان کے مطیع رہیں گے ، اور جب سلطان بلخ پہنچیں تو ان میں سے ایک شخص حاضرِ خدمت ہو کر ہمیشہ ملازمِ بارگاہ رہے گا ۔ ۲۱ شوال کو صلحنامہ کے مطابق داؤد کے نام دِہستان ، طغرل کے نام نَسا ، اور بیغو کے نام فراوہ کی حکومت کے منشور لکھے گئے[1] جن میں ان تینوں کو دہقان کے لفظ سے خطاب کیا گیا تھا ۔ اس کے ساتھ ہر ایک کو خلعت بھی دی گئی جس میں غزنوی طرز پر کلاہِ دو شاخہ ، لِواء اور جامہ تھا ، اور ترکوں کے طرز پر اسپ و استام و کمر بند ۔ اس کے ساتھ ہر ایک کو تیس تیس تھان الگ دیئے گئے ۔[2]

دوسرے روز غزنوی سفیر حلف لینے کے لیے نَسا کی جانب روانہ ہو گیا ۔

صلح کا اثر

عام ملکی سیاست پر اس صلح کا یہ اثر ہوا کہ گرد و نواح کے امراء کی جرأتیں

---

[1] یہ منشور خود بیہقی نے لکھے تھے اور تمام مفاوضاتِ صلح میں وہ موجود تھا ۔

[2] بیہقی ص ۶۰۷ - ۶۱۱ ۔

بڑھ گئیں اور انہوں نے سمجھ لیا کہ غزنویوں کا اقبال رو بہ ادبار ہے۔ چنانچہ بُغراخاں نے سلجوقیوں کی پیٹھ ٹھونکی[1]۔ علی تگین خاں کے لڑکوں نے خراسان پر چھاپے مارنے کی تیاریاں شروع کر دیں[2]۔ اسمٰعیل بن التونتاش خوارزم شاہ سلجوقیوں سے ساز باز کرنے لگا[3]۔ خود سلجوقیوں پر اس کا یہ اثر ہوا کہ ان کے حوصلے جو پہلے ہی فتح سے بڑھے ہوتے تھے، اور بڑھ گئے۔ جب ان سے اتنی اچھی شرائط پر صلح کی گئی تو انہیں غزنویوں کی کمزوری اور خوف زدگی کا پُورا اندازہ ہو گیا اور انہوں نے شوخ چشمی کا اظہار شروع کر دیا۔ غزنوی سفیر جو حلف لینے گیا تھا اس نے اپنی آنکھوں سے ان کا یہ رنگ دیکھا تو کھٹک گیا۔ واپس آ کر اس نے کہا کہ "ہر چند انہوں نے عہد کر لیا ہے، مگر مجھے ان پر ذرا اعتماد نہیں ہے۔ مَیں نے سنا ہے کہ انہوں نے اپنی خلوتوں میں ہمارا استخفاف کیا اور کلاہِ دو شاخہ کو پاؤں میں پہنا۔ سلطان کو ہرگز ہرات جانے کا قصد نہ کرنا چاہیے۔ اگر کوئی خلل برپا ہو تو میں ذمہ دار نہیں ہوں[4]۔"

اِن حالات میں مقتضائے عقل و دانش یہ تھا کہ سلطان کچھ مدت اور فتنے کے سر پر بیٹھا رہتا، اور سلطنت کے رعب و داب کو از سرِ نو قائم کرتا۔ مگر اس کو

---

[1] ۴۲۳ھ میں قدر خاں کے مرنے پر سلطنت اس کے دو بیٹوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ کاشغر، خُتن اور بلاساغون ایک کے حصے میں آئے جس کا نام ابو شجاع ارسلان خاں تھا۔ اور طراز و اسبیجاب کا علاقہ دوسرے کو ملا جس کا نام بغرا خاں تھا۔

[2] بیہقی ص ۶۱۱ - ۶۵۷

[3] بیہقی ص ۶۲۱۔

عیش و نشاط اور شراب و شکار کی یاد ستا رہی تھی، اس لیے اس نے کسی مصلحت کی پروا نہ کی۔ صلح کو پُورا ایک مہینہ بھی نہ ہوا تھا کہ نیشاپور سے چل کھڑا ہوا۔ محرم ۴۲۷ھ میں بلخ پہنچا اور کچھ مدت قیام کر کے غزنین چلا گیا[1]۔

شورش کا اعادہ

چند مہینے سلجوقیوں نے غنیم کو غافل کرنے اور اپنی قوت مضبوط کرنے کے لیے صبر و سکون سے گزارے۔ اس مدت میں انہوں نے ارسلان کی جمعیت کے بچے کھچے ترکمانوں کو، جو نواحی خراسان میں پھیلے ہوئے تھے، اپنے ساتھ ملا کر ایک زبردست جمعیت فراہم کر لی اور اُس کے بعد بُست، گوزگانان، اور سرخس وغیرہ علاقوں پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے۔ ربیع الاول ۴۲۷ھ / ۱۰۳۵ء میں ہر طرف سے ان کی دراز دستیوں کی شکایتیں آنے لگیں جن سے مسعود اور اس کے امراء کو بڑی تشویش ہوئی۔ آخر مشورے کے بعد طے ہُوا کہ حاجب بزرگ سُباشی دس ہزار سوار اور پانچ ہزار پیادہ فوج کے ساتھ جائے، اور اس کی پشت پر کمک کے لیے ابو سعدِ عراقی کر دوں اور عربوں کا لشکر لیے ہوئے موجود رہے۔ چنانچہ اسی مہینہ یہ فوج گراں اس ہدایت کے ساتھ خراسان کی طرف بھیج دی گئی کہ ملک کو سلجوقیوں اور ترکمانوں کے وجود سے خالی کر دے[2]۔ پھر شوال میں ایک اور فوج بڑے ساز و سامان کے ساتھ ابوالحسن عراقی کی قیادت

---

[1] بیہقی ص ۶۱۲ -

[2] بیہقی ص ۶۱۸ -

میں اس کی مدد کو بھیجی گئی۔[1] لیکن بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ فوجیں دو سال میں کوئی خاص کارروائی نہ کر سکیں، کیونکہ اس زمانہ میں ان کا کوئی کارنامہ یا اس اقدام کا کوئی اثر ہمارے سامنے نہیں آتا۔

مزید مطالبات

محرم ۴۲۸ھ میں جبکہ مسعود بُست میں مقیم تھا، سلجوقیوں کی جانب سے دو ایلچی حاضر ہوئے اور انہوں نے یہ پیغام لاکر دیا کہ خراسان میں جو کچھ شورش ہے اس کی ذمہ داری ہم پر نہیں ہے، یہاں دوسرے ترکمان بھی ہیں، اور باہر سے برابر آرہے ہیں، کیونکہ جیحوں اور بلخان کوہ کے راستے کھلے ہوئے ہیں۔ اس کے ساتھ انہوں نے یہ درخواست بھی پیش کی کہ:

"یہ ولایت جو ہم کو دی گئی ہے، تنگ ہے، اور ان آدمیوں کو جو ہمارے پاس ہیں کافی نہیں ہے۔ ضرورت ہے کہ خواجۂ بزرگ درمیان میں پڑ کر خداوند سلطان سے درخواست کریں کہ یہ اطرافِ بیابان سے متصل جو چھوٹے چھوٹے شہر ہیں، جیسے مَرو، سَرخس، باوَرد، یہ بھی ہم کو دے دیئے جائیں، اس طرح کہ صاحبِ برید، قُضاۃ، اور صاحبِ دیوان خداوند کے رہیں، وہی مالگذاری وصول کریں، اور بیسواں حصہ کر باقی ہم کو دے دیں، تاکہ ہم خداوند کا لشکر ہوں، خراسان کو مفسدوں سے پاک کریں، اگر عراق میں یا کہیں

---

[1] بیہقی ص ۶۲۲۔

اور کوئی خدمت ہو تو اسے انجام دیں، اور ہر کارِ دشوار کو بجالانے کے لیے کمربستہ رہیں۔

نیز یہ کہ تُباشی حاجب اور فوجیں نیشاپور و ہرات میں مقام کریں۔ اگر انہوں نے ہمارا قصد کیا تو ناچار ہم کو ان کے دفع کرنے میں مشغول ہونا پڑے گا اور خرمت درمیان سے اُٹھ جائے گی۔"

اس پیغام سے سلطان سخت برافروختہ ہوا۔ خلوت میں وزراء سے کہا کہ اس قوم کی جرأتیں تو دیکھو، ایک طرف خراسان کو چھاپے مارتے ہیں، اور دوسری طرف یہ لچھے دار گفتگوئیں کرتے ہیں۔ ان سے صاف کہہ دینا چاہیے کہ ہمارے تمہارے درمیان تلوار رہے۔ وزیر اعظم نے پھر اس رائے سے اختلاف کیا اور یہ مشورہ دیا کہ ان کو صلح جویانہ جواب دے کر ٹالدیا جائے اور سلطان ہرات میں جاکر قیام کرے۔ پھر اگر جنگ کی ضرورت ہوئی تو بآسانی اس کا انتظام ہو سکے گا۔ سلطان نے اس کو منظور کر لیا اور اسی کے مطابق جواب دیا گیا۔[1]

غزنوی اُمراء کی غفلت

لیکن خرابی یہ تھی کہ جب کبھی کوئی خاص واقعہ پیش آتا تو مسعودؔ آگ کی طرح بھڑک اُٹھتا اور جب وہ وقت گزر جاتا تو پھر خوابِ غفلت میں محو ہو جاتا جب خود بادشاہ کا یہ حال تھا تو ظاہر ہے کہ امراء کو اس سے زیادہ غافل ہونا چاہیے تھا۔ سلجوقی قاصدوں کو واپس کرنے کے بعد چاہیے تھا کہ ان کے تدارک کی فکر

---

[1] بیہقی ص ۶۲۶ - ۶۲۸۔

کی جاتی۔ مگر وہاں تین چار مہینے تک کچھ نہ کیا گیا۔ ربیع الاوّل میں خبر آئی کہ ترکمان نواحِ خراسان میں پھیل گئے ہیں، شہر تون کو لوٹ لیا ہے، غزنوی سپہ سالار ابوالحسن عراقی شب و روز شراب میں بدمست رہتا ہے، ناتجربہ کار غلاموں کو کُردی و عربی فوجوں کے ساتھ لڑنے بھیجتا ہے جو شکست کھا کھا کر آجاتے ہیں، حکام اور اعیانِ ہرات اس کی حرکات سے سخت نالاں ہیں۔

ان خبروں نے مسعود کو پھر چونکا دیا۔ مگر اس کا اثر یہ نہیں ہوا کہ سلطان خود موقع پر پہنچتا۔ بلکہ اس نے ایک فوج کے ساتھ وزیرِ اعظم کو ہرات روانہ کر دیا اور خود سیر و شکار میں مشغول ہو گیا۔[1] ہرات پہنچ کر وزیر نے تمام حالات سے اس کو مطلع کیا اور پیہم درخواستیں کیں کہ زبردست فوجی کارروائیوں سے ترکمانوں کو مرعوب کر دیا گیا ہے، اگر سلطان خود خراسان پہنچ کر جنگ کریں تو سارا ملک ان سے خالی کرا لیا جائے گا۔ لیکن سلطان نے ہرات کے بجائے اُلٹا غزنیں کا رُخ کیا اور وہاں پہنچ کر وزیر کو بھی واپس بلا لیا۔[2]

ہندوستان پر حملہ اور اس کے نتائج

ذی الحجہ ۴۲۸ھ میں سلطان نے اپنی مجلسِ شوریٰ کے سامنے یہ خیال ظاہر کیا کہ اس سال جب میں بُست میں بیمار ہوا تھا تو میں نے یہ منّت مانی تھی کہ اگر مجھے شفا حاصل ہوئی تو ہندوستان جا کر قلعہ ہانسی کو فتح کروں گا، لہٰذا اب میں نے وہاں جانے کا ارادہ مصمم کر لیا ہے۔ وزیرِ اعظم اور ابونصر مشکان

---

[1] بیہقی ص ۶۴۴ - ۶۴۶۔ [2] بیہقی، ص ۶۴۹ - ۶۵۱

نے اس کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ اگر محض ہانسی کا فتح کرنا مقصود ہے تو ایک سپہ سالار جا کر اس کام کو انجام دے سکتا ہے۔ اور اگر خود سلطان نذر ادا کرنا چاہتے ہیں تو پہلے خراسان کا قصہ پاک کریں، اس کے بعد نذر ادا کریں۔ ایسی خطرناک حالت میں اس ولایت کو چھوڑ کر ہندوستان کا رُخ کرنا ہرگز دانشمندی نہیں ہے لیکن سلطان نے کسی کی نہ سُنی اور محرم ۴۲۹ھ میں ہندوستان چلا آیا۔[1]

اس جنگ کا سلسلہ جمادی الاُخریٰ تک جاری رہا۔ اس چار مہینے کی مدت کا ایک ایک لمحہ بیش قیمت تھا جس کو غزنویوں نے کھویا اور سلجوقیوں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ ہندوستان کے جہاد اور ہانسی کی فتح کے بعد غزنیں واپس پہنچ کر مسعود نے سنا کہ سلجوقیوں نے طالقان و فاریاب کو لوٹ لیا، رَے اور جبال کو فتح کر لیا، سپہ سالار تاش فراش کو قتل کیا، بڑے بڑے آدمیوں کو پکڑ کر لے گئے اور اب مَرو پر مسلّط ہیں۔ دوسری طرف اس نے یہ بھی سنا کہ سالارِ اعظم حاجب سُباشی، جس کی ذمّہ داری پر خراسان کو چھوڑا گیا تھا، نیشاپور میں شراب پیتا ہے، کنیزوں کے ساتھ گرم اختلاط رہتا ہے، جس جگہ ۷ من فی درم گیہوں کا نرخ ہے، وہاں سے ہزار ہزار اونٹ لاد کر اس مقام پر لے جاتا ہے جہاں ایک من فی درم نرخ ہے اور وہاں اس کو لشکر کے ہاتھ فروخت کرتا ہے۔ اپنی عیش پسندی اور ذاتی منفعت کی خاطر لشکر کو ادھر ادھر پھرا رہا ہے اور لڑنے سے جی چراتا ہے۔[2]

---

[1] بیہقی، ص ۶۶۰ - ۶۶۴۔ ابن اثیر، ج ۹، ص ۱۹۹۔ زین الاخبار، ص ۱۰۳۔

[2] بیہقی ص ۶۶۶ - ۶۶۷۔

اب مسعود کو معلوم ہوا کہ ہانسی کی فتح کن داموں پڑی ہے۔ اپنی غلطی پر سخت نادم ہوا، مگر ندامت سے حماقت کی تلافی ہونی ممکن نہ تھی۔

فیصلہ کُن لڑائی

سُلطان کے واپس آنے سے حاجب اور اس کے صلاح کار خواب سے بیدار ہوئے، اور دربار سے نامہ و پیام کرنے کے بعد ایک فیصلہ کُن جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ ابوالفضل سوری اور ابوسہل حمدوی نے نیشاپُور کے خزانے اور شاہی محلات کا سارا مال اور خود اپنا ذاتی مال و متاع جمع کر کے قلعہ میکالی میں منتقل کر دیا، اور حاجب سُباشی ہر طرف سے لشکر جمع کر کے سَرَخس کی جانب روانہ ہوا۔ ادھر سلجوقیوں نے بھی اپنا سارا مال اسباب مَرْو کے بیابان میں بھیج دیا اور جریدہ مقابلہ میں رہ گئے تاکہ اگر کوئی بُری صورت پیش آئے تو سیدھے رَے کی طرف بھاگ جائیں۔ سرخس کے میدان میں فریقین کی جنگ ہوئی۔ بڑے معرکے کا رن پڑا۔ سلجوقی جریدہ تھے۔ اور غزنوی اپنے ساتھ ساز و سامان ہی نہیں بلکہ عورتوں اور بچوں کو بھی لائے تھے۔ اس نامساوی مقابلہ کا جو طبعی نتیجہ ہونا چاہیے تھا وہی ہوا۔ غزنوی فوج شکست کھا کر سخت انتشار کے ساتھ بھاگی۔ سپہ سالار زخمی ہو کر صرف بیس غلاموں کے ساتھ ہراۃ میں پناہ گزین ہوا اور بے شمار مالِ غنیمت سلجوقیوں کے ہاتھ پڑا[1]۔

یہ واقعہ شعبان کے آخر کا ہے۔ مسعُود کو جب اس کی خبر پہنچی تو سخت رنجیدہ

[1] بیہقی، ص ۶۷۵-۶۷۹۔ ابن اثیر، ج ۹، ص ۱۹۰۔

ہوا، صرف شربت سے روزہ افطار کیا اور کھانا تک نہ کھایا[1]۔ وزیر اعظم نے ہرات سے خط لکھا کہ یہ طبرستان اور ہندوستان پر فوج کشیوں کا نتیجہ ہے۔ اب دشمنوں کی قوت اس حد سے گزر چکی ہے کہ سالار اور امراء اس سے عہدہ برآ ہو سکیں۔ اگر خداوند چاہتے ہیں کہ خراسان کو بچائیں، تو عیش و نشاط سے ہاتھ کھینچیں، اور خود آ کر فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لیں[2]۔

نیشاپُور میں طغرل کی تخت نشینی

سَرَخس کی فتح کے بعد ابراہیم اینال[3] دو سو سواروں کے ساتھ نیشاپور کے سامنے پہنچا[4] اور اہلِ شہر کو پیغام دیا کہ اگر اطاعت کرتے ہو تو دروازہ کھول دو، اور اگر جنگ منظور ہے تو تیار رہو کہ ایک لشکرِ گراں کے ساتھ طغرل، داؤد اور بیغو آ رہے ہیں۔ اس پیغام سے لشکر میں کھلبلی مچ گئی۔ تمام اعیانِ شہر قاضی صاعد کے پاس جمع ہوئے اور کہا کہ آپ ہمارے سردار ہیں، جو جواب مناسب ہو دیجیے۔ انہوں نے لوگوں کی رائے پوچھی تو سب نے کہا کہ جس فوج نے حاجب سُباشی کے لشکرِ گراں کو شکست دے دی، اس کے مقابلہ میں یہ بے پناہ و بے سلاح شہر

[1] بیہقی ص ۶۷۹۔

[2] بیہقی، ص ۶۸۳۔

[3] یہ ماں کی طرف سے طغرل بیک کا بھائی ہوتا تھا (راحۃ الصدور، ص ۱۰۴۔ ابن اثیر ج ۹، ص ۱۹۱)

[4] ابن اثیر نے لکھا ہے کہ طغرل نے داؤد کو نیشاپور بھیجا تھا (ج ۹ ص ۱۹۰)، مگر بیہقی نے سرکاری اطلاع کی بنا پر ابراہیم کا نام لکھا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ زیادہ مُستند ہے۔

کیونکر ٹھیر سکتا ہے۔ قاضی صاحب نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا اور کہا کہ ہم رعیت ہیں، ہمارا کام بادشاہوں سے لڑنا نہیں ہے، جو قوی تر ہو گا، ہم اس کی اطاعت کریں گے اور خراج دیں گے۔ آخر ابراہیم کا ایلچی مجلس میں بلایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ ہم اطاعت کے لیے آمادہ ہیں، مگر تم لوگوں نے دوسرے شہروں میں جو لوٹ مار اور غارت گری کی ہے اس سے اہلِ شہر خوف زدہ ہیں، بہتر ہے کہ تم اس عادت کو ترک کر دو۔ ابراہیم اینال نے اس جواب پر اہلِ شہر کی تحسین کی اور ان سے وعدہ کیا کہ ان کی جان و مال سے تعرض نہ کیا جائے گا۔

دوسرے روز اعیانِ شہر ابراہیم کے استقبال کو نکلے۔ نصف فرسنگ پر ابراہیم نمودار ہوا۔ دو تین سو سوار، ایک عَلَم اور دو آراستہ کوتل گھوڑے، بس یہ "افسردہ و دریدہ تجمل" تھا۔ اہل شہر جنہوں نے محمود و مسعود کی شانیں دیکھی تھیں اس کوکبۂ بے رونق کو دیکھ دیکھ کر ہنستے تھے۔ ابراہیم نرم زبان اور خندہ پیشانی سے استقبال کرنے والوں کے ساتھ پیش آیا اور باغِ خرمک میں جا کر ٹھیرا جسے اہلِ شہر نے اس کے لیے خوب آراستہ کیا تھا۔ جمعہ کے روز مسجد جامع میں طغرل بک کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

وسط رمضان ۴۲۹ھ میں خود طغرل نیشا پور پہنچا۔ اہلِ شہر بڑی تیاریوں کے ساتھ استقبال کو نکلے تھے۔ دیکھا کہ فاتح امیر تین ہزار زرہ پوش سواروں کے ساتھ، اس شان سے چلا آ رہا ہے کہ کمر میں چوبۂ تیر، بازو میں کمان، بدن پر قبائے ملحم، سر پر عصابۂ توزی، اور پاؤں میں موزۂ نمدین ہیں، اور تمام اسلحہ سے مسلح ہے۔ اعیانِ شہر نے بڑھ کر پیشوائی کی، اور باغ شادیاخ میں لے جا کر

ٹھیرایا جہاں کبھی مسعود ٹھیرتا تھا۔ دوسرے روز طغرل تختِ مسعودی پر بیٹھا اور دربارِ عام منعقد ہوا۔[1]

اس اثنا میں سلجوقی لشکر تمام ملک میں پھیل گئے اور بلخ کے سوا کل نواحی خراسان پر ان کا قبضہ ہو گیا۔[2]

دورِ ظہور پر ایک نظر

یہاں پہنچ کر خانہ بدوش سلجوقی منظرِ تاریخ سے رخصت ہوتے ہیں، اور ان کی جگہ ملک گیر و کشور ستان سلجوقی نمودار ہوتے ہیں۔ اب آگے قدم بڑھانے سے پہلے ہمیں ایک نظر پھر اُن حالات پر ڈال لینی چاہیے جنہیں ہم پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ ہم نے اس مرقع میں دیکھا ہے کہ ایک چھوٹی سی بے خانماں قوم ترکستان سے آتی ہے، نصف صدی سے کچھ کم یا زیادہ مدت تک مختلف ملکوں میں از یں سو رانده و ازاں سو درمانده ماری ماری پھرتی ہے، کبھی محمود غزنوی اسے مار نکالتا ہے، کبھی علی تگین خاں اس کی خبر لیتا ہے، کبھی شاہ مَلِک اس پر ٹوٹ پڑتا ہے، کبھی وہ بخارا میں پناہ لیتی ہے، کبھی خوارزم شاہ کی خدمت گزاری کرتی ہے، اور آخر ہر طرف سے بے مَقَر و بے مَفَر ہو کر مجبوراً خراسان کا رُخ کرتی ہے۔ ۴۲۶ھ تک اس کی زندگی کا یہی رنگ رہتا ہے جس میں شاہی و فرمانروائی کی قوت کا شائبہ تک نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس بے کسی و بے بسی کی شان جھلکتی ہے۔ لیکن خراسان آکر

---

[1] بیہقی، ص ۶۸۷ - ۶۹۱

[2] ابن اثیر، ج ۹، ص ۱۹۱

ان کی قسمت دفعتہً پلٹا کھاتی ہے۔ غزنویوں کی عظیم الشان سلطنت سے، جس کو دس ہی سال قبل سلطان محمود جیسا زبردست بادشاہ سطوت و ہیبت کے آخری مرتبہ پر چھوڑ گیا تھا، اس کی ٹکر ہوتی ہے اور صرف تین سال کے اندر یہ جنگلی چرواہے، بیابان کی خاک سے اٹھ کر بادشاہی کے تخت پر پہنچ جاتے ہیں۔ سطح بین نگاہ کو اس حیرت انگیز انقلاب کے اسباب و علل میں گردشِ تقدیر کے سوا کچھ نظر نہ آئے گا، لیکن اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو اس سارے انقلاب میں قدرتی و طبعی اسباب کارفرما نظر آئیں گے۔

ابتداءً جب سلجوقی خراسان آئے تو وہ فی الحقیقت ایک عاجز و درماندہ گروہ تھے۔ ان کے خواب میں بھی یہ نیت نہ آسکتی تھی کہ وہ سلطان مسعود غزنوی سے اِس ملک کو چھین سکیں گے۔ نہ ان کو خبر تھی، نہ دنیا کو معلوم تھا، اور نہ خود غزنوی اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ دولتِ غزنویہ کے عالی شان قصر کی جڑیں اندر سے کھوکھلی ہو چکی ہیں۔ اس کی فلک بوس سنگین عمارت کو دیکھ کر دنیا مرعوب تھی اور غزنوی مطمئن تھے۔ مگر آزمائش کا پہلا موقع آتے ہی سلجوقی ترکمانوں نے ایک ضرب میں اس آسمان گرﮈھ کو زمین بوس بنا دیا۔

جہاں تک واقعات کا تعلق ہے، غزنوی سلطنت کی چار غلطیاں بہت نمایاں ہیں:

(۱) اُس نے سلجوقیوں کو بلا وجہ چھیڑا، حالانکہ وہ خود اطاعت کے لیے آمادہ تھے اور سلطان سے لڑنے کی جرأت نہ رکھتے تھے۔

(۲) پھر جب انہیں چھیڑا تھا تو پُوری مستعدی کے ساتھ ان کا استیصال کرنا چاہیے تھا، مگر اس نے ایسا نہ کیا اور غلط جنگی تدبیروں سے شکست کھا کر ان کی جرأت بڑھا دی۔

(۳) اُس نے پہلی شکست کے بعد صلح و آشتی کے لیے ہاتھ بڑھایا اور ملک کا ایک حصّہ خود بخود پیش کر دیا۔ اس سے یہ بات بالیقین ظاہر ہو گئی کہ شکست اتفاقِ وقت کا نتیجہ نہ تھی بلکہ سلطنت کی کمزوری کا نتیجہ تھی۔ مزید برآں اس نے سلجوقیوں کو ملک گیری کی چاٹ لگا دی۔

(۴) اُس نے خراسان کے بجائے اپنی جنگی قوت کو ہندوستان میں صرف کر کے سلجوقیوں کو زور پکڑ لینے کا موقع دیا، اور اس نقصان کی تلافی کے لیے کوشش کی بھی تو اس طرح کہ ایک نہایت نالائق جنرل کو ان سے لڑنے کے لیے ایک نہایت ناکارہ فوج کے ساتھ بھیجا، جسے شکست دے کر سلجوقیوں نے تمام ملک خراسان کی فتح کا راستہ صاف کر لیا۔

مگر ان ظاہری واقعات کی تہ میں کچھ معنوی اسباب بھی پوشیدہ ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے:

اوّلاً، دولتِ غزنویہ کا فرماں روا عیش پسند، حریص، خود رائے، اور بے تدبیر تھا۔ اس کے عُمّال ظالم، خود غرض اور ذاتی مفاد پر سلطنت کے مفاد کو قربان کرنے والے تھے۔ اور جو مخلص، تجربہ کار اور فرزانہ مدبّر سلطنت میں موجود تھے ان کو اس نے اپنی خود رائی سے بددل کر دیا تھا۔

ثانیاً، غزنوی فوجوں کا ڈسپلن خراب ہو گیا تھا۔ ان کی معنوی قوت

بگڑ چکی تھی۔ نافرمانی اور کام چوری، جو فوجی نظام کے لیے بدترین مہلکات سے ہے، ان میں پیدا ہو چکی تھی۔ اور اس کے ساتھ تمدن کی غیر معتدل ترقی نے ان کو بے عمل اور ان کی زندگی کو بوجھل کر دیا تھا۔ اپنے عشرت کدوں کو چھوڑ کر میدانِ جنگ میں جانا ان پر شاق تھا، سردی و گرمی اور تنگی و عُسرت کی ان میں برداشت نہ تھی، جنگ میں جاتے تو بد دلی کے ساتھ جاتے، اور پھر اتنا ساز و سامان لے کر جاتے کہ پُھرتی کے ساتھ نقل و حرکت کرنا اور حسبِ موقع اقدام و رجعت کرنا ان کے لیے مشکل ہوتا تھا۔

ثالثاً، ان کا مقابلہ ایک ایسی قوم سے تھا جو ان عیوب کے برعکس خوبیاں رکھتی تھی۔ اس کے سردار جفاکش، تدابیرِ حرب کے ماہر، اور جنگ میں خود پیش پیش رہنے والے تھے، اور وہ اپنے سرداروں کی مطیع و فرماں بردار تھی۔ اس کی زندگی میں بدویانہ سادگی تھی۔ عملی زندگی کو مضمحل کرنے والے تمدن نے اس میں ابھی تک کوئی راہ نہ پائی تھی۔ اس کا ساز و سامان مختصر تھا۔ ہفتوں اور مہینوں گھر بار سے دور جنگلوں میں پڑا رہنا، کم سے کم سادہ سے سادہ غذا پر زندگی بسر کرنا، چلچلاتی دھوپ اور کڑکڑاتے جاڑے میں کوچ کرنا، راتوں کو فرشِ خاک پر سونا اور دنوں کو میلوں کے دھاوے مارنا اُس کے لیے آسان تھا۔ اس کی ہلکی پھلکی فوج ہر قسم کی جنگی چالیں پُھرتی کے ساتھ چل سکتی تھی۔ نہ فتح کے موقع پر فائدہ اٹھانا اس کے لیے مشکل تھا اور نہ شکست کے موقع پر بچ نکلنا۔

اِن اندرونی حالات کو دیکھ کر صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ غزنویوں اور سلجوقیوں کا مقابلہ دراصل ویسا ہی نامساوی مقابلہ تھا جیسا ایک بیمار اور ایک تندرست کا مقابلہ ہو سکتا ہے، اور اس مقابلہ کا طبعی نتیجہ وہی ہونا چاہیے تھا جو فی الواقع ہوا۔

بگڑ چکی تھی۔ نافرمانی اور کام چوری، جو فوجی نظام کے لیے بدترین مہلکات
سے ہے، ان میں پیدا ہو چکی تھی۔ اور اس کے ساتھ تمدن کی غیر معتدل
ترقی نے ان کو بے عمل اور ان کی زندگی کو بوجھل کر دیا تھا۔ اپنے عشرت
کدوں کو چھوڑ کر میدانِ جنگ میں جانا ان پر شاق تھا، سردی و گرمی اور تنگی و
عُسرت کی ان میں برداشت نہ تھی، جنگ میں جاتے تو بد دلی کے ساتھ جاتے،
اور پھر اتنا سازو سامان لے کر جاتے کہ پُھرتی کے ساتھ نقل و حرکت
کرنا اور حسبِ موقع اقدام و رجعت کرنا ان کے لیے مشکل ہوتا تھا۔

ثالثاً، ان کا مقابلہ ایک ایسی قوم سے تھا جو ان عیوب کے برعکس
خوبیاں رکھتی تھی۔ اس کے سردار جفاکش، تدابیرِ حرب کے ماہر،
اور جنگ میں خود پیش پیش رہنے والے تھے، اور وہ اپنے سرداروں
کی مطیع و فرماں بردار تھی۔ اس کی زندگی میں بدویانہ سادگی تھی۔ عملی
زندگی کو مضمحل کرنے والے تمدن نے اس میں ابھی تک کوئی راہ نہ
پائی تھی۔ اس کا سازو سامان مختصر تھا۔ ہفتوں اور مہینوں گھر بار
سے دور جنگلوں میں پڑا رہنا، کم سے کم سادہ سے سادہ غذا پر زندگی
بسر کرنا، چلچلاتی دھوپ اور کڑکڑاتے جاڑے میں کُوچ کرنا، راتوں کو
فرشِ خاک پر سونا اور دنوں کو میلوں کے دھاوے مارنا اس کے لیے
آسان تھا۔ اس کی ہلکی پھلکی فوج ہر قسم کی جنگی چالیں پُھرتی کے ساتھ چل سکتی
تھی۔ نہ فتح کے موقع پر فائدہ اٹھانا اس کے لیے مشکل تھا اور نہ شکست
کے موقع پر بچ نکلنا۔

ان اندرونی حالات کو دیکھ کر صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ غزنویوں اور
سلجوقیوں کا مقابلہ دراصل ویسا ہی نامساوی مقابلہ تھا جیسا ایک بیمار اور ایک
تندرست کا مقابلہ ہو سکتا ہے، اور اس مقابلہ کا طبعی نتیجہ وہی ہونا چاہیے تھا
جو فی الواقع ہوا۔

باب دوم

دَورِ تاسیس

طُغرُل بک

۴۲۹ھ / ۱۰۳۷ء — ۴۵۵ھ / ۱۰۶۳ء

ہم نے سلجوقیوں کو اس حال میں چھوڑا تھا کہ وہ غزنویوں کو شکست دے کر نیشاپور پر قابض ہو گئے تھے اور خراسان کا ایک بڑا حصہ ان کے زیرِ نگیں ہو چکا تھا۔ ابتداءً وہ صرف اس بات کے خواہاں تھے کہ انہیں خراسان میں رہنے اور اپنے جانوروں کے لیے چراگاہیں استعمال کرنے کی اجازت دے دی جائے۔ ان کے دل میں سلطانِ غزنین سے لڑنے کا خیال تک نہ تھا۔ پھر انہیں مجبوراً حفاظتِ نفس کے لیے لڑنا پڑا اور لڑائی میں فتح حاصل کرنے سے ان کی جرأتیں بڑھ گئیں۔ تاہم سلطنتِ غزنین کا رُعب ایک حد تک ان کے دل سے دُور نہ ہُوا تھا اور وہ زیادہ سے زیادہ جس چیز کی طمع رکھتے تھے وہ صرف یہ تھی کہ خراسان کے جو اضلاع ان کے علاقے سے متصل ہیں وہ دولتِ غزنویہ کے زیرِ سایہ ان کی جاگیر میں دے دیئے

جائیں۔ لیکن اس کے بعد کی لڑائیوں اور پیہم کامیابیوں نے انہیں مجبور کیا کہ خود اپنی سلطنت قائم کرنے کا ارادہ کریں۔ اور جب وہ خراسان کے دارالحکومت نیشاپور میں فاتحانہ شان کے ساتھ داخل ہوئے تو ان کے سردار طغرل بیک کو کوئی چیز اس سے روکنے والی نہ تھی کہ وہ سلطان مسعود کے تخت پر بیٹھے اور دربارِ عام میں اپنی حکومت کا اعلان کر دے۔

نیشاپور میں طغرل کا دربار

ان نو واردِ بدویوں نے اسلامی تہذیب کے معدن میں جس شان کے ساتھ اپنی فرمانروائی کا اعلان کیا اس کی دلچسپ کیفیت بیہقی نے مفصلاً بیان کی ہے۔ لکھتا ہے کہ دربارِ عام میں کوئی ترتیب نہ تھی۔ ادنیٰ و اعلیٰ سب گڈمڈ تھے۔ جس کا جی چاہتا تھا خود طغرل کو خطاب کر کے بات کر لیتا تھا۔ اسی حالت میں قاضی صاعد اُٹھے اور طغرل سے کہا:

> "خداوند کی عمر دراز ہو۔ یہ سلطان مسعود کا تخت ہے جس پر آپ بیٹھے ہیں۔ پردۂ غیب میں بہت سی چیزیں پوشیدہ ہیں، نہیں معلوم کہ ابھی اور کیا ہونا ہے۔ ہوشیار رہیے، ایزد عزّ ذکرہٗ سے ڈریئے، انصاف کیجیے، ستم رسیدوں اور درماندوں کی بات سُنیے، اور لشکر کو ظلم کرنے کی آزادی نہ دیجیے کہ بے انصافی منحوس ہوتی ہے۔"

طغرل نے ان نصائح کو سُنا اور کہا کہ جو کچھ آپ فرماتے ہیں مَیں نے اس کو قبول کیا، اسی کے مطابق کام کروں گا۔ پھر کہا کہ ہم نو وارد اور غریب لوگ ہیں؛

یہاں کی رسموں سے ناواقف ہیں، اگر کوئی نصیحت کی بات ہو تو کہلا بھیجنے میں دریغ نہ کیجیے گا۔[1]

قیامِ امن

طغرل نے اپنے اس وعدے کو پُورا کیا۔ فاتح سلجوقی جب فرج در فوج خراسان کے دارالحکومت میں داخل ہوئے تو شہر کے ساز و سامان اور مال و دولت کو دیکھ کر ان کے مُنہ میں پانی بھر آیا اور انہوں نے اس کو لوٹنا چاہا۔ خود اس کا بھائی چغری بیک داؤد بھی یہی چاہتا تھا۔ مگر طغرل نے یہ کہہ کر روک دیا کہ رمضان کا مہینہ ہے، اس میں لوٹ مار مناسب نہیں ہے۔ عید الفطر کے بعد لشکر نے پھر لوٹنے کا ارادہ کیا اور طغرل نے انہیں پھر روکا۔ اس مرتبہ ایک بڑی حجت اس کے ہاتھ یہ لگ گئی تھی کہ اس مہینے خلیفہ قائم بامراللہ کا فرمان آیا تھا جس میں سلجوقیوں کو یہ نصیحت کی گئی تھی کہ سلب و نہب اور فتنہ و فساد سے پرہیز کریں۔[2] طغرل نے یہی فرمان سلجوقی سرداروں کے سامنے رکھ دیا۔ بعض سردار خلیفہ کے نام سے خاموش ہو گئے۔ مگر داؤد اس پر بھی نہ مانا اور بلا اجازت لوٹ مار شروع کر دینے پر آمادہ ہو گیا۔ طغرل نے ایک خنجر ہاتھ میں لے کر کہا کہ اگر تم اس فعل سے باز نہ آئے تو میں اس سے

---

[1] بیہقی ص ۶۹۱-۶۹۲

[2] عماد کاتب کا بیان ہے کہ یہ خط ابوبکر طوسی لے کر آیا تھا۔ سلجوقیوں نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی "سیزدہ خلعت" سے سرفراز کیا اور خلیفہ کے فرمان کو اپنے لیے عزت افزائی سمجھا۔ (زبدۃ النصرہ، ص ۷)

اپنا کام تمام کر لوں گا۔ آخر دونوں کے درمیان اس پر تصفیہ ہوا کہ اہلِ نیشاپور سے تیس یا چالیس ہزار دینار لے کر اہلِ لشکر پر تقسیم کر دیئے جائیں اور اس کے عوض اہلِ لشکر شہر والوں سے کسی قسم کا تعرض نہ کریں۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عام سلجوقی ابھی تک اپنے آپ کو لٹیرے ترکمانوں کی حیثیت ہی میں دیکھ رہے تھے، مگر طغرل کو احساس ہو چکا تھا کہ اب وہ لٹیرے نہیں رہے، فرمانروا ہو گئے ہیں۔

اس کے بعد طغرل جب تک نیشاپور میں رہا ہفتہ میں دو دن (اتوار اور بدھ کو) عام انصاف کے لیے بیٹھتا تھا۔[1]

خراسان کے لیے مسعودؔ کی آخری کوشش

لیکن ابھی طغرل کو حکومت کا نظام قائم کرنے کی مہلت ملنی مشکل تھی۔ غزنویوں کی طاقت ایسی گئی گزری نہ تھی کہ وہ اتنی آسانی سے خراسان کا ملک چھوڑ دینے پر راضی ہو جاتے۔ اس لیے ابھی ان سے ایک فیصلہ کُن کشمکش ہونی باقی تھی۔

نیشاپور کی فتح کا حال سنتے ہی مسعودؔ نے بڑے پیمانے پر جنگ کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ سال کے اختتام تک یہ تیاریاں مکمل ہو گئیں اور پچاس ہزار سوار و پیادہ فوج تین سو جنگی ہاتھیوں سمیت فراہم ہو گئی۔[2] محرم ۴۳۰ھ/۱۰۳۸ء میں

---

[1] ابن اثیر، ج ۹، ص ۱۹۰-۱۹۱۔ زبدۃ النصرہ، ص ۷۔

[2] بیہقی ص ۶۹۲-۶۹۵۔ ابن اثیر نے غزنین سے روانگی کی تاریخ رمضان ۴۲۹ھ لکھی ہے، مگر بیہقی سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔

وہ اس ساز و سامان اور شوکت و ہیبت کے ساتھ نکلا کہ خراسان کی بازیابی چند ہفتوں اور مہینوں کی بات نظر آنے لگی۔ مگر اس کی عیش پسندی، خود رائی اور بے تدبیری اب بھی اس کے منصوبوں کو ملیامیٹ کرنے کے لیے موجود تھی جس کے ساتھ اگر وہ اس سے دس گنی بلکہ ہزار گنی طاقت بھی لے کر جاتا تو نتیجہ وہی ہوتا جو طبعاً اور لازماً ہونا چاہیے تھا۔ اپنی غلطیوں کے اتنے تلخ نتائج کو آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد بھی اس کے طرزِ عمل میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ غزنین سے چلا تو اس شان سے کہ ہفتہ بھر تک جشن مناتا اور شرابیں پیتا رہا۔[1] ولوالج پہنچا تو معلوم ہوا کہ ختلان میں ایک ترکی امیر پوریتگین برسرِ بغاوت ہے۔ سنتے ہی آگ بگولا ہو گیا اور خراسان کے بجائے ختلان جا کر پوریتگین سے لڑنے پر آمادہ ہو گیا۔ وزیر نے لاکھ سمجھایا کہ پوریتگین کو لطف و نوازش سے رام کر کے سلجوقیوں کے خلاف لڑا دینا زیادہ مناسب ہے، مگر نہ مانا۔ آخر بمشکل اسے اس پر راضی کیا گیا کہ خود جانے کے بجائے دس ہزار فوج کے ساتھ ایک سپہ سالار کو پوریتگین کے مقابلہ پر بھیج دیا جائے۔ امراء و وزراء اس بیجا ضد اور خودسری سے بہت تنگ ہوتے۔ وزیر نے ابونصر سے کہا کہ "اس استبداد و بدتدبیری کو دیکھتے ہوئے اندیشہ ہے کہ خراسان ہمارے ہاتھ نہ آئے گا، کیونکہ مجھے اقبال کے آثار بالکل نظر نہیں آتے۔"[2]

---

[1] بیہقی، ص ۶۹۴۔

[2] بیہقی ص ۶۹۸-۶۹۹۔

پیہم غلطیاں

صفر ۴۳۰ھ میں مسعود بلخ پہنچا۔ اس اثنا میں سپہ سالار علی دایہ پوریتگین کو شکست دے کر بھگا چکا تھا۔ اب چاہیے تھا کہ اس سے قطع نظر کر کے خراسان کی طرف رُخ کیا جاتا۔ مگر نہ معلوم اس کے ذہن میں پوریتگین کے متعلق کیا خیال بیٹھ گیا تھا کہ بلخ سے پھر ختلان کی طرف جانے کے لیے آمادہ ہو گیا۔ وزیر نے مجبور ہو کر پھر عرض کیا کہ اس جاڑے کے زمانہ میں جبکہ دریا کا پانی اکثر یخ بستہ ہو جایا کرتا ہے، اسے عبور کر کے دوسرے علاقہ میں چلا جانا ہرگز مناسب نہیں ہے۔ ہمارے پیش نظر اس سے بڑی ایک اور مہم ہے، اگر اس کو چھوڑ کر ہم پوریتگین کے ساتھ اُلجھ گئے تو جو نقصان پہنچ چکا ہے اس کی تلافی مشکل ہو جائے گی۔ دوسرے وزرا و اُمرا نے بھی اس کی تائید کی۔ مگر مسعود نے کسی کی ایک نہ سُنی اور جیحوں پر پُل بندھوا کر ختلان جانے کے لیے مستعد ہو گیا۔ اب اس کی ضد اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ جو لوگ نیک مشورے دیتے تھے، ان پر بگڑنے لگتا تھا آخر کار وزرا نے سمجھانا بھی چھوڑ دیا، غلطیاں کرتے دیکھتے تھے، اور پیچ و تاب کھا کر رہ جاتے تھے[1]۔

اسی زمانہ میں غزنیں سے ولی عہد کے انتقال کی خبر آئی۔ سلطنت کے اتنے اہم واقعہ کی سلطان کو فوراً اطلاع ہونی چاہیے تھی، مگر سلطان اس وقت شراب میں مشغول تھا اس لیے کسی نے جا کر کہنے کی جرأت نہ کی[2]۔

[1] بیہقی، ص ۷۰۳۔۷۰۴۔ [2] بیہقی، ص ۷۰۵۔

اواخر ربیع الاوّل میں مسعود جیحوں کو عبور کر کے ترمذ پہنچا اور وہاں سے پوریتگین کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ سلجوقیوں کے لیے اس سے بہتر موقع اور کیا ہو سکتا تھا۔ انہوں نے سَرخس سے ایک فوجِ گراں بھیج دی تاکہ اَندخود کے راستے جیحوں پر پہنچے اور پُل کو تباہ کر دے۔ مسعود کو جب سلجوقیوں کے اس ارادہ کا حال معلوم ہوا تو سخت بدحواس ہو کر پوریتگین کے مقابلہ سے پسپا ہوا اور مارا مار ترمذ آیا۔ پیچھے سے پوریتگین نے چھاپے مار کر بہت کچھ سامان لوٹ لیا۔ اگر اس اثنا میں سلجوقی فوج جیحوں پر پہنچ کر پُل توڑ دیتی تو مشکل کا سامنا ہوتا، مگر خوش قسمتی سے ان کو پہنچنے میں دیر ہوئی اور مسعود اپنے لشکر سمیت دریا پار کر کے بلخ پہنچ گیا[1]۔

ان واقعات سے سلجوقیوں کی جرأتیں اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ ان کے دس سپاہی بلخ میں عین باغ سلطانی تک گھس آتے، چار ہندو پیادوں کو قتل کیا اور ایک ہاتھی پکڑ کر لے گئے، جسے داؤد نے نیشاپور بھیج دیا۔ غزنویوں کی غفلت کا یہ اتنا بڑا نشان تھا کہ جہاں جہاں سے گزرا لوگوں نے دیکھا اور یقین کر لیا کہ جن کے گھر میں سے ہاتھی اڑایا جا سکتا ہے اُن کا اب اللہ ہی حافظ ہے۔

اس کے بعد داؤد نے بلخ سے متصل دو بستیوں پر چھاپہ مارا اور انہیں لُوٹ لیا[2]۔

[1] بیہقی، ص ۷۰۷۔۷۰۸، مصنف خود اس سفر میں مسعود کے ساتھ تھا۔ جو کچھ لکھ رہا ہے چشم دید لکھ رہا ہے۔

[2] بیہقی، ص ۷۰۹۔

جنگِ علیا باد

اب مسعود کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ اس نے جنگ کا عزم کر لیا اور فوج لے کر سلجوقیوں کی طرف چلا۔ ۹ رجب سنہ ۴۳۰ھ کو علیا باد کے میدان میں فریقین ایک دوسرے کے مقابل ہوتے۔ اوّل اول غزنوی فوج لڑنے سے جی چراتی رہی۔ صرف پانچ سو سوار میدان میں لڑ رہے تھے اور باقی سارا لشکر کھڑا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ آخر مسعود غضبناک ہو کر خود میدان میں اُترا اور ایک ہزار سوار لے کر بڑھا۔ باوجود عیاشی کے آدمی بہادر اور مردِ نبرد تھا۔ سلجوقی اس کے ایک حملہ کی بھی تاب نہ لاسکے۔ پچاس مقتول اور بیس قیدی چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ اس وقت اگر بھاگنے والوں کا تعاقب کیا جاتا تو ایک زندہ نہ بچتا۔ لیکن مسعودؔ نے بڑی شرافت برتی کہ فوج کو بھاگتوں کا پیچھا کرنے سے روک دیا اور فرودگاہ پر واپس آکر اسیروں کو بھی رہا کر دیا۔[1]

سلجوقیوں کی جنگی کانفرنس

اس جنگ کے بعد سلجوقیوں نے اپنی تمام قوت سَرَخس پر مجتمع کر لی۔ اِدھر سے داؤد پسپا ہو کر وہاں پہنچا، اُدھر نیشاپُور سے طغرل اور مَرو سے بیغو آتے اور ۲۰ ہزار فوج اکٹھی ہو گئی۔ یہاں سلجوقی سرداروں کی ایک جنگی کانفرنس منعقد ہوئی تاکہ آئندہ کے لیے جنگ کا خاکہ بنا لیں۔ طغرل اور دوسرے سرداروں نے کہا کہ اتنے بڑے بادشاہ سے، جس کے ساتھ اتنی فوج ہے، مقابلہ کرنا مشکل ہے۔ مناسب یہ ہے کہ اس وقت ہم رَے اور جبال کی طرف ہٹ جائیں۔ وہاں مٹھی بھر دیلم اور کُرد ہیں جن کو ہم آسانی سے زیر کر لیں گے۔ یہ باتیں سُن کر داؤد اُٹھا اور بولا کہ:

---

[1] بیہقی اس جنگ کا عینی شاہد ہے (ص ۷۱۰-۷۱۱)

"صاحبو، آپ سخت غلطی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اگر خراسان سے قدم نکالا تو یہ بادشاہ آپ کا پیچھا کرے گا اور ہر طرف سے آپ کے دشمنوں کو بھی برانگیختہ کرے گا، یہاں تک کہ آپ زمین پر کہیں قرار نہ پاسکیں گے۔ میں علیا باد میں اس سے جنگ کر چکا ہوں۔ آدمی اور سامان جنگ جیسا چاہیے ان کے ہاں موجود ہے، مگر ان کا بُنہ (یعنی سامان) بہت زیادہ ہے جسے وہ اپنے ساتھ ہی رکھتے ہیں، کیونکہ بغیر اس کے ان کی زندگی مشکل ہے۔ اسی سبب سے وہ درماندہ رہ جاتے ہیں کہ اپنی خبر رکھیں یا اپنے سامان کی۔ تکِنتغدِی اور شُباشی پر جو کچھ مصیبت نازل ہوئی اسی گراں سامانی کی وجہ سے ہوئی۔ بخلاف اس کے ہم ہلکے پھلکے بے ساز و سامان لوگ ہیں۔ ہمارا سامان ہم سے پیچھے ۳۰ فرسنگ پر رہتا ہے۔ ہم پیدائشی سپاہی ہیں۔ مردانہ وار مقابلہ میں جائیں گے اور دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں کیا لکھا ہے۔"

اس تقریر سے تمام حاضرین کی ہمّت بندھ گئی اور سب نے فیصلہ کر لیا کہ خراسان میں آخر وقت تک جنگ کریں گے۔

اس اثنا میں پوزتگین سلجوقیوں سے آملا تھا، اور خود لشکر مسعودی کے بہت سے لوگ مثلاً امیر یوسف، حاجب علی تگین، سلیمان، ارسلان جاذب، اور قدر حاجب وغیرہ بھی ٹوٹ ٹوٹ کر سلجوقیوں کے پاس پہنچ گئے تھے۔ جنگی کانفرنس میں یہ مسئلہ بھی پیش ہوا کہ ان فراریوں سے کیا معاملہ کیا جائے۔ داؤد نے کہا کہ یہ نمک حرام اور محسن کش لوگ ہیں، ان پر ہرگز اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ آج ضرورۃً ہمارے

پاس آتے ہیں، کل اگر دشمن نے نامہ و پیام سے ان کو پرچا لیا تو یہ ہم سے دغا کریں گے۔
لہٰذا انہیں اپنی پُشت پر ہرگز نہ رہنے دو، بلکہ اپنی فوج کے آگے آگے رکھو۔ اگر یہ
لڑے تو ہمارا فائدہ ہے اور نہ لڑے تو کچھ نقصان نہیں۔ چنانچہ اسی رائے کے مطابق
پوریگین اور ارسلان جاذب وغیرہ کو دو ہزار سواروں کے ساتھ، جن میں زیادہ تر
بھگوڑے شامل تھے، ہراول میں رکھا گیا۔[1]

ان دونوں باتوں سے سیاسی و جنگی مسائل پر داؤد کی گہری نظر کا پتہ چلتا ہے،
اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ غزنویوں کی اصلی کمزوری کو اچھی طرح سمجھ کر اس سے
فائدہ اٹھا رہا تھا۔

جنگِ تلخ آب

سَرَخس میں سلجوقیوں کے اجتماع کی خبر پا کر مسعود وسط شعبان میں بلخ سے ادھر
روانہ ہوا اور وسط رمضان میں تلخ آب پہنچ کر ٹھیرا جہاں سلجوقی فوجیں پڑی ہوئی
تھیں۔ رمضان بھر سلجوقی سوار مسعودی لشکر پر چھاپے مارتے رہے اور مسعودیوں
کے لیے خیموں سے قدم باہر نکالنا مشکل کر دیا۔ یہاں تک کہ پانی اور چارہ لینے کیلئے
بھی پانچ پانچ سو سواروں کی جمعیّت بھیجنی پڑتی تھی۔ یہ حال دیکھ کر مسعود نے
اپنے اعیانِ سلطنت سے کہا کہ "مجھے یہ معلوم ہی نہ تھا کہ اس قوم کا زور اتنا بڑھ
گیا ہے۔ لوگوں نے مجھے دھوکا دیا اور ان کی صحیح کیفیت نہ بتائی ورنہ ابتدا ہی میں

[1] بیہقی، ص ۷۱۲-۷۱۴

اس کی تدبیر کی جاتی۔"

عید کے بعد تلخ آب کے میدان میں دونوں فریق صف آرا ہوئے۔ مسعود خود
ایک ہاتھی پر سوار ہو کر قلب میں کھڑا ہوا، اور ساقہ میں ایک ہزار سواروں کو کھڑا
کر دیا تاکہ سامان کی حفاظت کریں اور اگر لشکر میں سے کوئی بھاگ کر جانے لگے تو
اسے قتل کر دیں۔ ان انتظامات کے ساتھ جنگ شروع ہوئی۔ سخت معرکہ کا
رن پڑا، دیر تک دونوں پلڑے برابر رہے۔ آخر مسعود نے ۲ ہزار زرہ پوش
سوار لے کر اس مقام پر حملہ کیا جہاں داؤد، طغرل اور بیغو کھڑے تھے۔ سلجوقی
اس حملے کی تاب نہ لا سکے اور بے ترتیبی کے ساتھ پسپا ہوئے۔ مسعود نے اس
موقع پر بھی تعاقب سے اجتناب کیا ورنہ سلجوقیوں پر سخت مصیبت نازل ہوتی۔[1]

فتحِ شکست انجام

۳ شوال کو مسعود آگے بڑھ کر سَرَخس پہنچا۔ اس کو امید تھی کہ سلجوقیوں پر جو
کاری ضرب لگی ہے اس سے وہ ایسے بھاگیں گے کہ جیحون اور بلخان کوہ سے ادھر
دم نہ لیں گے۔ مگر یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ سلجوقی دستے علانیہ لشکر مسعودی کے
سامنے خنگی ہرنوں کی طرح پھرتے تھے، اور جہاں موقع پاتے، چھاپہ مار دیتے
تھے۔ ان کی شوخ چشمی کا یہ حال تھا کہ انہوں نے سَرَخس کے قریب دریا سے پانی
لینا مشکل کر دیا تھا۔ ان کے پیہم حملوں سے لشکر مسعودی میں سخت بددلی پھیل
گئی۔ لوگ خیموں سے باہر نکلتے ہوئے ڈرتے، افسروں کے احکام کو ایک

[1] بیہقی، ص ۷۱۴-۷۲۱۔

دوسرے پر ٹالتے اور چھوٹے چھوٹے کاموں سے جی چُراتے تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ جانوروں کے لیے چارہ تک ملنا بند ہو گیا۔ سلجوقیوں نے باہم مشورہ کرکے یہ طے کر لیا تھا کہ اب میدان میں غزنویوں سے جنگ نہ کریں گے، کیونکہ باقاعدہ لڑائی میں ان کے سامنے ٹھیرنا مشکل ہے۔ اس لیے اب ہم کو اپنے ترکی طریقہ پر جنگ کرنی چاہیے۔ ہم بیابانی لوگ ہیں، سردی گرمی کو خوب برداشت کر سکتے ہیں اور رَخت و بُنہ کی طرف سے بے فکر ہیں۔ شاہی لشکر میں نہ یہ جفاکشی ہے اور نہ وہ اس قدر ہلکا ہے کہ ہمارا پیچھا کر سکے۔ زیادہ عرصہ تک ہمارے چھاپوں کو برداشت نہ کر سکے گا اور آخر تھک کر عاجز آ جائے گا۔[1]

صلح کی گفت و شنید

مسعُود اپنے لشکر کی روز افزُوں بددلی اور سلجوقیوں کی دلیری و چابکدستی دیکھ دیکھ کر گھبرا رہا تھا۔ خلوت میں مشورہ کیا کہ اب کیا کیا جائے؟ وزیر نے عرض کیا جتنا ہمارا لشکر خستہ و درماندہ ہے دشمن کا لشکر اس سے بھی زیادہ خستہ ہے، مگر فرق یہ ہے کہ یہ لوگ ہم سے زیادہ جفاکش اور مستقل مزاج ہیں، اور پامردی کے ساتھ جانیں لڑا رہے ہیں۔ ایسی حالت میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کو ان کے پاس بھیجا جائے، اور وہ اس قوم کو اپنے طور پر سمجھائے کہ "اگر حضور تمہارا تعاقب کرتے تو تم میں سے ایک زندہ نہ بچتا، اور اگر اب انہوں نے دوبارہ جنگ پر کمر باندھ لی تو تمہاری خیر نہیں ہے۔ لہٰذا تمہارے لیے مناسب

[1] بیہقی ص ۷۲۲ - ۷۲۴

یہی ہے کہ عجز و انکسار کے ساتھ عذر خواہی کرو تاکہ میں سلطان کو تمہاری خطا معاف کرنے پر راضی کروں اور عرض کروں کہ ان لوگوں نے محض جان کے اندیشہ سے یہ گستاخی کی ہے"۔ اس طرح صلح کا ڈھنگ ڈال کر ہرات چلیے، اور اس اثنا میں کہ ایلچی دونوں طرف سے آئیں جائیں، از سرِ نو جنگ کی تیاری کر لیجیے۔ مسعود نے پہلے اس کو قبول کرنے میں تامل کیا، کیونکہ یہ کھلا ہُوا عجز تھا، مگر آخر کار اس گرگ آشتی پر راضی ہو گیا۔[1]

اس قرارداد کے مطابق حاکم مُطوّعی کو جو ایک نہایت تجربہ کار اور چرب زبان شخص تھا، اس کام پر مامور کیا گیا، اور سخت تاکید کر دی گئی کہ کسی طرح یہ نہ ظاہر ہونے پائے کہ سلطان کو اس کی خبر ہے، بلکہ یہ ظاہر کرنا کہ میں نے اور وزیر نے محض اسلامی ہمدردی کی بنا پر یہ مصلحت سوچی ہے، اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ ناحق خونریزی نہ ہو اور تم لوگ خواہ مخواہ برباد نہ کر دیئے جاؤ۔ مُطوّعی جب سلجوقی کیمپ میں پہنچا تو اس کی خوب آؤ بھگت کی گئی، اور اس کے پیغام کو جسے اس نے نہایت خوبی و مہارت کے ساتھ ادا کیا، پُوری توجہ کے ساتھ سُنا گیا۔ پھر سلجُوقی سردار یکجا ہوئے اور طویل بحث و مباحثہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے وزیر کی تجویز کو قبول کر لینا ہی مناسب ہے۔ چنانچہ انہوں نے حاکم مُطوّعی کو بلا کر اپنے فیصلہ سے مطلع کر دیا اور اس کے ساتھ اپنا بھی ایک ایلچی وزیر کے پاس بھیجا تاکہ ان کی طرف سے گفت و شنید کرے۔

[1] بیہقی، ص ۷۲۵، ۷۲۷

حاکم مُطوّعی نے واپس آکر سلجوقی ایلچی کو وزیر کے سامنے پیش کر دیا اور جو کچھ دیکھا اور سُنا تھا اس سے بیان کیا ۔ وزیر نے ان تمام امُور کے متعلق سلطان سے پھر مشورہ کرنے کے بعد ایلچی کو بُلا کر کہا کہ مَیں نے سُلطان کو بمُشکل تمہاری سفارش قبول کرنے پر راضی کر لیا ہے اور تمہارے حق میں یہ بات طے ہوئی ہے :

"تم اس ولایت میں جہاں اب ہو، رہو، اور ہم ہرات جاتے ہیں ۔ نسا، فراوہ، اَبیورد، اور یہ بیابان اور حدُود تمہارے سپُرد کیے گئے، بشرطیکہ تم مسلمانوں اور رعایا کے نیک و بد سے تعرّض نہ کرو، لوگوں سے تاوان نہ وصول کرو، اور اُنہی ولایتوں میں رہو جو تمہارے لیے نامزد ہوئی ہیں ۔ جب ہم ہرات پہنچ جائیں تو وہاں اپنے باوردی ایلچیوں کو بھیجنا، تاکہ باقاعدہ عہد نامہ لکھا جائے جس سے رجوع نہ ہو سکے[1]۔"

ایلچی نے اس فیصلہ کو قبول کر لیا اور عارضی صلح ہو گئی ۔ لیکن یہ صلح دونوں جانب سے ریا اور مکر کے طور پر کی گئی تھی ۔ غزنوی وزیر اور سلطان کا مقصد تو اوپر ظاہر ہو چکا ہے ۔ اب رہے سلجوقی، تو ان کے کیمپ سے واپس آکر غزنوی سفیر نے جو کچھ بیان کیا اس سے ان کی نیت بھی معلوم ہو جاتی ہے ۔ اُس نے وزیر سے کہا :

"ان پر کسی طرح اعتماد نہیں کیا جا سکتا ۔ ۔ ۔ اپنا کام بنانا اور

[1] بیہقی، ص ۷۳۰ - ۷۳۲

ان کا کام بگاڑنا، یا اس ولایت سے انہیں نکال دینا، مہمات میں سے شمار کرنا چاہیے ۔ ان کی عشوہ آمیز و غرور انگیز باتوں سے دھوکہ نہ کھائیے ۔ یہ ہرگز مسیدھے نہ رہیں گے اور بادشاہی و فرمانروائی کی ہوا جو ان کے دماغوں میں بھر چکی ہے ہرگز نہ نکلے گی ۔ اس وقت بادشاہ کے بذاتِ خود حملہ کرنے سے جو ضرب ان کو لگی ہے اس کی بدولت یہ صلح پر راضی ہو گئے ہیں، مگر جو کچھ ان کے بس میں ہو گا مثلاً مکر و دغا اور فریب سے غلامانِ سرکار کو بہکانا، ولایتوں کو ضبط کرنا، لشکر بڑھانا اور ما وراء النہر سے آدمیوں کو بلانا کہ وہ اِن کے ساتھ ہوں اور ان کی تعداد بڑھے، اس میں یہ کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے ۔ مجھے معلوم ہوُا ہے کہ وہ یہ یقین رکھتے ہیں کہ یہ بادشاہ عاجز ہو چکا ہے اور اس کے وزیر نے اپنی قابلیّت سے ہم کو بہلا کر اتنے عرصہ کے لیے فتنہ فرو کرنا چاہا ہے تاکہ ان کا لشکر ذرا آرام لے لے اور جنگ کا سامان مہیا کر لیا جائے ۔ پھر از سرِ نَو وہ ہمارا پیچھا کریں گے اور جب تک ہم کو اس ولایت سے دفع نہ کر لیں گے چین نہ لیں گے ۔ اسی لیے وہ صلح و آشتی کو درمیان لاتے ہیں اور ہم نے بھی اس کو اسی لیے قبول کر لیا ہے کہ کچھ عرصہ کے لیے اِن تاختوں سے آسودہ ہو کر لشکر کو خوب تیار کر لیں ۔ مگر ہم غفلت نہ کریں گے بلکہ جنگ کے لیے مستعد رہیں گے تاکہ جب وہ ناگاہ ہم پر حملہ آور ہوں تو ہم ان کا جواب دے سکیں[1]۔"

[1] بیہقی، ص ۷۳۴ - ۷۳۵

جس صلح کی بنیاد فریقین کی اس نیت پر ہو، اس کو صلح نہیں بلکہ صرف وقفۂ جنگ ہی کہا جا سکتا ہے۔

جنگ کا اعادہ

ذی قعدہ ۴۳۰ھ/۱۰۳۹ء میں یہ امور طے ہونے کے بعد مسعود ہراۃ کی طرف چلا گیا اور سلجوقی سردار نیشاپور، سَرَخس، نَسا اور اَبیوَرد کی طرف روانہ ہو گئے۔ مسعود نے ہراۃ پہنچکر فوج اور اسباب جنگ فراہم کرنے کے متعلق احکام جاری کر دیئے اور بے فکر ہو کر عیش و نشاط میں غرق ہو گیا۔ مگر طغرل اور داؤد وغیرہ نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر نہایت مستعدی کے ساتھ اپنی قوت بڑھانی شروع کر دی۔ انہوں نے خوارزم شاہ اسمٰعیل بن اَلْتونتاش سے دوستانہ تعلقات قائم کر لیے۔ پورتگین کو فوجی مدد دے کر علی تگین کے لڑکوں کے خلاف اس طرح استعمال کیا کہ ولایت ماوراء النہر بڑی حد تک ان کے اثر میں آ گئی۔ اور جیحون کے سب راستے کھول دیئے گئے جن سے فوج در فوج آدمی سلجوقیوں کے پاس آنے لگے۔ ان حالات کو دیکھ کر غزنین کے بوڑھے مدبّر پریشان ہو رہے تھے۔ ایک طرف ان کا بادشاہ عیش و عشرت میں غرق تھا اور دوسری طرف ان کے دشمن اس مستعدی کے ساتھ تیاریاں کر رہے تھے۔ انہوں نے جو چال سوچی تھی وہ اُلٹی پڑ رہی تھی، مگر مجالِ دم زدن نہ تھی کہ اگر نوجوان بادشاہ سے کچھ کہتے تو آبرو کا ڈر تھا[1]۔

[1] بیہقی، ص ۷۴۸ - ۷۴۵۔

صفر کے مہینہ میں مسعود کے پاس غزنین سے کافی فوج پہنچ گئی اور اسے لے کر وہ ہرات سے نیشاپور کی طرف روانہ ہوا، جہاں طغرل مقیم تھا۔ اس مرتبہ سلطان مسعود نے سامانِ سفر بہت کم لیا تھا اور فوج کو اتنا ہلکا رکھا تھا کہ باسانی نقل و حرکت کر سکے[1]۔ طغرل کو گھیرنے کے لیے اس نے یہ چال اختیار کی کہ سرائے سنجد سے طوس کی جانب مڑ گیا تاکہ طغرل اطمینان سے نیشاپور میں بیٹھا رہے اور یہ اس کے ہوشیار ہونے سے پہلے نُوق کے رستے آگے بڑھ کر نسا کے فوجی مرکز سے اس کا تعلق منقطع کر دے۔ اگر مسعود اس چال میں کامیاب ہو جاتا تو طغرل کے لیے ہرات اور سَرَخس کے سوا نسا جانے کا اور کوئی راستہ نہ رہتا، اور اس راستہ میں اس کا گرفتار ہو جانا یقینی تھا۔ لیکن خود مسعود کی غفلت سے یہ چال ناکام ہوئی۔ رات کے وقت جبکہ مسعود ایک سبک رفتار ہاتھی پر سو رہا تھا، طغرل اس کے لشکر سے قریب ہو کر نکل گیا اور جُرجان کے قریب قصبہ استوا پر جا کر مسعود کو اس کی خبر ہوئی[2]۔ اسی وقت ایک سردار کو ہزار سواروں کے ساتھ عقب میں بھیجا، مگر طغرل اس قدر زنیر گیا تھا کہ یہ اس کی گرد کو بھی نہ پا سکے۔

مسعود کی ان تیاریوں کو دیکھ کر سلجوقی تمام اطراف خراسان سے نسا اور فراوہ کی طرف سمٹ آئے۔ انہوں نے اپنے مال و اسباب اور بال بچوں

[1] بیہقی، ص ۷۵۵۔

[2] بیہقی، ص ۷۵۶ - ۷۵۷۔ راحۃ الصدور، ص ۱۰۰۔ ابن اثیر ج ۹، ص ۱۹۲۔

کوہستان میں بھیج دیا اور خود جریدہ رہ گئے۔ مسعودؔ ان کے اجتماع کی خبر سن کر نسا کی طرف بڑھا تو وہ فراوہ کی طرف ہٹ گئے اور بلخان کوہ میں اپنے سامان کو منتقل کر دیا۔ یہ وقت سلجوقیوں کے لیے بہت سخت تھا۔ ان کی ساری فوج بے سرو سامانی کے ساتھ بیابان میں پڑی ہوئی تھی۔ ایک زبردست طاقت سر پر تھی جس کے حملہ کا ہر وقت کھٹکا لگا ہوا تھا۔ فوج کا تو کیا پوچھنا خود سلطان طغرل کا یہ حال تھا کہ کئی شبانہ روز زرہ بدن سے نہیں اتاری اور راتوں کو تکیے کے بغیر سویا۔ اس وقت مسعودؔ کی ذرا سی مستعدی سلجوقیوں کے لیے مہلک ثابت ہو سکتی تھی۔ مگر نسا پہنچ کر مسعودؔ نے شراب نوشی شروع کر دی اور آگے بڑھنے کے بجائے ابیورد کے راستے نیشاپور کی طرف ہٹ آیا۔[1]

نیشاپور میں مسعود کا داخلہ

وسط ربیع الآخر ۴۳۱ھ/۱۰۳۹ء میں مسعودؔ نیشاپور میں داخل ہوا۔ جس تخت پر طغرل بیٹھا تھا اس کو چبوترے اور فرش سمیت پارہ پارہ کر دیا گیا اور اس کی جگہ از سرِ نو دربار کا رنگ جمایا گیا۔ اس مرتبہ نیشاپور وہ نیشاپور نہ تھا جس کی خوشحالی پر سارا خراسان رشک کرتا تھا۔ کئی سال کی حالتِ جنگ نے اس کی ثروت کو ملیامیٹ کر دیا تھا۔ لوگ اپنے گھروں کے کاٹھ کواڑ تک بیچ بیچ کر کھا گئے تھے۔ قحط، غلہ کی گرانی اور چارے کی نایابی حد کو پہنچ چکی تھی۔ شادیاغ کے قریب محمد آباد کی زمینیں کسی زمانہ میں تین ہزار درم فی جریب کے حساب سے

[1] بیہقی ص ۷۵۵-۷۶۱۔

فروخت ہوتی تھیں، مگر اس جنگ کی بدولت یہ نوبت آگئی کہ وہی زمینیں ایک ایک من گیہوں کے عوض بکنے لگیں۔ چارے کی کم یابی کا یہ حال تھا کہ اس کی تلاش میں شتر سواروں کو دامغان تک جانا پڑتا تھا۔[1]

بحالِ زار پسپائی

یہ قحط نیشاپور ہی نہیں بلکہ تمام خراسان پر چھایا ہوا تھا۔ غزنوی لشکر اس مصیبت کا مقابلہ نہ کر سکا، اس لیے ناچار جمادی الاُخریٰ کے آخر میں مسعود کو نیشاپور چھوڑنا پڑا، اور اس نے طوس کا رُخ کیا۔ راستے میں غلّے اور چارے کی کمی کے باعث لشکر کے بہت سے آدمی اور جانور مر گئے۔ فوج والے گرد و نواح کے دیہات میں گھس جاتے اور جہاں کہیں غلّے کا نشان بھی پا لیتے، ٹوٹ پڑتے۔ مگر اس کے باوجود لشکر بھوکا مر رہا تھا۔ جب طوس میں بھی امن نہ ملا تو گھبرا کر سرخس کی طرف چلا۔ راستے میں اتنے جانور مر مر کر گر گئے کہ شمار نہ ہو سکتا تھا۔ سرخس پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہاں بھی پانی، غلّے اور چارے کا کال ہے۔ امراء و وزراء نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ اب سوائے اس کے کوئی صورت باقی نہیں ہے کہ یہاں سے ہرات چلیں، کیونکہ وہ قحط سے محفوظ ہے اور بادغیس کے علاقہ میں بکثرت چارہ موجود ہے۔ اس کے بعد جب لشکر تازہ دم ہو جائے تو حملہ کیا جا سکتا ہے مگر مسعود نے اس رائے کو سختی کے ساتھ رد کر دیا اور کہا کہ میں مَرو جا کر دشمن کا مقابلہ کروں گا۔ امراء نے واپس آ کر پھر دو خاص مصاحبوں کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ مَرو جانے میں سخت تباہی کا اندیشہ ہے،

[1] بیہقی ص ۷۶۱-۷۶۴

اس وقت ہرات جانے کے سوا کوئی بہتر صورت نہیں ہے۔ لیکن مسعود نے ان کو جھڑک کر کہا کہ "تم لوگوں نے سازش کر لی ہے۔ تم چاہتے ہو کہ میں مصیبتیں اٹھاؤں اور تم چوری کرو۔ میں تمہیں ایسی جگہ لے جانا چاہتا ہوں جہاں تم سب مر جاؤ اور تمہاری خیانتوں سے مجھے نجات ملے۔" اس جواب نے تمام اُمراء کے دل توڑ دیئے اور سب مجبوراً خاموش ہو گئے۔ اس پر مزید یہ کہ مسعود اپنے سالاروں اور وزیروں کو چھوڑ کر خادموں اور ادنیٰ چاکروں سے مشورے کرنے لگا اور ان کے سامنے اعیانِ سلطنت کی برائیاں کیں۔ ان باتوں نے ان لوگوں کو اور بددل کر دیا۔ بادشاہ کو راہِ راست پر لانے کی آخری تدبیر یہ کی گئی کہ ایک بوڑھے ترکی سپہ سالار التونتاش کو جس کا مسعود بہت لحاظ کرتا تھا، اس کے پاس بھیجا گیا تاکہ مرو جانے سے اس کو باز رکھے۔ مگر مسعود نے اس کی بات کو بھی رد کر دیا، اور ۲ رمضان کو مرو کی جانب روانہ ہو گیا[۱]۔ حال یہ تھا کہ سارا لشکر گرمی اور بھوک پیاس کے مارے مر رہا تھا، جانور چارے کے مارے بے دم ہو رہے تھے۔ سالارانِ فوج اور وزرائے سلطنت بادشاہ کی اس خود رائی سے تنگ دل تھے اور مجبورانہ اطاعت کے ساتھ کشاں کشاں جا رہے تھے۔ اسی حالت میں سلجوقی آن پہنچے اور انہوں نے اس تباہ حال لشکر پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے۔ وہ غزنوی لشکر کے ساتھ لگے چلتے تھے، اور جہاں موقع پاتے حملہ کر دیتے تھے۔ اس طرح انہوں نے ہر طرف سے کئی مرتبہ نرغہ کیا، مال لوٹا، آدمیوں

[۱] بیہقی ص ۷۶۶-۷۷۲۔

کو قتل کیا، اور جانوروں کو بھگا لے گئے۔ ان کے ان حملوں سے مسعودی فوج اس قدر خوف زدہ اور کم ہمت ہو گئی تھی کہ سلجوقی ان کے سامنے سے جانوروں کو کھول کر لے جاتے اور وہ دم نہ مارتے تھے۔ خصوصاً فوج کے ہندو سپاہی تو اتنے بددل تھے کہ دس ترکمانوں کو دیکھ کر ان کے پانچ پانچ سو آدمی بھاگ جاتے تھے۔ مسعود نے ہندی اور غزنوی فوج کے افسروں کو بلا کر اس بزدلی پر ملامت کی۔ انہوں نے کہا کہ آدمی اور گھوڑے بھوک کے مارے بے دم ہو رہے ہیں، نہ گھوڑوں میں دوڑنے کی طاقت نہ آدمیوں میں لڑنے کی طاقت؛ ایسی حالت میں مقابلہ ہو تو کیونکر ہو[۱]۔

مسعود کی شکست فاش

اب مسعود کو مَرو کی راہ لینے کا انجام معلوم ہوا۔ بہت پچھتایا اور پھر چاہا کہ ہرات کی جانب واپس ہو۔ مگر امراء نے کہا کہ اب واپس ہونے سے اور زیادہ ہوا اکھڑے گی۔ جو کچھ بھی ہو یہیں مقابلہ کرنا چاہیے۔ آخر مسعود نے بیابان ہی میں ٹھہر کر فوج کو از سر نو مرتب کیا اور تیزی کے ساتھ مرو کی طرف بڑھا تاکہ جلد سے جلد وہاں پہنچ کر لشکر کو تازہ دم کر لے۔ سلجوقی سمجھ چکے تھے کہ مَرو پہنچ کر شکار ہاتھ سے نکل جائے گا، اس لیے وہ دَندانقان[۲] کے قریب

[۱] بیہقی ص ۷۷۳-۷۸۰۔

[۲] اس مقام کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض نے اس کو دندانقاد لکھا ہے اور بعض دند نقان لکھتے ہیں۔ مگر دندانقان زیادہ صحیح ہے۔

بیابان ہی میں یک بارگی اس پر ٹوٹ پڑے۔ غزنوی فوج لڑنے سے جی چرا رہی تھی۔ اس اچانک حرب کی تاب نہ لاسکی اور پہلے ہی حملے میں بھاگ نکلی۔ مسعود ایک مختصر سے دستے کے ساتھ میدان میں تنہا رہ گیا۔ آدمی بہادر اور بلا کا قوی بازو اور تیغ زن تھا۔ جم کر لڑتا رہا اور جدھر نکل گیا، پرے کے پرے صاف کر دیئے۔ مگر کثرتِ تعداد کے مقابلہ میں کچھ پیش نہ گئی۔ ناچار بھاگ نکلا، کیونکہ اگر تھوڑی دیر اور ٹھیر جاتا تو یقیناً گرفتار ہو جاتا۔ میدانِ جنگ سے بھاگ کر سیدھا غور کے علاقہ میں پہنچا جہاں نہایت بے سروسامانی کے عالم میں عید کی، پھر وہاں سے بحالِ تباہ ۷ رشوال کو غزنیں پہنچا جہاں کے لوگوں نے اس سے زیادہ بے حشمت داخلہ کسی سلطان کا نہ دیکھا تھا۔

یہ جنگ سرخس اور مرو کے درمیان اواخر رمضان ۴۳۱ھ / ۱۰۴۰ء میں ہوئی۔ اس میں سلطان مسعود کا لشکر پوری طرح تباہ ہو گیا، اس کا سارا ساز و سامان سلجوقیوں کے ہاتھ لگا، اور ہمیشہ کے لیے خراسان کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا۔[1]

طغرل کی شاہی کا اعلان

مسعود کے بھاگتے ہی سلجوقیوں نے فتح کا نعرہ لگایا اور ان کے سرداروں نے گھوڑوں سے اتر کر فرشِ خاک پر سجدۂ شکر ادا کیا۔ اس کے بعد صحرا میں خیمہ نصب کر کے تخت بچھایا گیا جس پر طغرل نے جلوس کیا اور سب اہلِ فوج

[1] بیہقی، ص ۷۸۱-۷۸۶-۷۹۱-۷۹۵-ابن اثیر، ج ۹ ص ۲۰۱-راحۃ الصدور، ص ۱۰۰-زین الاخبار، ۱۰۷-۱۰۸-

نے اسے بادشاہی خراسان کی سلامی دی۔ مالِ غنیمت جو حد شمار سے باہر تھا، بڑیا دلی کے ساتھ تقسیم کیا گیا، خانانِ ترکستان اور ملوکِ ماوراءالنہر وغیرہ کو فتح نامے لکھے گئے اور اہلِ خراسان کو ایک سال کی مالگذاری معاف کر دی گئی۔[1]

پھر طغرل نے اپنے خاندان کے سب لوگوں کو جمع کر کے باہم اتفاق و اتحاد کا عہد لیا۔ کہتے ہیں کہ اس موقع پر طغرل نے اپنے بھائی کے ہاتھ میں ایک تیر دیا اور کہا کہ اس کو توڑ دو۔ اس نے بلا تکلف توڑ دیا۔ پھر دو تیر دیئے اور اس نے انہیں بھی توڑ دیا۔ پھر تین دیئے اور وہ انہیں ذرا مشکل سے توڑ سکا۔ جب نوبت چار پر پہنچی تو سارا زور لگانے کے باوجود انہیں نہ توڑ سکا۔ اس پر طغرل نے کہا کہ ہماری بھی ایسی ہی مثال ہے۔ اگر ہم جدا جدا ہوں گے تو دشمن ایک ایک پر حملہ کرے گا اور بآسانی توڑ کر رکھ دے گا، اور اگر ہم ملے رہیں گے تو کسی طاقتور سے طاقتور دشمن کو بھی ہم پر حملہ کرنے کی مجال نہ ہو گی، اور جو کوئی حملہ کرے گا وہ خود ٹوٹ کر رہ جائے گا۔[2]

[1] بیہقی، ص ۷۸۷-۷۸۸-ابن اثیر، ج ۹ ص ۲۰۱-ابوالفداء، ج ۲ ص ۱۶۴-

[2] راحۃ الصدور، ص ۱۰۲-تاریخ گزیدہ جلد اول ص ۴۳۶-۴۳۷-قدیم تاریخوں میں اس قسم کی حکایات بکثرت بیان کی جاتی ہیں اور ایک ایک قصہ بسا اوقات متعدد لوگوں کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ حکایت بھی تاریخ جہاں کشائی میں چنگیز خاں کی طرف منسوب ہے۔ لیکن اگر یہ واقعہ دونوں جگہ پیش آیا ہو تو کچھ زیادہ مستبعد بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اس قسم کی حکمت کی باتیں تمثیلی پیرایہ میں بیان کرنا مشرقی ذہنیت سے خاص مناسبت رکھتا ہے۔

میر خوند کا بیان ہے کہ اس جنگ میں لشکرِ مسعودی کے ایک ہزار افسر سلجوقیوں کے ہاتھ گرفتار ہوئے تھے جن کو انہوں نے مہربانی کے ساتھ رہا کر دیا اور اپنے پاس سے گھوڑے، کپڑے، اور زادِ راہ دے کر وطن واپس جانے کی اجازت دے دی[1]۔

خلیفہ کے نام عرضداشت

اسی جنگ کے بعد سلجوقیوں نے خلیفہ قائم بامر اللہ کی خدمت میں ایک عرضداشت بھیجی جس کا مضمون ابن الراوندی نے اس طرح نقل کیا ہے:

"ہم بندگانِ آلِ سلجوق ایک ایسا گروہ ہیں جو ہمیشہ دولت (عباسیہ) اور حضرتِ مقدسِ نبوی کا مطیع و ہوا خواہ رہا ہے۔ ہم غزو و جہاد میں مشغول، اور دوران حج و زیارت کا فریضہ ادا کرتا رہا ہے۔ ہمارا ایک چچا اسرائیل بن سلجوق نامی تھا، جو ہمارے درمیان بزرگ و محترم تھا۔ یمین الدولہ محمود بن سبکتگین نے اس کو بے جرم و گناہ گرفتار کر کے ہندوستان کے قلعہ کالنجر میں بھیج دیا اور سات سال قید میں رکھا۔ یہاں تک کہ وہیں اس کا انتقال ہوا۔ ہمارے دوسرے ساتھیوں اور رشتہ داروں کو بھی اس نے قلعوں میں قید رکھا۔ جب محمود کا انتقال ہوا اور اس کی جگہ مسعود تخت پر بیٹھا تو اس نے

ل روضۃ الصفا ج ۴ ص ۹۴۔ ابن اثیر نے اسیرانِ جنگ کی تعداد تو نہیں بتائی، مگر وہ بھی ان کی تصدیق کرتا ہے۔

ملکی مصالح کی طرف توجہ نہ کی اور لہو و لعب اور تماشوں میں مشغول رہا۔ ناچار اعیان و مشاہیرِ خراسان نے ہم سے درخواست کی کہ ہم ان کی نگہداشت کا کام اپنے ذمے لیں۔ اس کے لشکر نے ہمارا مقابلہ کیا۔ کچھ مدت تک ہمارے درمیان ہجوم و رجعت اور شکست و فتح کا معاملہ رہا۔ بالآخر کار خوش قسمتی نے منہ دکھایا اور مسعود نے آخری مرتبہ بذاتِ خود ہمارے مقابلہ پر آ کر شکست کھائی۔ خدائے عزوجل کی مدد اور حضرتِ مقدس مطہر نبوی کے اقبال سے ہمارا ہاتھ غالب ہوا۔ مسعود شکستہ و خاکسار، بائیں نگونسار پیٹھ پھیر گیا اور سلطنت ہمارے ہاتھ چھوڑ گیا۔ اس بخشش و نصرت کا شکر و سپاس بجا لانا ہم نے عدل و انصاف کا مقتضیٰ سمجھا، اور بیداد و جور کے راستے سے کنارہ کش ہو گئے۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ یہ کام دین کے طریقے اور امیر المومنین کے فرمان کے مطابق چلے[1]۔"

یہ خط ابو اسحاق فقاعی کے ہاتھ بھیجا گیا تھا جس کے متعلق عماد کاتب کہتا ہے کہ "وہ ایک وجیہ اور خوش بیان شخص تھا"۔ اس سفارت کے متعلق ہمیں اور کچھ تفصیل معلوم نہیں ہوئی کہ اس کا کیا انجام ہوا، مگر یہ بات کہ

ل راحۃ الصدور، ص ۱۰۳-۱۰۴۔ زبدۃ النصرہ (ص ۸) میں بھی اس خط کا خلاصہ دیا گیا ہے۔

سلجوقیوں نے اسے جنگ دندانقان کی فتح سے متصل ہی بھیجا تھا، جو یہ ثابت کرتی ہے کہ
یہ بوڑھے ترکمان اس ملک کی سیاست کو سمجھتے تھے، اور انہوں نے محسوس
کر لیا تھا کہ اگر انہوں نے امیر المؤمنین سے ملک کی فرمانروائی کا پروانہ حاصل کیے
بغیر محض عسکری فتح حاصل کر لینے سے دارالاسلام کے منصب پر اپنا تسلط
کرنا چاہا تو عوام انہیں فرمانروا تسلیم نہ کریں گے۔

ملک کی تقسیم

چونکہ اس ملک کو تین سلجوقی سرداروں نے مل کر فتح کیا تھا، اس لیے
تکمیل فتح کے بعد انہوں نے مناسب سمجھا کہ ملک کو باہم تقسیم کر لیں اور ہر
سردار کے لیے مفتوحہ علاقوں میں سے ایک حصہ مخصوص کر کے اس کی آئندہ
فتوحات کے لیے بھی ایک سمت متعین کر دی جائے۔ چنانچہ اس تجویز کے مطابق
چغری بیگ داؤد کے حصے میں خراسان کا بیشتر بالائی علاقہ آیا جس کا دارالحکومت
مرو تھا اور شرق و شمال کے علاقے اس کی جنگی سرگرمیوں کے لیے مخصوص کر
دیئے گئے۔ موسیٰ بیغو کے حصے میں بست، ہرات، جنوبی قہستان اور سیستان کے
نواحی آئے۔ اور طغرل بیگ کے لیے نیشاپور، جبال، کرمان، قہستان، فارس،
عراق اور اس جانب کے تمام علاقے چھوڑ دیئے گئے[1]۔

---

[1] راحۃ الصدور ص ۱۰۴، زبدۃ النصرۃ ص ۸، تاریخ گزیدہ ج ۱ ص ۴۳۴،
روضۃ الصفا ج ۴ ص ۹۲، ابن اثیر ج ۹ ص ۴۸۴۔ اس تقسیم کے بارے میں تمام
ماخذ کے درمیان تھوڑا تھوڑا اختلاف ہے، مگر میں نے سب کے بیانات سے اکٹھا کر کے

بلخ کی فتح

ان انتظامات کے بعد چغری بیگ داؤد نے جس کے حصے میں خراسان کا
شرقی و شمالی علاقہ آیا تھا، شوال ۴۳۱ھ کے اواخر میں مرو سے نکل کر
بلخ پر حملہ کیا۔ وہاں غزنوی حاکم تھوڑی سی فوج کے ساتھ موجود تھا۔ اس نے
قلعہ بند ہو کر مدافعت شروع کی اور سلطان مسعود کو امداد کے لیے عریضہ
بھیجا۔ سلطان مسعود کے لیے یہ آخری موقع تھا کہ وہ خراسان کے بچے کچھے
علاقے کی حفاظت اور اپنی سلطنت کی اکھڑی ہوئی ہوا کو پھر باندھنے کی کوشش
کرتا۔ سلطنت کے مدبروں نے پھر اس کو مشورہ دیا کہ ایک زبردست فوج
لے کر خود بلخ کی حمایت کے لیے جائے کیونکہ اس کے نکل جانے سے صرف
طخارستان و بدخشان ہی کے ہاتھ سے چلے جانے کا خطرہ نہ تھا بلکہ یہ اندیشہ
بھی تھا کہ ماوراء النہر اور ترکستان میں غزنویوں کا جو کچھ اثر باقی ہے اس کا
بھی ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائے گا۔ مگر مسعود نے اس مشورہ پر عمل نہ کیا اور ایک
سپہ سالار کی قیادت میں تھوڑی سی فوج بھیج دی جو سلجوقیوں کے مقابلہ میں شکست
کھا کر منتشر ہو گئی اور بلخ کی محصور فوج کی کوئی امداد نہ کر سکی۔ محرم ۴۳۲ھ / ۱۰۴۰ء میں
اس امدادی فوج کا حشر سن کر سلطان مسعود کے حواس باختہ ہو گئے۔ اس نے
شہزادہ مودود کو وزیر اعظم خواجہ احمد عبدالصمد کے ہمراہ ایک فوج گراں کے
ساتھ بلخ کی طرف بھیجا اور خود ہندوستان کی طرف بھاگنے کا تہیہ کر لیا۔ اس کے

یہ متفقہ صورت اخذ کی ہے جو تمام تاریخی قرائن سے مطابقت رکھتی ہے۔

دل میں سلجوقیوں کی اتنی ہیبت بیٹھی ہوئی تھی کہ وہ بلخ تو درکنار خود غزنین کو بھی ان کے
مقابلے میں غیر محفوظ سمجھتا تھا اور اسے ہر وقت کھٹکا لگا ہوا تھا کہ وہ نہ معلوم
کب اس کے دار السلطنت پر حملہ کر کے نصف صدی سے زیادہ مدت کی جمع کی
ہوئی دولت لوٹ لے جائیں۔ چنانچہ اس نے آخری مرتبہ غزنین کا تلطف
اٹھانے کے لیے پانچ چھ روز تک شراب نوشی کی محفل منعقد کی جس کی بدمستیوں
کا چشم دید نقشہ بیہقی نے اپنی تاریخ میں کھینچا ہے۔ پھر تمام زر و جواہر اور مال و
اسباب کے خزانے جمع کر کے باندھنے کا حکم دیا اور محلات کی خواتین کو کہلا
بھیجا کہ اپنا سب سامان باندھ لو اور غزنین میں کوئی چیز ایسی نہ چھوڑو جس میں
تمہارا دل مشغول رہے۔ سلطان کی والدہ نے اس عزم سے روکنے کی کوشش
کی تو اسے جواب دیا کہ جو کوئی دشمن کے ہاتھ گرفتار ہونا چاہتا ہو وہ شوق
سے غزنین میں ٹھہرا رہے۔ وزیر اعظم نے جو بلخ کی مہم پر جا چکا تھا یہ حال
سنا تو گھبرا کر لکھا کہ اس طرح ہندوستان کی طرف جانے سے رہی سہی آبرو
بھی جاتی رہے گی اور جو ملک بچ گیا ہے وہ بھی ہاتھ سے نکل جائے گا مگر
مسعود نے کہا کہ بڈھے کی عقل سٹھیا گئی ہے میں نے جو تدبیر سوچی ہے وہی
درست ہے۔ آخر کار سب خاموش ہو گئے اور ربیع الاول ۴۳۲ھ میں وہ
ہندوستان کی طرف روانہ ہو گیا[2]۔ راستے میں زر و جواہر کی کثرت دیکھ کر

---

[1] بیہقی ص [illegible]۔ زین الاخبار ص [illegible]۔ ابن الاثیر ج ۹ ص [illegible]
[2] مورخوں [illegible] نے مسعود کے ہندوستان جانے کی یہ توجیہ کی ہے کہ

سپاہیوں کے منہ میں پانی بھر آیا، ایسی زبردست دولت کو اپنے سامنے گدھوں
اور اونٹوں پر لدے ہوئے دیکھ کر ضبط کرنا اُن کے لیئے مشکل تھا۔ ناچار سب یکبارگی
خزانے پر ٹوٹ پڑے اور سب کچھ لوٹ لیا۔ پھر اس خیال سے کہ سلطان مسعود
اس قصور کو ہرگز معاف نہ کرے گا، انہوں نے سلطان کے بھائی امیر محمدؐ کو جو
ساتھ ساتھ مقید چلا آرہا تھا، رہا کر کے اپنا بادشاہ بنا لیا اور سلطان مسعود کو
رباط ماری گلہ میں محصور کر لیا۔ مسعودؔ میں مقابلہ کی تاب نہ تھی، چھوٹی سی جمعیت
سے مدافعت کرتا رہا۔ آخر ۱۵ ربیع الآخر کو اس نے اپنے بھائی کی اطاعت
قبول کر لی جس نے عزت کے ساتھ اسے لیا، اور اہل وعیال سمیت ایک قلعہ[1]
میں قید کر دیا۔ مگر جو لوگ مسعود کے دشمن تھے انہوں نے امیر محمد کے بیٹے امیر احمد
کے ساتھ سازش کی اور ۱۱ جمادی الاولیٰ ۴۳۲ھ کو اسے محمدؐ کی اجازت کے
بغیر قتل کرا دیا[2]۔

۲۰۔ اس کے باپ کے زمانہ سے یہ دستور تھا کہ جاڑے کا موسم ہندوستان میں گزارتا تھا
نیز یہ کہ وہ ہندوستان سے فوج جمع کر کے لانا چاہتا تھا۔ مگر بیہقی نے تمام حالات پوست
کندہ لکھ دیئے ہیں جن کی تفصیلات پڑھ کر معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ سلجوقیوں کے خوف
سے سخت ہراساں ہو کر بھاگا تھا۔

[1] گردیزی اس قلعہ کا نام کسری لکھتا ہے۔ ابن اثیر کیکی بتاتا ہے اور ابوالفدا
کیدی۔ مگر بیہقی نے گیری لکھا ہے۔

[2] زین الاخبار ص ۱۰۹-۱۱۰، ابن الاثیر ج ۹ ص ۲۱۲، ابوالفداء ج ۲ ص ۱۶۴۔

ان واقعات کا اثر یہ ہوا کہ بلخ کو بچانے کے لیے جو فوج بھیجی گئی تھی وہ شکستہ خاطر ہو گئی، امیر مودود باپ کے قتل اور چچا کے استیلا کی خبر سن کر مضطربانہ وطن کی طرف واپس ہوا، اور اہلِ بلخ نے چغری بک داؤد کی اطاعت قبول کر لی[1]۔

تھوڑی مدت کی خانہ جنگی کے بعد جب امیر مودود اپنے چچا محمد کو قتل کر کے غزنین کے تخت پر بیٹھا تو اس نے دیکھا کہ بساط بالکل الٹ چکی ہے اور خراسان کے ساتھ طخارستان اور سیستان کا بھی ایک بہت بڑا حصّہ ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ اس نقصان کی تلافی کے لیے پہلے اس نے خود کوشش کی اور ۴۳۵ھ میں ایک فوجِ گراں سے خراسان پر حملہ کیا، مگر داؤد کے بیٹے الپ ارسلان کی ایک ہی ضرب نے اس فوج کو شکست دے کر منتشر کر دیا[2]۔ پھر اس نے دوسروں کی طرف استعانت کا ہاتھ بڑھایا اور ہمسایہ ریاستوں سے وعدے کیے کہ انہوں نے سلجوقیوں کے خلاف اس کا ساتھ دیا تو وہ خراسان کے اضلاع میں سے ان کو حصّہ دے گا۔ چنانچہ اس اطلاع سے متاثر ہو کر امیر ابو کالیجار کرشاسف بن علاؤالدولہ صاحب اصفہان نے مغرب سے اور خاقانِ ترک نے شمال مشرق سے خراسان پر حملہ کیا اور خود مودود کی طرف سے عبدالرزاق بن احمد میمندی سیستان پر بڑھا۔ مگر اصفہان کی فوج مفازۂ خراسان میں ہلاک ہو گئی،

---

[1] ابن الاثیر، ج ۹، ص ۲۰۱۔ روضۃ الصفا، ج ۴، ص ۹۴۔

[2] ابن اثیر، ج ۹، ص ۲۱۵۔۲۱۶۔

خاقانِ ترک کی فوجیں ترمذ تک لوٹ مار کر کے واپس چلی گئیں، اور عبدالرزاق سیستان میں کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکا[1]۔ سلجوقیوں کے خلاف غزنویوں کی یہ آخری کوششیں تھیں جن کی ناکامی کے بعد ان دونوں سلطنتوں میں عملاً جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کے چند سال بعد جب سلطان ابراہیم بن مسعود تخت نشین ہوا تو اس نے ۴۵۱ھ/۱۰۶۰ء میں داؤد سلجوقی سے اس شرط پر دائمی صلح کر لی کہ دونوں سلطنتیں اپنے اپنے مقبوضات پر قابض رہیں اور ایک دوسرے پر تعدّی سے احتراز کریں[2]۔

خوارزم کی تسخیر

بلخ کی فتح کے ساتھ غزنوی خطرہ بھی قریب قریب ہمیشہ کے لیے فرو ہو چکا تھا۔ اس لیے چغری بک نے بلخ سے آگے بڑھ کر جیحون کے ساحل پر ڈیرے ڈال دیئے اور خوارزم کی طرف نظریں جمائیں۔ اس ریاست کے سیاسی حالات بیرونی حملے کی کامیابی کے لیے پیش گوئی کر رہے تھے۔ خوارزم شاہ التونتاش کی وفات کے بعد وہاں جو انقلاب رونما ہوئے ان کی طرف تھوڑا سا اشارہ ہم گذشتہ باب میں کر چکے ہیں۔ التونتاش کے جانشین ہارون نے دولتِ غزنویہ کے خلاف بغاوت کر کے سلجوقیوں سے سازباز کر لیا تھا اور ماوراء النہر کے دوسرے اُمراء کے ساتھ مل کر خراسان کو فتح کرنا چاہا تھا۔ مگر جمادی الاُخری ۴۲۶ھ

---

[1] ابن اثیر، ج ۹، ص ۲۳۲۔

[2] ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۲

میں غزنوی رزیڈنٹ عبدالجبار کی سازش سے وہ مارا گیا اور اس کی جگہ اس کا بھائی اسماعیل خنداں مسند نشین ہُوا۔ اسماعیل نے عبدالجبار سے بھائی کا انتقام لیا اور اسے قتل کر کے غزنوی سیادت سے کلیتہً آزادی حاصل کر لی۔ اس زمانہ میں سلجوقیوں کے مسئلے نے دولتِ غزنویہ کو اس قدر پریشان کر رکھا تھا کہ وہ خوارزم کی طرف توجہ نہ کر سکی اور چند سال تک یہ ریاست بالکل آزاد رہی۔ مگر جب سلطان مسعود سلجوقیوں سے شکست کھا کر غزنیں واپس آیا تو اسے یہ تدبیر سوجھی کہ شاہ مَلِک کو جو سلجوقیوں کا پرانا دشمن تھا، اسماعیل کے خلاف اُبھارا جائے اور خوارزم کی حکومت کا پروانہ دے کر اس سے نہ صرف خاندان التونتاش کا استیصال کرا دیا جائے، بلکہ بعد میں سلجوقیوں کے خلاف بھی اس کو استعمال کیا جائے۔ چنانچہ غزنیں سے شاہ ملک کے نام حکومتِ خوارزم کا پروانہ بھیج دیا گیا اور اسے لکھا گیا کہ تم اس ملک کے جائز فرماں روا ہو تمہیں حق ہے کہ اسماعیل کو بے دخل کر کے خود اپنی حکومت وہاں قائم کر لو۔ شاہ ملک نے اس فرمان کی بنا پر جمادی الاُخریٰ ۴۳۲ھ میں خوارزم پر حملہ کر دیا۔ اسماعیل خنداں اور اس کے وزیر شکر خادم نے جم کر مقابلہ کیا۔ تین شبانہ روز جنگ جاری رہی۔ آخر کار شاہ ملک غالب آیا اور شہر فتح کر کے اس نے سلطان مسعود کا خطبہ جاری کر دیا، حالانکہ اس وقت بیچارے مسعود کو قتل

---

[1] گزشتہ باب میں ان معاملات کا ذکر ہو چکا ہے جو شاہ ملک اور سلجوقیوں کے درمیان گزرے تھے۔

ہوئے بھی کئی ہفتے گزر چکے تھے۔ ادھر اسماعیل اور شکر خادم بھاگ کر سلجوقیوں کے پاس پناہ لینے آ گئے۔ یہاں پہلے ہی داؤد جیحون کے کنارے بیٹھا خوارزم کے حالات کا بغور مطالعہ کر رہا تھا۔ اس نے ان دونوں کا خیر مقدم کیا اور ان کی حمایت کا ذمہ لے کر خوارزم پر چڑھائی کر دی۔ مگر شاہ مَلِک نے اس قدر سخت مقابلہ کیا کہ آخر کار اسے پسپا ہونا پڑا۔

خوارزم کی پہلی مہم سے واپس آ کر داؤد نے پُوری قوت کے ساتھ جنگ کی تیاری کی اور طغرل بیگ کو بھی دعوت دی کہ وہ اس ملک کی تسخیر میں شریک ہو۔ چنانچہ دوبارہ ۴۳۴ھ / ۱۰۴۲ء میں دونوں نے مل کر خوارزم پر حملہ کیا۔ شاہ ملک نے اس مرتبہ بھی سخت مدافعت کی، مگر سلجوقیوں کی جنگی چالوں نے بالآخر کار فتح پائی اور شاہ ملک کو ان کے ہاتھ ملک چھوڑ کر بھاگ جانا پڑا[1]۔ یہ جنگ ابتداءً اسماعیل خنداں اور شکر خادم کی حمایت میں چھیڑی گئی تھی، بعد میں ان دونوں سے کسی بات پر جھگڑا ہو گیا اور سلجوقیوں نے انہیں الگ کر کے خوارزم کو خود اپنے لیے فتح کیا[2]۔

چغری بیگ کے متعلق یہ آخری اطلاعات ہیں جو ہم کو تاریخوں میں ملتی ہیں۔ اس کے بعد اب ہم طغرل بیگ کے کارناموں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

---

[1] ابن الاثیر، ج ۹، ص ۲۱۰-۲۱۱۔ بیہقی، ص ۸۵۳-۸۶۷۔ روضۃ الصفا، ج ۴، ص ۹۴۔

[2] بیہقی، ص ۸۶۷۔

رَے، ہمدان، جُرجان اور طَبرِستان کی فتح

اُوپر بیان ہو چکا ہے کہ فتح دندانقان کے بعد سلجوقی اُمراء کے درمیان ممالک کی جو تقسیم ہوتی تھی اس کی رُو سے نیشا پُور اور اس کے مغرب کا سارا علاقہ طغرل کے حصہ میں آیا تھا۔ اس نے نیشا پُور آکر پہلے اندرونی انتظامات درست کیے پھر اپنے بھائی ابراہیم اینال کو فوج دے کر جبال کی طرف بھیجا جہاں اس نے بنو کاکُویہ سے رَے اور ہمدان کے علاقے فتح کر لیے۔ دوسری طرف خود طغرل نے جُرجان و طبرستان کا رُخ کیا جہاں اَنُوشیرداں بن مَنُوچہر بن قابُوس[1] بن وشمگیر، اور اس کے سالارِ لشکر ابو کالیجار بن دیہان القوُہی کے درمیان مخالفت ہو گئی تھی۔ طغرل نے اس خانہ جنگی سے فائدہ اٹھایا اور بلا ادنیٰ مشقت دونوں صوبوں پر قبضہ کر لیا۔ اہلِ ملک نے ایک لاکھ دینار دے کر جان و مال کی امان حاصل کی، مرداویج بن بَشُوان[2] تمام علاقوں کا گورنر مقرر کیا گیا، ۵۰ ہزار دینار سالانہ خراج لگایا گیا، اور طغرل بک کا خطبہ ان علاقوں میں جاری ہو گیا۔[3]

یہ ۴۳۳ھ/۱۰۴۱ء اور ۴۳۴ھ/۱۰۴۲ء کے واقعات ہیں۔

---

[1] قابوس بن وشمگیر سامانیوں کی طرف سے جُرجان کا والی تھا۔ یہ ولایت سلجوقیوں کے تسلط تک اس کے خاندان میں رہی اور وہ خود مختارانہ شان کے ساتھ اس پر قابض رہا۔

[2] ابن اثیر نے بعض جگہ اس کو لشتو بھی لکھا ہے، مگر صحیح تلفظ بَشتُو ہے۔

[3] ابن اثیر، ج ۹، ص ۲۰۷-۲۱۱- ابو الفداء، ج ۲، ص ۱۶۵- زبدۃ النصرہ، ص ۸-۹۔

جبال کی فتح

طبرستان و جُرجان کی فتح کے بعد طغرل شمال کی طرف چلا گیا جہاں اُس نے خوارزم کی دوسری مہم میں داؤد کی اعانت کی جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ وہاں سے واپس ہو کر ۴۳۴ھ میں سیستان، جرجان اور طبرستان ہوتا ہوا رَے[1] آیا اور ابراہیم کو بجستان کی طرف بھیج کر عراق عجم کی کمان خود اپنے ہاتھ میں لے لی۔ یہاں اُس نے سب سے پہلے رَے کو دوبارہ تعمیر کرایا، کیونکہ وہ لڑائیوں میں برباد ہو گیا تھا۔ دورانِ تعمیر میں دارالامارہ (گورنمنٹ ہاؤس) سے سونے کی جڑاؤ کشتیاں اور چینی کی دو مُرتبان، جو قیمتی جواہر سے پُر تھیں اس کے ہاتھ آئیں، اور دوسری قسم کا بھی بہت کچھ مال نکلا۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے توسیع مملکت کی طرف توجہ کی۔ قزوین کے حملے میں ۸۰ ہزار دینار مالِ امان ہاتھ آیا، اور وہاں کے حاکم کامرو نے ۲۷ ہزار دینار سالانہ خراج اور تحائف و ہدایا بھیجے۔ اصفہان کے حاکم فرامرز بن علاؤ الدولہ بن کاکویہ نے یہ دیکھ کر کہ اب کہیں طغرل اِدھر کا قصد نہ کرے خود بہت سا مال پیش کر کے سلامتی حاصل کر لی جو کچھ زیادہ مدت تک قائم رہنے والی نہ تھی۔[2] اس طرح ایک سال کے اندر الجبال کے سارے علاقے پر اس کی حکومت قائم ہو گئی اور اصفہان اس کے زیر اثر آگیا۔

دولتِ بُویہیہ سے مسالمت

اب طغرل کے حدود سلطنت دولتِ بُویہیہ کے حدود سے جا ملے تھے اور اس

---

[1] موجودہ طہران

[2] ابن اثیر، ج ۹، ص ۲۱۲۔

اولوالعزم فاتح کی مملکت سے اتصالِ حدود کے صاف معنی یہ تھے کہ آج یا کل دونوں کا تصادم ضرور ہوگا۔ اس لیے خلیفہ قائم بامر اللہ نے اس معاملہ میں مداخلت کی اور اقضی القضاۃ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی کو سلطان طغرل کے پاس بھیجا تاکہ وہ اپنے توسط سے دولت آلِ بُویہ اور دولتِ آلِ سلجوق کے درمیان باہمی صلح و مسالمت کا ایک سمجھوتہ کرا دیں۔ اس وقت طغرل جرجان میں تھا۔ جب قاضی القضاۃ جرجان کے قریب پہنچے تو طغرل بک نے چار فرسنگ تک جا کر ان کا استقبال کیا، بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ ان سے پیش آیا، اور خلیفہ کی فرمانبرداری و اطاعتِ امر کا اقرار کیا[1]۔ یہ سفارت ۴۳۵ھ میں گئی تھی[2]۔ جب آلِ بُویہ کا فرمانروا جلال الدولہ زندہ تھا، مفاوضاتِ صلح کے دوران میں اس کا انتقال ہو گیا اور سفارت کا کام ۴۳۶ھ میں اس وقت ختم ہوا جب ابوکالیجار، جلال الدولہ کا جانشین ہو چکا تھا۔ ابن اثیر نے اس کی کوئی تصریح نہیں کی کہ طغرل نے کسی معاہدہ صلح و مسالمت پر دستخط کیے تھے یا نہیں، تاہم قرینہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ رسمی طور پر ایسا کوئی معاہدہ دونوں ہمسایہ سلطنتوں میں ضرور ہوا تھا جو زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا۔ گو خود ابوکالیجار نے براہِ راست سلجوقیوں سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی، مگر دونوں کی سرحدوں پر جو چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں

---

[1] ابن اثیر ج ۹، ص ۲۱۵-۲۱۶۔ ابن خلکان نے بھی طغرل کے حالات میں اس کا ذکر کیا ہے

[2] ایک دوسری جگہ ابن اثیر اور عماد کاتب دونوں نے خود قاضی ابوالحسن کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ وہ ۴۳۴ھ میں گئے تھے (ابن اثیر ج ۱۰، ص ۱۱۔ زبدۃ النصرۃ ص ۱۲۰)

انہوں نے کبھی اس طرف اور کبھی اُس طرف اظہارِ اطاعت و انقیاد کر کرکے آخرکار دونوں میں تصادم کرا دیا۔ ۴۳۶ھ میں جبال کے ایک رئیس کرشاسف بن علاء الدولہ نے ہمدان پر حملہ کیا اور طغرل کے عُمّال کو وہاں سے نکال کر ابوکالیجار کا خطبہ جاری کر دیا۔ اس کی سرکوبی کے لیے طغرل نے ۴۳۷ھ (۱۰۴۵ء) کی ابتدا میں ابراہیم اینال کو مامور کیا جس نے کرمان کی طرف سے بڑھ کر کرشاسف پر حملہ کیا اور ہمدان فتح کرنے کے بعد دینور، قرمیسین، حُلوان، اور سیروان ایک ایک کرکے سب اس سے چھین لیے[1]۔

محرم ۴۳۷ھ میں اصفہان کے رئیس ابومنصور فرامرز بن علاء الدولہ نے بھی طغرل کی اطاعت سے انحراف کرکے ابوکالیجار کی اطاعت اختیار کر لی۔ وہ ابوکالیجار کو چھوڑ کر سلجوقیوں کے پاس اس امید پر گیا تھا کہ اس نوخیز سلطنت میں اس کی کچھ زیادہ آؤ بھگت ہوگی۔ جب یہ خواہش پوری نہ ہوئی تو پھر اپنے پہلے آقا کے آستانے پر پہنچ گیا[2]۔ مگر دوسرے ہی سال طغرل نے ایک زبردست فوج کے ساتھ پیش قدمی کرکے اصفہان کا محاصرہ کر لیا، اور ناچار اسے دوبارہ ابوکالیجار کو چھوڑ کر اپنی وفاداری کا مرجع طغرل کو بنانا پڑا[3]۔

۴۳۸ھ (۱۰۴۶ء) میں کردستان کے رئیس ابوالشوک کی وفات کے بعد اس کا بھائی مُہَلہِل بن محمد اُن علاقوں پر حملہ آور ہوا جو ۴۳۷ھ میں ابراہیم اینال نے فتح کر

---

[1] ابن اثیر ج ۹، ص ۲۱۹-۲۲۰۔

[2] ابن اثیر ج ۹، ص ۲۲۰

[3] ابن اثیر ج ۹، ص ۲۲۲

لیے حلوان، ماہیدشت، دینور اور قرمیسین میں طغرل کی طرف سے جو محافظ فوجیں
متعین تھیں ان کو مار کر نکال دیا۔ اور سلجوقی اقتدار سے کردستان کو آزاد کرانے کی ٹھان
لی۔ اس کے جواب میں سلجوقیوں نے ابوالشوک کے بیٹے سعدی کو اپنی حمایت میں
لے کر اعلان کیا کہ اس کے باپ کا ملک اس کو دلوا دیں گے۔ اس طرح حکمت عملی سے
خود کردوں کی ایک معتدبہ جماعت، جو ابوالشوک اور اس کی اولاد سے ہمدردی رکھتی
تھی، سلجوقیوں کی مؤید ہو گئی، اور انہوں نے سلجوقی فوجوں کے ساتھ مل کر ربیع الاول
میں مہلہل کے خلاف جنگ چھیڑ دی، نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی مہینے کے اندر کردستان
کا سارا علاقہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا اور اسے شہر زور کے قلعے میں پناہ لینی پڑی۔
ابوکالیجار اور اس کے وزراء نے عین عراق کے سر پر سلجوقیوں کی یہ دراز دستی دیکھی
تو سرحد پر فوجوں کے اجتماع کا حکم دے دیا اور یہاں تک عزم کر لیا کہ ضرورت ہو
تو مہلہل کی اعانت میں بھی دریغ نہ کیا جائے۔ مگر اس کی نوبت نہ آئی[1]۔ اور دوسرے
سال یہ معاملہ اس طرح الٹا کہ سعدی نے سلجوقیوں سے بگڑ کر پھر ابوکالیجار کی
اطاعت قبول کر لی[2]۔

صلح کی تجدید

ان پیہم واقعات نے پھر یہ خطرہ پیدا کر دیا کہ کہیں ان دو بڑی ہمسایہ
سلطنتوں میں اس سرحدی اضطراب کی بدولت تصادم نہ ہو جائے۔ چنانچہ

---

[1] ابن اثیر، ج ۹، ص ۲۲۱-۲۲۲۔

[2] ابن اثیر، ج ۹، ص ۲۲۳۔

اس مرتبہ خود ابوکالیجار نے صلح کی سلسلہ جنبانی کی اور ۴۳۹ھ/۱۰۴۷ء میں سلطان طغرل کے
پاس ایک سفارت بھیجی جس کی کوششوں سے دونوں سلطنتوں کے درمیان مسائل
متنازع فیہ کا تصفیہ ہو گیا۔ اس تصفیہ کے مطابق طغرل بک نے اپنے سالار لشکر
ابراہیم اینال کو احکام بھیج دیئے کہ جو ملک تمہارے قبضہ میں آچکا ہے اس
پر قابض رہو اور جو تمہارے قبضہ سے باہر ہے اس کی طرف ہاتھ نہ بڑھاؤ۔

اس صلح کو زیادہ مستحکم بنانے کے لیے یہ بھی طے ہوا کہ دونوں فرماں روا خاندانوں
کے درمیان رشتہ پیدا کر دیا جائے۔ چنانچہ ربیع الآخر ۴۳۹ھ میں ابوکالیجار کی بیٹی
سے طغرل بک کی، اور داؤد کی بیٹی سے ابوکالیجار کے بیٹے ابومنصور کی شادی ہو
گئی[1]۔ اس رشتۂ مصاہرت سے اتنا فائدہ تو ضرور ہوا کہ باہم دونوں خاندان
قریب تر ہو گئے، مگر سیاسی پیچیدگیاں اس سے بالکل رفع نہیں ہوئیں۔ اسی سال
رجب میں سلجوقی فوجیں سعدی بن ابی الشوک پر حملہ آور ہوئیں، کیونکہ اس نے
ان کی اطاعت چھوڑ کر ابوکالیجار کی اطاعت اختیار کر لی تھی۔ باجسری کے
قریب سعدی کو سخت شکست ہوئی جس میں اس کی فوج کا بڑا حصہ ہلاک ہو
گیا، اس کا سارا مال اسباب لوٹ لیا گیا، خود سعدی بمشکل جان بچا کر بھاگا،
اور سلجوقی فوجوں نے دسکرہ، باجسری، ہارونیہ، قصر سابور اور اس طرف کے
تمام دوسرے اضلاع میں، جو عین بغداد کے سر پر واقع تھے، لوٹ مار کا بازار
گرم کر دیا۔ ان حوادث سے بغداد میں ایک کھلبلی مچ گئی اور اس اندیشے سے کہ

---

[1] ابن اثیر، ج ۹، ص ۲۲۲

کہیں یہ سیلاب خود دارالخلافے تک نہ پہنچ جائے، بُویہی سلطنت نے مدافعت
کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اگرچہ اس وقت تک سلجوقیوں کے دل میں بغداد پر پیش
قدمی کرنے کی کوئی نیت نہ تھی، اس لیے دونوں سلطنتوں میں کوئی بڑا اور فیصلہ
کن تصادم تو نہ ہو سکا، لیکن ظاہر ہے کہ سلجوقی فوجوں کی یہ ساری چیرہ دستیاں
بُویہی علاقے میں ہو رہی تھیں اور اس صریح تجاوز کو کوئی سلطنت گوارا نہیں کر سکتی
تھی، اس لیے ابو کالیجار نے خود آمد جا کر فوجیں جمع کیں اور سلجوقیوں پر حملہ کر کے ان
کو اپنے علاقے سے نکالنے کی کوشش کی۔ اس کے علاوہ حُلوان، اور بندنیجین پر
بھی اس کی فوجوں سے سلجوقی ترکمانوں کی دو تین لڑائیاں ہوئیں، جن میں زیادہ تر
سلجوقیوں کو کامیابی ہوئی۔ ابو کالیجار کی اس کارروائی سے طغرل بک کو بھی جنگ
کا اندیشہ ہوا اور وہ بذات خود رَے سے سرحد کی طرف روانہ ہو گیا، مگر اس
موقع پر معاملات خود بخود درست ہو گئے۔ سلجوقی فوجوں کی توجہ عراق سے ہٹ کر
بیرجان کی طرف منعطف ہو گئی جہاں سعدی بن ابی الشوک کے آدمیوں نے
اچھی خاصی طاقت بہم پہنچا لی تھی، اور اس طرح ایک بڑی جنگ کا خطرہ ٹل گیا۔[1]

اس زمانے میں ایجبال اور شمالی عراق میں سلجوقی فوجوں نے جو غارت گریاں اور
جنگی کارستانیاں کی تھیں ان سے دولتِ بُویہیہ کی رعایا میں ایک ہیجان عام پیدا
ہو گیا تھا۔ متاثرہ علاقوں کے باشندے ہزاروں کی تعداد میں بھاگ کر بغداد
آئے تھے اور انہوں نے غُز ترکمانوں کے مظالم کی ایسی داستانیں سنائی تھیں جن

[1] ابن اثیر، ج ۹، ص ۲۲۴-۲۲۵-۲۲۶

کے اثر سے بغداد اور عراق کی رائے عام ترکمانوں کے خلاف بہت مشتعل ہو گئی تھی
اور یہ امر یقینی ہو گیا تھا کہ سلجوقی اور بُویہی سلطنتوں میں اب زیادہ عرصہ تک صلح
وسلام کا قیام مشکل ہے۔[1]

روم اور ابخاز سے جنگ

سنہ ۴۴۰ھ میں ماوراءالنہر کی طرف سے غُز ترکمانوں کی ایک بہت بڑی
جماعت طغرل بک کے علاقے میں گھس آئی۔ اس قوم کے خواص کو سلجوقیوں سے
بہتر کون جان سکتا تھا۔ انہوں نے محسوس کر لیا کہ یہ جنگجو اور وحشی انبوہ جدھر
جائے گا قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دے گا۔ اس لیے انہوں نے اس
بلا کا رُخ روم کی عیسائی سلطنت کی طرف پھیر دیا۔ وہ خود بھی یہی چاہتے تھے کہ
جنگ کریں اور اموالِ غنیمت لوٹیں۔ لہٰذا آگے آگے ان کا جم غفیر اور پیچھے پیچھے
ابراہیم اینال کی قیادت میں سلجوقی لشکر بلادِ روم کی طرف روانہ ہوا۔ جبال
سے متصل آذربیجان کے علاقے کو پامال کرتے ہوئے یہ لوگ ارمینیہ میں گھس
گئے اور ملازگرد[2] کو فتح کیا جو جھیل وان کے اوپر واقع ہے۔ پھر مغربی فرات
کے کنارے اَرزن الروم کو فتح کیا اور سارے علاقہ قالیقلا کو پامال کر دیا۔
اس کے بعد وہ بلادِ روم میں گھسے اور طرابزون تک پھیلتے چلے گئے۔ سلطنت

[1] ابن اثیر، ج ۹، ص ۲۲۴۔

[2] ارمینیہ، روم، اور الجزیرہ کی سرحد پر یہ ایک نہایت اہم جنگی مقام تھا۔ اس کو
مؤرخین نے ملازکرد، ملازجرد اور منازجرد وغیرہ مختلف ناموں کے ساتھ لکھا ہے۔

روم اور ریاست اَبخاز[1] نے یہ طوفان دیکھا تو متحدہ کوشش سے پچاس ہزار کا لشکر فراہم کیا اور ان کے مقابلے میں مدافعت شروع کی۔ مگر جنگ میں غزوں کو فتح حاصل ہوئی، اور خود قاریط شاہِ اَبخاز گرفتار ہو گیا۔ اب یہ سیلاب بڑھتے بڑھتے اندرونِ بلادِ روم میں اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ قسطنطنیہ سے صرف پندرہ دن کی مسافت باقی تھی۔ آخر کار قیصرِ روم نے طغرل بک کے پاس سفراء بھیجے، جنہوں نے آ کر بیش قیمت ہدایا پیش کیے اور درخواست کی کہ دونوں سلطنتوں کے درمیان ایک معاہدہ ہو جائے۔ نیز انہوں نے نصر الدولہ بن مروان کو بیچ میں ڈال کر شاہ اَبخاز کی رہائی کے لیے بھی کوشش کی۔ طغرل نے اس موقع پر پوری دانشمندی اور سیاست فہمی سے کام لے کر ان کی دونوں درخواستوں کو قبول کر لیا۔ شاہ اَبخاز کو کسی فدیے کے بغیر رہا کر دیا، اور ۴۴۱ھ/۱۰۴۹ء میں سلطنتِ روم سے باقاعدہ معاہدہ کر لیا، جس کی رُو سے بلادِ روم میں سلجوقیوں کی پیش قدمی رُک گئی۔ قیصر نے اس کے شکریے میں قسطنطنیہ کی مسجد کو آباد کرنے کی اجازت دے دی جہاں مسلمان آزادی کے ساتھ نماز پڑھنے لگے اور طغرل بک کا خطبہ جاری ہو گیا۔[2]

اس جنگ میں سلجوقیوں کو بے شمار مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ ان کے سیاسی اثرات آذربیجان، ارمینیہ اور مغربی فرات تک پھیل گئے۔ گرجستان اور ایشیائے کوچک میں ان کی دھاک بیٹھ گئی۔ قریب کی غیر اسلامی سلطنتوں سے

---

[1] اَبخاز موجودہ گرجستان (جارجیا) کا قدیم نام ہے۔

[2] ابن اثیر، ج ۹، ص ۲۲۶-۲۲۷-۲۳۱- ابوالفداء، ج ۲، ص ۱۶۹-

ان کے سیاسی تعلقات قائم ہو گئے۔ اور اسلامی ممالک میں ان کی پچھلی غارت گری سے جو بُرے اثرات پیدا ہو گئے تھے وہ ایک حد تک اچھے اثرات سے بدل گئے۔

آلِ بُویہ میں پھوٹ

اِس دوران میں دولتِ آلِ بُویہ کے حالات اور زیادہ بگڑ گئے تھے۔ ۴۴۰ھ میں ابو کالیجار کا انتقال ہو گیا جس کے ساتھ آلِ بُویہ کی رہی سہی قوت بھی ختم ہو گئی۔ اس کے نو بیٹے تھے جن میں سے چھ اس کی وفات کے وقت جوان تھے۔ ابو نصر خسرو فیروز، ابو منصور فلاستون، ابو طالب کامرو، ابو المظفر بہرام، ابو علی کیخسرو، اور ابو سعد خسرو شاہ۔ ان میں سے مقدم الذکر ابو نصر نے جو بغداد میں تھا، فوج کو جمع کر کے اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا اور "الملک الرحیم" لقب اختیار کیا۔ دوسرے بیٹے ابو منصور فلاستون نے اس کی اطاعت قبول نہ کی اور شیراز میں خود اپنی حکومت قائم کر لی۔ ملک الرحیم نے اس کی سرکوبی کو ایک زبردست فوج بھیجی جس نے جا کر شوال میں اس کو اور اس کی ماں کو گرفتار کر لیا۔[1] مگر فارس کی دَیلمی فوجیں اسی کی طرف مائل تھیں اس لیے وہ زیادہ عرصہ تک قید نہ رہ سکا اور محرم ۴۴۱ھ میں اس نے قید سے چھوٹ کر اِصطخر، شیراز اور ارّجان وغیرہ پر قبضہ کر کے فارس کے پورے صوبے پر دوبارہ اپنا اقتدار قائم کر لیا۔[2] پھر ماہ ذلقعدہ میں اس نے آگے

---

[1] ابن اثیر، ج ۹، ص ۲۲۷- [2] ابن اثیر، ج ۹ ص ۲۳۰-۲۳۱-

بڑھ کر خوزستان پر حملہ کیا۔ وادی الملح پر ملک الرحیم سے اس کا مقابلہ ہوا جس میں ملک الرحیم کو شکست ہوئی، اور رامہرمز پر فلاستون کا علم نصب ہو گیا[1]۔ اس طرح آل بویہ کی سلطنت دو ٹکڑوں میں منقسم ہو گئی۔ فارس ابو منصور فلاستون کے ہاتھ آیا، عراق جس میں بصرہ اور واسط کے اعمال بھی شامل تھے ملک الرحیم کے قبضہ میں رہا، اور خوزستان دونوں کے درمیان خانہ جنگی کا میدان بن گیا۔

اصفہان کی فتح

ان حالات سے فائدہ اٹھا کر محرم ۴۴۲ھ / ۱۰۵۰ء میں طغرل بک نے ان سرحدی ریاستوں میں سے ایک کا خاتمہ کر دیا جو دولت بویہیہ اور دولت آل سلجوق کے درمیان حائل تھیں اور دونوں سلطنتوں کے ساتھ وفا اور غدر کا کھیل کھیل رہی تھیں۔ یہ اصفہان کی ریاست تھی۔ یوں تو اس کا طرزِ عمل پہلے ہی مشتبہ تھا۔ کبھی وہ آل بویہ کی مطیع ہو جاتی تھی اور کبھی آلِ سلجوق کی۔ مگر اس کا سب سے بڑا جرم یہ تھا کہ اس کے فرمانروا کرشاسف بن علاؤ الدولہ نے سلطان مودود غزنوی کی دعوت پر اُس اتحادِ ثلاثہ میں شرکت قبول کر لی تھی جس کا منشا اصفہان، سجستان اور ترکستان کی طرف سے بیک وقت خراسان پر حملہ کرنا تھا۔ گو اس سازش میں ان لوگوں کو کامیابی نہ ہو سکی۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اپنے پہلو میں اتنے خطرناک دشمن کو برداشت نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لہٰذا طغرل نے یہ دیکھ کر کہ کرشاسف کے لیے دولتِ بویہیہ میں کوئی مددگار قوت نہیں ہے، اس پر حملہ

[1] ابن اثیر، ج ۹ ص ۲۳۳۔ ابو الفدا، ج ۲، ص ۱۷۰۔

کر دیا اور اسے اصفہان کے صوبے سے بے دخل کر کے فارس کے علاقے میں یزد اور ابرقوہ کے علاقے دلوا دیئے[1]۔

دوسری طرف طغرل کے بھتیجے الپ ارسلان نے مفازۂ خراسان کو عبور کر کے فارس پر حملہ کیا اور بڑھتا ہوا فسا تک چلا آیا۔ مگر خانہ جنگی نے دیلمیوں میں اتنی قوت باقی نہ چھوڑی تھی کہ اس کا مقابلہ کرتے[2]۔

خانہ جنگی کا زور

اسی خانہ جنگی کی بدولت دوسری سرحدی ریاست کردستان نے بھی سلجوقیوں کے آگے سپر ڈال دی۔ چنانچہ ابو الشوک کے بھائی مُہلہل نے خود طغرل بک کے پاس حاضر ہو کر عفو کی درخواست کی، اور طغرل نے اسے سیروان، دقوقا، شہر زور اور صامغان کا علاقہ جاگیر میں دیا۔ پھر سعدی بن ابی الشوک بھی عفو خواہ ہوا اور اسے راوندین کی جاگیر مل گئی[3]۔

۴۴۳ھ / ۱۰۵۱ء میں امیر فلاستون کے حالات کچھ بگڑ گئے جن سے عارضی طور پر ملک الرحیم کو دوبارہ اصطخر اور شیراز پر قبضہ کر لینے کا موقع مل گیا۔ مگر دیلمیوں کی ایک جماعت جس کے سردار ہزاراسپ اور منصور بن حسین تھے، اس کے خلاف کھڑی ہو گئی۔ طغرل بک اس وقت فارس اور خوزستان کے عین سر پر

[1] ابن اثیر، ج ۹ ص ۲۳۴۔

[2] ابن اثیر، ج ۹، ص ۱۳۵۔

[3] ابن اثیر، ج ۹، ص ۲۳۷۔

اصفہان میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے ان لوگوں کو روپے اور فوج سے پوری مدد دی نتیجہ یہ ہوا کہ ملک الرحیم شکست فاش کھا کر واسط کی طرف پسپا ہوگیا اور ان لوگوں نے جیت کر شیراز پر حملہ کر دیا۔ مگر ملک الرحیم کا بھائی ابو سعد خسرو شاہ وہاں موجود تھا۔ اس نے جم کر ان کا مقابلہ کیا اور خوزستان کی طرف پسپا کر دیا۔[1] دوسرے سال طغرل بک کی فوج کے چند دستے پھر فارس میں گھس گئے اور شیراز تک بڑھتے چلے گئے لیکن آل بُویہ سے باقاعدہ جنگ چھیڑنے کا وقت نہیں آیا تھا اس لیے محض چھاپے مارنے اور اضطراب ملک میں انتشار برپا کرنے پر اکتفا کی گئی۔[2]

دوسری طرف عراق میں بھی سلجوقی فوجوں نے بڑھ بڑھ کر چھاپے مارنے شروع کر دیئے تھے اور ان کی ترکتازیوں کا میدان نُعمانیہ تک وسیع تھا۔[3]

۴۴۰ھ میں ملک الرحیم کا ایک اور بھائی ابو علی کیخسرو، جو بصرے کا حاکم تھا، اس کے خلاف باغی ہوگیا۔ ملک الرحیم نے اس پر حملہ کر کے پورا علاقہ اس سے چھین لیا۔ مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سیدھا طغرل کے پاس پہنچ گیا۔ طغرل نے اسے ایک اچھا آلۂ کار سمجھ کر اپنے ہاں بڑے اعزاز سے لیا، اپنے خاندان کی ایک لڑکی اس سے بیاہ دی، اور جرباذقان کا علاقہ جاگیر میں دیا جو خوزستان و عراق سے بالکل متصل واقع تھا۔[4]

---

[1] ابن اثیر ج ۹، ص ۲۳۸-۲۳۹۔
[2] ابن اثیر ج ۹، ص ۲۴۲۔
[3] ابن اثیر ج ۹، ص ۲۴۵۔
[4] ابن اثیر، ج ۹، ص ۲۴۵۔

دربارِ خلافت میں سلجوقی سفارت

ان حالات میں طغرل بک کے لیے خلیفہ سے رجوع کرنے کا بہت اچھا موقع تھا۔ سو ڈیڑھ سو برس سے بغداد کی یہ عادت ہوگئی تھی کہ ہر طاقتور کا خیر مقدم کرتا اور کمزور سے بیزار ہو جاتا تھا۔ چنانچہ اب آلِ بُویہ کی کمزوری نمایاں ہو چکی تھی اور سلجوقیوں کی طاقتوری کا سکّہ بھی نزدیک و دُور بیٹھ چکا تھا۔ لہٰذا طغرل بک نے رمضان ۴۴۳ھ میں ایک سفارتی وفد بغداد بھیجا جس کے ذریعہ دس ہزار دینار اور بیش قیمت سامان از قسم جواہر و ملبوس و عطریات خلیفہ کی نذر کرنے کے لیے، پانچ ہزار دینار اہلِ حاشیہ کے لیے، اور دو ہزار دینار خلیفہ کے وزیر رئیس الرؤسا کے لیے بھیجے، اور انتہائی عقیدت مندی و اطاعت شعاری کے ساتھ خلیفہ کی ان عنایات کا شکریہ ادا کیا جو اس نے قاضی ابوالحسن ماوَردی کو ایلچی کے طور پر روانہ کر کے مبذول فرمائی تھیں۔ خلیفہ نے بہت عزت و شان کے ساتھ طغرل کے سفراء کو اتارا، ان کی خاطر تواضع میں بہت مبالغہ کیا، اور عید کے موقع پر ان کے اعزاز میں بغداد کی فوجوں نے بہترین خوشنما لباسوں اور شاندار گھوڑوں کے ساتھ پریڈ کی۔[1]

اگرچہ اس سفارت نے کسی قسم کے سیاسی مسائل طے نہیں کیے، لیکن دونوں جانب سے اس لطف و اکرام کے اظہار نے بتا دیا کہ آئندہ واقعات کا رُخ کدھر ہوگا۔

---

[1] ابن اثیر، ج ۹، ص ۲۴۱۔

آذربیجان و آرمینیہ کی فتح

۴۴۶ھ / ۱۰۵۴ء میں طغرل بک ایک زبردست فوج لے کر آذربیجان کی طرف چلا۔ تبریز پہنچا تو وہاں کے حاکم ابومنصور دخشونذان نے خود بڑھ کر اظہار اطاعت کیا، خراج میں پیش قرار رقم پیش کی، طغرل کے نام کا خطبہ پڑھا، اور یرغمال کے طور پہ اپنے بیٹے کو اس کے ساتھ کر دیا۔ اس کے بعد تمام نواحی آذربیجان کے اُمراء نے قبولِ اطاعت کے پیغامات بھیجنے شروع کیے، طغرل کے نام کا خطبہ جاری کیا اور اپنے بچوں کو یرغمال کے طور پر اس کے پاس بھیج دیا۔ اَنجاز کی سرحد سے متصل گنجزہ کے حاکم ابوالاَسوار نے بھی دوسرے اُمراء کی پیروی کی۔ پھر طغرل آرمینیہ میں داخل ہوا اور اسے تسخیر کرتا ہوا مانزکرد پہنچا جو اس وقت رومیوں کے قبضے میں تھا۔ مگر کچھ مدت تک محاصرہ کرنے کے بعد اسے چھوڑ دیا اور ارزن الرّوم (موجودہ ارض رُوم) تک کے علاقے کو تاخت کرنے کے بعد واپس ہوگیا۔

اس جنگ میں طغرل کی سلطنت شمال میں گنجزہ تک اور مغرب میں دیارِ بکر تک وسیع ہوگئی۔[1]

اسی سال موصل کے فرمانروا ابوالمعالی قریش بن بدران نے اَنبار اور حربی پر قبضہ کر کے طغرل کی اطاعت قبول کر لی اور اس علاقے میں سلجوقی سلطان کا خطبہ جاری ہوگیا۔[2]

---

[1] ابن اثیر ج ۹ ص ۲۴۹۔ [2] ابن اثیر ج ۹ ص ۲۵۰۔

بَساسیری کا فتنہ

اب شمال، جنوب اور مشرق، تینوں جانب سے سلجوقی سلطنت بُوَیہی مملکت کو گھیر چکی تھی۔ بویہی علاقہ سمٹتے سمٹتے، فارس، خوزستان، اور عراق کے صوبوں تک محدود رہ گیا تھا، اور ان صوبوں کا بھی یہ حال تھا کہ بعض اضلاع آلِ بُوَیہ کے قبضے سے نکل چکے تھے، بعض اضلاع پر پیہم غارت گریاں ہو رہی تھیں اور خود اندرونِ مملکت میں خانہ جنگی اور بدنظمی کی بدولت سخت انتشار برپا تھا۔ سلجوقی اپنے دَیلمی ہمسایوں کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھانے کی پُوری کوشش کر رہے تھے، چنانچہ ایک طرف ان کی فوجیں عین بغداد کے سر پر دَسکَرہ اور باجسری تک لوٹ مار کرتی چلی آئی تھیں، دوسری طرف خوزستان کا صوبہ ان کے پیہم چھاپوں کا ہدف بنا ہوا تھا اور بسا اوقات اَہواز تک ان کے اثرات پہنچ جاتے تھے، تیسری طرف فارس کے علاقے میں بغاوت کا ایک غیر منقطع سلسلہ جاری تھا اور شیراز میں اکثر طغرل کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ ملک الرحیم کے دو بھائی ابومنصور فلاستون اور ابوعلی کیخسرو طغرل بک کی اطاعت اختیار کر چکے تھے اور وہ ان دونوں کو بغداد کے دَیلمی فرماں روا کے خلاف استعمال کر رہا تھا۔

اب وہ وقت آ گیا تھا کہ اس سلطنت کے پیکرِ بیجان کو دفن کر کے خود بغداد پر سلجوقی استیلا کا علم بلند ہو اور عباسی خلافت میں دیلمیوں کی جگہ سلجوقی لے لیں۔ اتفاقِ وقت سے اس کے اسباب بھی خود دیلمیوں ہی کے گھر میں مہیا ہو گئے۔

اُوپر ذکر ہو چکا ہے کہ شعبان ۴۲۶ھ / ۱۰۵۵ء میں موصل کے فرمانروا قریش بن

بدران عُقَیلی نے اَنبار اور حربی کے علاقہ پر قبضہ کر لیا تھا اور جوابی حملے سے بچنے کے لیے طغرل بک کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ یہ علاقہ دراصل اَرسلان بَساسیری[1] کی جاگیر میں تھا جو عراق کی تمام ترکی افواج کا سردار تھا۔ وہ اس دراز دستی کی تاب نہ لا سکا اور اپنی جاگیر کے ان علاقوں کو واپس لینے کے لیے چلا۔ رمضان میں قریش بن بدران کے دو آدمی ابوالغنائم اور ابوسعد پوشیدہ طور پر خلیفہ کے پاس آئے، جن کا مقصد غالباً اسی قضیے کو رفع دفع کرانا ہوگا۔ بساسیری کو اس کی خبر ہوئی تو وہ بہت بگڑا اور اس نے ان دونوں کو گرفتار کرنا چاہا، مگر وہ اس کے ہاتھ نہ آسکے۔ اس پر اس نے دارالضرب سے خلیفہ اور اس کے وزیر رئیس الرؤسا[2] کے مشاہرے بند کر دیئے، اور تین چار مہینے تک دونوں کو سخت تنگ رکھا۔ خلیفہ کے ساتھ اس ناروا سلوک نے عوام میں بساسیری کے خلاف ایک عام جوش پیدا کر دیا اور رئیس الرؤسا نے اس کو اور زیادہ بھڑکایا۔ رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ رمضان ۴۴۷ھ میں، جبکہ بساسیری واسط میں تھا، بغداد کے عوام اس کے محلات پر ٹوٹ پڑے اور اس کا سارا مال لوٹ لیا[3]۔

---

[1] بَساسیری منسوب ہے بَسا کی طرف جسے عرب فَسا کہتے ہیں۔ یہ شخص بہاء الدولہ بن عُضدالدولہ دیلمی کا غلام تھا۔ خلیفہ قائم بامراللہ نے اس کو ترکوں کا سردار اعلیٰ بنایا تھا، اور بڑھتے بڑھتے اس کا اثر اس حد کو پہنچ گیا تھا کہ عراق و خوزستان کے منبروں پر خطبہ میں اس کا نام لیا جاتا تھا۔

[2] ابوالقاسم علی بن الحسن بن مَسلَمہ، ملقب بہ رئیس الرؤسا۔

[3] ابن اثیر، ج ۹، ص ۲۵۰-۲۵۳

بغداد پر طغرل کا اِستیلا

طغرل ان حالات کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ بغداد میں جب آتشِ فساد کا دھواں اُٹھنا شروع ہوا تو وہ محرم ۴۴۷ھ میں رَے سے ہمدان کی طرف بڑھ آیا اور اعلان کیا کہ مَیں حج کو جانا چاہتا ہوں اور اس سلسلہ میں مکہ کا راستہ درست کرنے اور پھر شام و مصر پر حملہ کر کے فاطمی خلافت کا استیصال کر دینے کا بھی ارادہ رکھتا ہوں۔ اس اعلان میں یہ بیّن سیاسی مصلحت مضمر تھی کہ دیلمی سلطنت کی تمام سُنّی رعایا اور خود دربارِ خلافت کی ہمدردیاں طغرل کو حاصل ہو جائیں، کیونکہ شام و مصر سے عباسیوں کی حریف خلافت کا استیصال، اور ان ممالک پر عباسی خلافت کے اقتدار کا بحال ہونا ایسی باتیں تھیں جن سے عام اہلِ سنّت اور خلفائے عباسیہ کے ہوا خواہ یکساں گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ مگر طغرل نے صرف رائے عام کی تائید ہی پر بھروسا نہیں کیا بلکہ اپنی فوجی قوت کو بھی پوری طرح تیار کر لیا، اور دِینَوَر، قرمِیسِین، اور حُلوان وغیرہ کے فوجی گورنروں کو احکام بھیج دیئے کہ وہ راستے میں موکبِ شاہی کے ساتھ شامل ہونے کے لیے فوجی دستے اور ضروری سامانِ رسد مہیا رکھیں۔ ان تیاریوں کے ساتھ طغرل بِک نے ہمدان سے کوچ کیا اور عراق و کردستان کی سرحد پر حُلوان میں خیمہ زن ہوا۔ اس کی خبر عراق میں پہنچی تو ایک کھلبلی مچ گئی۔ بغداد کے دیالمہ اور اتراک میں عام جوش پھیل گیا، اور ملک الرحیم واسط سے بساسیری کو لے کر بغداد کی طرف چلا۔ خلیفہ قائم کے حالات اب بدل چکے تھے۔ اس نے ملک الرحیم کو لکھا کہ بَساسیری ہمارا باغی ہے۔ اگر تم اس کو دوست رکھتے ہو تو ہم سے تمہارا کوئی تعلق نہیں اور اگر ہماری اطاعت پر قائم ہو تو اسے

اپنے سے الگ کر دو۔ دوسرے حالات میں اس قسم کا پیغام خلیفہ کی خلافت بلکہ اس کی جان تک کے لیے مہلک ہو سکتا تھا۔ مگر یہ وقت ہی اور تھا۔ ملک الرحیم نے اس کے آگے بلا تامل سر جھکا دیا اور بساسیری کو ناچار اس سے الگ ہو کر نور الدولہ دُبَیس بن علی بن مزید الاسدی کے پاس پناہ لینی پڑی۔

رمضان کی ابتدا میں طغرل نے اپنے سفرا بغداد بھیجے جنہوں نے خلیفہ کے سامنے اپنے بادشاہ کی طرف سے اظہارِ اطاعت کیا اور بغداد کی ترکی فوجوں کو اطلاع دی کہ سلطان طغرل ان کے ساتھ اچھا اور احسان کا سلوک کرے گا۔ ترکوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ مگر خلیفہ اور رئیس الرؤسا دونوں دل سے چاہتے تھے کہ دیلمی اقتدار ختم ہو اور عراق میں سلجوقی آجائیں۔[۱] انہوں نے ایک طرف ترکوں کو ٹھنڈا کیا۔ اور دوسری طرف ملک الرحیم اور اس کے اُمراء سے گفتگو کر کے انہیں اس امر پر راضی کیا کہ فوجوں کو بغداد سے باہر ہٹا کر اندرونِ شہر کی بارکوں میں رکھا جائے۔ اور طغرل بک کو اظہارِ اطاعت اور خطبے سے راضی کر کے جنگ سے نجات حاصل کر لی جائے۔ چنانچہ دیالمہ کی طرف سے طغرل کے پاس اطاعت نامہ بھیج دیا گیا اور ۲۲ رمضان سنہ ۴۴۷ھ کو جمعہ کے دن بغداد کے منبروں پر

۱؎ عماد کاتب اور ابن الجوزی بیان کرتے ہیں کہ خلیفہ قائم کا سفیر ابو محمد ہبۃ اللہ محمد بن الحسن بن المامون بہت مدت سے طغرل کے پاس مقیم تھا اور خلیفہ کی جانب سے اس کو بغداد آنے کی پیہم دعوت دے رہا تھا (زبدۃ النصرہ، ص ۱۹۔ [illegible]، ص ۱۰۵)

طغرل کا خطبہ پڑھا گیا۔

اب بغداد میں کونسی قوت تھی جو طغرل کو آنے سے روکتی۔ اس نے دار الخلافت میں حاضر ہونے کے لیے خلیفہ سے اجازت طلب کی جو بخوشی دی گئی اور وہ بغداد کی طرف بڑھا۔ نہروان[۱] تک پہنچا تھا کہ بغداد سے رئیس الرؤسا، قاضی القضاۃ، نقباء، اشراف، اور دیلمی سلطنت کے اُمراء پوری شان کے ساتھ اس کے استقبال کو آئے، اور طغرل بک کی طرف سے اس کے وزیر عمید الملک ابو نصر کُندری نے ان کی پذیرائی کی۔ رئیس الرؤسا کو خاص سلطان کی سواری کا گھوڑا دیا گیا، اور نہروان ہی میں سلطان سے اس کی ملاقات ہوئی جس میں سلطان نے خلیفہ کی اطاعت اور ملک الرحیم سے عدمِ تعرض کا حلف اٹھایا۔ اس کے بعد وہ بغداد کی طرف بڑھا اور ۲۵ رمضان سنہ ۴۴۷ھ کو وہاں پہنچ کر باب الشماسیہ پر مقیم ہوا۔[۲]

دولتِ آلِ بُویہ کا انقراض

اس تسلط سے سلجوقی سلطنت کو بُویہی سلطنت پر نمایاں غلبہ حاصل ہو

۱؎ زبدۃ النصرہ میں نہر بین لکھا ہے۔ مگر ابن اثیر اور میر خوند نہروان لکھتے ہیں اور یہی صحیح ہے۔

۲؎ ابن اثیر، ج ۹، ص ۲۵۴، ۲۵۵۔ ابو الفداء، ج ۲، ص ۱۷۳۔ روضۃ الصفا، ج ۴، ص ۱۷۸ و جلد ۴، ص ۹۴۔ ۹۵۔ زبدۃ النصرہ، ص ۱۰۔ راحۃ الصدور، ص ۱۰۵۔ حمد اللہ مستوفی نے نہ معلوم کس سند پر لکھا ہے کہ طغرل واقعی حج کو گیا تھا اور واپسی پر بغداد آیا۔ کوئی دوسری تاریخ اس بیان کی تائید نہیں کرتی۔

گیا تھا اور اس کے بعد تو یہی سلطنت کے لیے زندگی کا بہت کم امکان باقی تھا، مگر جو تھوڑا بہت امکان رہ گیا تھا، اتفاقات نے اس کو بھی نہ رہنے دیا۔ بغداد پہنچنے کے دوسرے ہی دن جب سلجوقی سپاہی شہر میں اپنی ضرورت کی چیزیں خریدنے گئے تو زبان سے ناواقفیت کی بناء پر ایک گھاس والے سے چند سپاہیوں کا جھگڑا ہو گیا۔ یہ اس سے گھاس چھین رہے تھے، وہ سمجھا کہ لوٹنا چاہتے ہیں، اس لیے شور مچانے لگا۔ اس پر بازار والے جمع ہو گئے اور انہوں نے سلجوقی سپاہیوں کو مارا۔ شہر کے دوسرے حصوں میں اس خبر نے عام فساد کی حالت پیدا کر دی اور ہر جگہ لوگوں نے سلجوقیوں پر ہجوم کر کے اکا دکا جس کو پایا مار ڈالا۔ پھر سب جتھا بنا کر شہر سے باہر خاص سلطان کی چھاؤنی پر حملہ کرنے کے لیے نکلے۔ یہاں باقاعدہ فوج نے ان کا مقابلہ کیا اور سخت نقصان کے ساتھ انہیں بھگا دیا۔ اس کے بعد سلجوقی فوجیں بے قابو ہو گئیں اور انہوں نے شہر میں گھس کر بلا امتیاز لوٹ مار مچا دی شروع کر دی، یہاں تک کہ رئیس الرؤسا کے محلات اور عباسی خلفاء کے مقبروں تک کو لوٹ لیا۔ اس تمام فتنے میں ملک الرحیم اور اس کے آدمی بالکل الگ تھلگ رہے۔ مگر طغرل کو فی الواقع یا از راہ تصنع یہ شبہ تھا کہ یہ سب کچھ ملک الرحیم کے اشارے سے ہوا ہے۔ چنانچہ اس نے خلیفہ کو لکھا کہ اگر ملک الرحیم اور اس کے امراء اس جرم سے بری ہیں تو میرے پاس حاضر ہو جائیں، ورنہ میں سمجھونگا کہ ان کا دامن بھی اس میں آلودہ ہے۔ یہ چال کارگر ہو گئی اور خلیفہ نے ان لوگوں کو امان کا یقین دلا کر اپنے ایلچیوں کے ساتھ طغرل کے پاس بھیجا لیکن

اس کی چھاؤنی کے پاس پہنچتے ہی ترکمان ان لوگوں پر ٹوٹ پڑے اور انہوں نے خلیفہ کے آدمیوں سمیت سب کو لوٹ لیا، حتیٰ کہ بدن پر کپڑے تک نہ چھوڑے۔ پھر جب یہ لوگ طغرل کے سامنے حاضر ہوئے تو اس نے خلیفہ کے سفراء کو تو چھوڑ دیا اور باقی سب کو ملک الرحیم سمیت گرفتار کر کے بیشتر دان کے قلعہ میں بھیج دیا۔ اس طرح دَیالِمہ کے اُس زبردست فرمانروا خاندان کا خاتمہ ہو گیا جو ایک صدی سے زیادہ عرصے تک دارالاسلام کے قلب پر حکمران رہا تھا۔

طغرل کی اس بدعہدی کو خلیفہ نے بہت بُری نگاہ سے دیکھا اور اس کو لکھا کہ "وہ لوگ میری امان میں تمہارے پاس گئے تھے۔ اگر تم انہیں رہا کر دو تو بہتر ورنہ میں بغداد چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ مَیں نے تم کو اس لیے بلایا تھا کہ اوامرِ خلافت کی تعظیم و حرمت میں اضافہ ہو گا مگر میں نتیجہ اس کے خلاف دیکھتا ہوں"۔ اس عتاب نامے کا اتنا اثر ہوا کہ کچھ لوگ رہا کر دیئے گئے مگر ملک الرحیم کو رہائی نہ ملی۔ نیز اُس کے صَرفِ خاص کی تمام املاک اور اس کے اُمراءِ افواج کی ساری جاگیریں ضبط کر لی گئیں، اور غُز ترکمانوں نے سوادِ بغداد کو مغرب میں تکریت سے النیل تک اور مشرق میں النہروانات سے زیریں عراق کے اعمال تک خوب جی بھر کر لوٹا، یہاں تک کہ بغداد میں پانچ پانچ قیراط کو بیل اور دو دو قیراط کو گدھے بکنے لگے۔[1]

---

[1] ابن اثیر، ج ۹، ص ۲۵۵-۲۵۶۔ روضۃ الصفاء، ج ۳، ص ۱۷۸۔ عماد کاتب، ابوالفدا، ابن الراوندی اور حمداللہ مُستَوفی نے ان واقعات کو بہت غیر معتدل اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔

خاندانِ خلافت سے رشتۂ مصاہرت

ان بہیم بدعنوانیوں سے ممکن تھا کہ خلافتِ عباسیہ سے دولتِ سلجوقیہ کا تصادم ہو جاتا اور سلجوقی اقتدار کی ترقی پر اس کا بُرا اثر پڑتا۔ مگر طغرل کے وزیر عمید الملک ابو نصر کُندُری نے حالات کی نزاکت کو محسوس کر لیا اور اس کی تدبیروں سے صرف یہی نہیں کہ دونوں کے تعلقات درست ہو گئے بلکہ ان کو استوار کرنے کے لیے یہ بھی طے ہوا کہ خلیفہ قائم بامر اللہ کے ساتھ طغرل بک کی بھتیجی خدیجہ اَرسلان خاتون[1] کی شادی ہو جائے۔ چنانچہ محرم ۴۴۸ھ/۱۰۵۶ء میں مجلسِ نکاح منعقد ہوئی جس میں طغرل کی طرف سے عمید الملک کندری، ابو علی کیخسرو دَیلمی، ہزار اَسپ بن بنکیر کُردی، اور ابن ابی الشوک اور شُرفاء و علماء بغداد میں سے قاضی القضاۃ ابو الحسن ماوَردی اور نقیب النقباء ابو علی بن ابی تمام شریک ہوئے اور رئیس الرؤسا نے خطبۂ نکاح پڑھا۔ شعبان میں خدیجہ خاتون مَرو سے بغداد لائی گئی اور خود خلیفہ کی والدہ اسے وداع کر کے حریمِ خلافت میں لے گئی[2]۔

بَساسیری کی شورش

اوپر کہا جا چکا ہے کہ خلیفہ کے حکم سے ملک الرحیم نے ارسلان بساسیری کو الگ کر دیا تھا۔ یہاں سے بھاگ کر وہ امیرِ عرب نور الدولہ دُبَیس بن مَزید

---

[1] یہ چغری بک داؤد کی بیٹی اور اَلپ ارسلان کی بہن تھی۔
[2] ابن اثیر، ج ۹، ص ۲۵۷۔ زبدۃ النصرہ، ص ۱۱-۱۲۔

کے پاس جس سے اس کی رشتہ داری تھی، پناہ گزیں ہوا۔ مگر وہاں بھی زیادہ مدت نہ ٹھیر سکا، کیونکہ طغرل کے ڈر سے نور الدولہ نے اس کو نکال دیا اور اسے شام جا کر رحبۃ مالک میں قیام کرنا پڑا۔ اب وہ بالکل آزاد تھا۔ اس نے عباسیوں کی مسند پر مصر کے فاطمی خلیفہ المُستنصر باللہ سے خط و کتابت کی اور اس کی اطاعت قبول کر کے از سرِ نو قوت جمع کرنی شروع کر دی۔ ادھر بغداد میں طغرل نے ملک الرحیم اور اس کے اُمراء کے ساتھ جو کچھ سلوک کیا تھا اس کی بدولت بہت سے دیلمی اور ترک سپاہی اور اُمراء بھاگ کر اس کے پاس پہنچنے لگے اور کچھ مدت میں اس کے پاس خاصی جمعیت اکٹھی ہو گئی[1]۔ نور الدولہ نے بھی اس کی روز افزوں قوت دیکھ کر اس کے ساتھ اتحاد کر لیا اور دونوں نے مل کر شوال ۴۴۸ھ/۱۰۵۶ء میں موصل پر حملہ کیا۔ وہاں قُریش بن بَدران کے ساتھ طغرل کا ابن عم قُتلُمش بن ارسلان بھی مقیم تھا۔ وہ دونوں ان حملہ آوروں کے خلاف لڑنے آئے۔ سنجار کے قریب جنگ ہوئی۔ قُتلُمش شکست کھا کر بھاگ گیا اور قریش نے گرفتار ہو کر نور الدولہ اور بساسیری کی اطاعت قبول کر لی[2]۔ اس طرح موصل پر ان لوگوں کا قبضہ ہو گیا اور انہوں نے وہاں المستنصر باللہ فاطمی خلیفۂ مصر کا خطبہ جاری کر دیا۔

ادھر بغداد میں سلجوقی فوجوں نے ایک اودھم مچا رکھا تھا جس کے باعث

---

[1] ابن اثیر، ج ۹، ص ۲۵۶۔
[2] عماد کاتب لکھتا ہے کہ جنگ سنجار سے پہلے ہی قریش بن بدران حملہ آوروں سے مل گیا تھا مگر ابن اثیر کہتا ہے کہ وہ جنگ کے بعد ان دونوں سے ملا۔

خاندانِ خلافت سے رشتۂ مصاہرت

ان مبہم بدعنوانیوں سے ممکن تھا کہ خلافتِ عباسیہ سے دولتِ سلجوقیہ کا تصادم ہو جاتا اور سلجوقی اقتدار کی ترقی پر اس کا بُرا اثر پڑتا۔ مگر طغرل کے وزیر عمید الملک ابو نصر کُنْدُری نے حالات کی نزاکت کو محسوس کر لیا اور اس کی تدبیروں سے صرف یہی نہیں کہ دونوں کے تعلقات درست ہو گئے بلکہ ان کو استوار کرنے کے لیے یہ بھی طے ہُوا کہ خلیفہ قائم بامر اللہ کے ساتھ طغرل بک کی بھتیجی خدیجہ اَرْسلان خاتون[1] کی شادی ہو جائے۔ چنانچہ محرم ۴۴۵ھ / ۱۰۵۶ء میں مجلسِ نکاح منعقد ہوئی جس میں طغرل کی طرف سے عمید الملک کندری، ابو علی کیخسرو دَیْلمی، ہزار اَسپ بن بنکیر کرد دی، اور ابن ابی الشوک اور شُرفاء وعلماء بغداد میں سے قاضی القضاۃ ابو الحسن ماوَرْدی اور نقیب النُّقَبَاء ابو علی بن ابی تمام شریک ہوئے اور رئیس الرؤسا نے خطبۂ نکاح پڑھا۔ شعبان میں خدیجہ خاتون مَرْو سے بغداد لائی گئی اور خود خلیفہ کی والدہ اسے وداع کر کے حریم خلافت میں لے گئی[2]۔

بَساسیری کی شورش

اوپر کہا جا چکا ہے کہ خلیفہ کے حکم سے ملک الرحیم نے ارسلان بساسیری کو الگ کر دیا تھا۔ یہاں سے بھاگ کر وہ امیر عرب نور الدولہ دُبَیْس بن مَزْیَد

---

[1] یہ چغری بک داؤد کی بیٹی اور الپ ارسلان کی بہن تھی۔

[2] ابن اثیر، ج ۹، ص ۲۵۷۔ زبدۃ النصرہ، ص ۱۱-۱۲۔

کے پاس، جس سے اس کی رشتہ داری تھی، پناہ گزین ہُوا۔ مگر وہاں بھی زیادہ مدت نہ ٹھہر سکا، کیونکہ طغرل کے ڈر سے نور الدولہ نے اس کو نکال دیا اور اسے شام جا کر رحبۂ مالک میں قیام کرنا پڑا۔ اب وہ بالکل آزاد تھا۔ اس نے عباسیوں کی ضد پر مصر کے فاطمی خلیفہ المُستنصر باللہ سے خط و کتابت کی اور اس کی اطاعت قبول کر کے از سر نو قوت جمع کرنی شروع کر دی۔ ادھر بغداد میں طغرل نے ملک الرحیم اور اس کے اُمراء کے ساتھ جو کچھ سلوک کیا تھا اس کی بدولت بہت سے دیلمی اور ترک سپاہی اور اُمراء بھاگ کر اس کے پاس پہنچنے لگے اور کچھ مدت میں اس کے پاس خاصی جمعیت اکٹھی ہو گئی[1]۔ نور الدولہ نے بھی اس کی روز افزوں قوت دیکھ کر اس کے ساتھ اتحاد کر لیا اور دونوں نے مل کر شوال ۴۴۸ھ / ۱۰۵۶ء میں موصل پر حملہ کیا۔ وہاں قُرَیش بن بَدْران کے ساتھ طغرل کا ابن عم قُتُلْمُش بن ارسلان بھی مقیم تھا۔ وہ دونوں ان حملہ آوروں کے خلاف لڑنے آئے۔ سنجار کے قریب جنگ ہوئی۔ قُتُلْمُش شکست کھا کر بھاگ گیا اور قریش نے گرفتار ہو کر نور الدولہ اور بساسیری کی اطاعت قبول کر لی[2]۔ اس طرح موصل پر ان لوگوں کا قبضہ ہو گیا اور انہوں نے وہاں المستنصر باللہ فاطمی خلیفہ مصر کا خطبہ جاری کر دیا۔

ادھر بغداد میں سلجوقی فوجوں نے ایک اودھم مچا رکھا تھا جس کے باعث

---

[1] ابن اثیر، ج ۹، ص ۲۵۶۔

[2] عماد کاتب لکھتا ہے کہ جنگ سنجار سے پہلے ہی قریش بن بدران حملہ آوروں سے مل گیا تھا مگر ابن اثیر کہتا ہے کہ وہ جنگ کے بعد ان دونوں سے ملا۔

سب اہلِ شہر اُن سے بیزار ہو رہے تھے۔ آخر کار خلیفہ قائم بامر اللہ کے حکم سے
رئیس الرؤسا نے طغرل کے وزیر عمید الملک کو بلا کر عامۂ اہلِ بغداد کی شکایات
سے آگاہ کیا اور کہا کہ اگر تم نے اس ظلم و جور کا سلسلہ بند نہ کیا تو خلیفہ بغداد
چھوڑ کر نکل جانے پر مجبور ہو گا تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے ان حرکات کو نہ دیکھ
سکے۔ عمید الملک نے اس پر سلطان کی طرف سے معذرت کی اور اس کے بعد
سلطان نے بغداد سے کوچ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ اس اثناء میں جنگ
سنجار کی خبر پہنچی اور طغرل ۱۰ ذیقعد ۴۴۸ھ کو موصل کی طرف روانہ ہو گیا۔
مگر ابھی وہ راستہ ہی میں تھا کہ قریش اور نور الدولہ دونوں نے سر اطاعت
جھکا دیا، اور بساسیری بھاگ کر پھر الرحبہ چلا گیا۔[1]

خلیفہ سے طغرل کی ملاقات

چند مہینے میں موصل، سنجار، دیار بکر، اور جزیرۂ ابن عمر وغیرہ کو مطیع و
منقاد کر کے طغرل نے یہ پورا علاقہ ابراہیم اینال کے سپرد کیا اور خود بغداد
واپس ہوا۔ قفص تک پہنچا تھا کہ رئیس الرؤسا نے آ کر خلیفہ کا سلام پہنچایا اور
اس کی طرف سے ایک جواہر نگار جام، ایک فرجیہ اور ایک عمامہ پیش کیا،
جسے سلطان نے زمین بوس ہو کر لیا۔ پھر بغداد پہنچ کر پہلی مرتبہ خلیفہ کی بارگاہ
میں پیش ہونے کی اجازت مانگی جو قبول کی گئی اور ۲۵ ذیقعدہ ۴۴۹ھ / ۱۰۵۷ء کو

---

[1] ابن اثیر، ج ۹، ص ۲۵۶-۲۶۱-۲۶۲۔ زبدۃ النصرہ، ص ۱۲-۱۳۔ روضۃ الصفا، ج ۴، ص ۱۲۸۔

اس کے لیے دربارِ عام منعقد کیا گیا۔ طغرل باب الرقہ تک کشتی میں گیا۔ وہاں
اسے خلیفہ کی طرف سے گھوڑا دیا گیا جس پر سوار ہو کر وہ صحن السلام کی دہلیز
تک گیا۔ پھر اُتر کر اُمراء کے جلو میں غیر مسلح و پاپیادہ تخت گاہِ خلافت کی طرف
چلا جو زمین سے سات ہاتھ بلند تھی۔ اس پر خلیفہ قائم بامر اللہ نبی صلی اللہ علیہ
وسلم کی چادر اوڑھے عصائے نبوی ہاتھ میں لیے بیٹھا تھا، اور اس کے سامنے
پردہ پڑا ہوا تھا۔ جب طغرل سُدّۂ شریفہ کے قریب پہنچا تو پردہ اٹھا دیا گیا
اور اس نے خلیفہ کے سامنے زمین کو بوسہ دیا۔ رئیس الرؤسا نے باقاعدہ
تقدیم کی رسم ادا کی۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ سلطان کو کرسی دی جائے۔ پھر
رئیس الرؤسا سے کہا کہ اس سے کہو "امیر المومنین تمہاری سعی کے شکرگزار، تمہارے
کام کے معترف اور تمہارے قرب سے خوش ہیں۔ انہوں نے تمہیں اُن تمام ممالک
کا جن کی ولایت اللہ نے ان کو سونپی ہے، والی بنایا اور بندگانِ خدا کی رعایت
تمہارے سپرد کی ہے۔ پس جو کچھ تمہارے سپرد کیا گیا ہے اس کے بارے میں اللہ
سے ڈرتے رہو، اپنے حق میں اللہ کی نعمت کو پہچانو اور عدل پھیلانے، ظلم کو روکنے
اور رعیت کی اصلاح کرنے میں پوری کوشش کرو۔" اس پر طغرل نے پھر زمین
چومی۔ اس کے بعد خدام اس کو مقامِ خلعت پر لے گئے جہاں اسے عجم کا
تاج اور عرب کا مشکیں و زرّیں عمامہ پہنایا گیا، گلے میں طوق اور ہار ڈالا گیا
سات پارچۂ سیاہ کا خلعت دیا گیا جس میں ہفت اقلیم کی ولایت کی طرف
اشارہ تھا، اور ایک زرنگار تلوار اُس کی کمر میں باندھی گئی۔ یہ خلعت لے کر
وہ پھر اپنے مقام پر آیا، چاہتا تھا کہ اظہارِ تشکر کے لیے پھر زمین بوس ہو،

مگر تاج کی وجہ سے نہ جھک سکا اور خلیفہ سے مصافحہ کی خواہش کی، چنانچہ خلیفہ نے ہاتھ بڑھا دیا اور طغرل نے اسے چُوم کر آنکھوں سے لگایا۔ اس کے بعد اسے ایک اور تلوار دی گئی، اور خلیفہ نے اسے "پادشاہِ مشرق و مغرب" کہہ کر خطاب کیا۔ آخر میں خلیفہ نے اپنا فرمانِ تولیت دے کر اسے رخصت کیا، اور طغرل نے واپس آکر خلیفہ کی خدمت میں بہت سے بیش قیمت تحائف بھیجے جن میں ۵۰ ہزار دینار نقد اور ۵۰ بہترین ترکی غلام اعلیٰ درجہ کے گھوڑوں پر زرق برق لباس پہنے اور ہتھیاروں سے آراستہ پیراستہ شامل تھے[۱]۔

ابراہیم اینال کی سرکشی

اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد پیہم دو واقعات ایسے پیش آئے جنہوں نے طغرل بک اور خلیفہ قائم، دونوں کو ایک سال تک سخت پریشان رکھا۔

ان میں سے پہلا واقعہ ابراہیم اینال کی سرکشی کا تھا۔ یہ طغرل کا برادرِ مادری تھا اور اوّل اوّل اس نے طغرل کی بہت شاندار جنگی خدمات انجام دی تھیں۔ مگر چند سال سے اس کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ طغرل کی ساری فتوحات میری تلوار کی رہینِ منت ہیں، اس لیے اس نے سرکشی کا اظہار شروع کر دیا تھا۔ ۱۰۴۹ء/۴۴۱ھ میں اس نے سب سے پہلے طغرل کے احکام کی خلاف ورزی کی تھی جس کی بنا پر دونوں میں جنگ ہوئی۔ طغرل فتح یاب ہوا اور ابراہیم نے معذرت کر کے قصور معاف کرالیا۔ اس کے بعد طغرل نے اس کو مختلف

---

[۱] ابن اثیر، ج ۹، ص ۲۶۴-۲۶۵۔ زبدۃ النصرہ ص ۱۳-۱۴۔ ابوالفدا، ج ۲، ص ۱۷۶۔

اہم ولایتوں کی حکومت سپُرد کی اور وہ بغاوت کا کوئی مناسب موقع نہ پاکر مطیعانہ اس کی خدمات انجام دیتا رہا۔ مگر آخر میں جب اسے موصل کی ولایت پر مامور کیا گیا تو اُس نے بساسیری اور اس کے ساتھیوں سے سازباز کر لیا، اور اس ولایت کو یونہی مہمل چھوڑ کر جبال کی طرف چلا گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ ولایت میں گھس آئے اور اس پر قابض ہو گئے۔ طغرل اس کی اس حرکت کا مطلب سمجھ گیا تھا، مگر اس نے درگزر سے کام لینا چاہا اور اسے نرمی کے ساتھ اپنے پاس بغداد بلا لیا لیکن وہ موقع پاکر رمضان ۱۰۵۸ء/۴۵۰ھ میں پھر ہمدان بھاگ گیا۔ اتفاق سے طغرل کے پاس اس وقت بہت تھوڑی فوج رہ گئی تھی، کیونکہ زیادہ تر اہلِ لشکر چھٹیاں لے لے کر چلے گئے تھے۔ بخلاف اس کے ابراہیم نے بہت سے ترکوں کو جمع کر لیا تھا اور اس کے پاس ایسی خوفناک قوت جمع ہو گئی تھی کہ اسے ذرا سی مہلت دے دینا بھی سلطنت کھو دینے کا ہم معنی تھا۔ اس لیے طغرل بک کو اس کے مقابلے میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور تمام سلطنت میں اس کی ہوا اکھڑنے لگی۔ آخر کار اُس نے اَلپ ارسلان، یاقُوتی اور قاوَرت بک سے (جو اس کے بھائی داؤد کے بیٹے تھے) مدد طلب کی اور یہ زبردست فوجیں لے کر اس کے پاس پہنچ گئے۔ جمادی الاُخریٰ ۱۰۵۹ء/۴۵۱ھ میں رَے کے قریب جنگ ہوئی جس میں طغرل فتحیاب ہوا اور ابراہیم گرفتار ہو کر آیا۔ اگرچہ طغرل اس سے پہلے اس کو کئی دفعہ معاف کر چکا تھا، مگر اب کے اس نے اتنا خطرناک طرزِ عمل اختیار کیا تھا کہ اسے معاف نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے اسی کی کمان کے وَتر سے اس کو پھانسی دلوا دی[۱]۔

---

[۱] ابن اثیر، ج ۹، ص ۲۲۱-۲۶۷-۲۷۰۔ زبدۃ النصرہ، ص ۱۵-۱۶۔ روضۃ الصفا، ج ۴، ص ۹۵

بغداد پر بساسیری کا استیلاء

طغرل کے اس طرح خانہ جنگی میں اُلجھ جانے کے بعد بساسیری کے لیے میدان خالی تھا، چنانچہ وہ اور اس کے ساتھی بغداد پر چڑھ آئے اور ۶ ذی قعدہ ۴۵۰ھ کو شہر میں داخل ہو گئے۔ خلیفہ کے آدمیوں نے کچھ مزاحمت کی مگر بآسانی مغلوب ہو گئے اور باغی فوجیں خاص مقرِ خلافت میں گھس آئیں۔ آخر کار خلیفہ قائم بامر اللہ سیاہ کپڑے پہن کر گھوڑے پر سوار ہوا۔ تلوار ہاتھ میں لی، اور مٹھی بھر خدام اور عباسیوں کی ایک جماعت برہنہ تلواریں لے کر اس کے ساتھ چلی۔ رئیس الرؤسا نے آگے بڑھ کر قریش بن بدران کو پکارا اور کہا کہ:

"اے علم الدین، امیر المومنین تجھ سے اپنے نفس، اپنے اہل، اور اپنے اصحاب کے لیے اللہ، اس کے رسول اور عربیت کا ذمہ چاہتے ہیں۔"

قریش نے اس درخواست کو قبول کر لیا اور خلیفہ کو رئیس الرؤسا اور اس کے تمام ساتھیوں سمیت اپنی امان میں لے لیا۔ مگر بساسیری نے قریش پر زور ڈالا کہ وہ اس امان کو منسوخ کر دے۔ چنانچہ اس کے اثر سے مجبور ہو کر قریش نے رئیس الرؤسا کو بساسیری کے حوالے کر دیا۔ خلیفہ کو اپنے چچا زاد بھائی محی الدین ابو الحارث مُہارِش ابن المُجلّی العُقیلی کے پاس حدیثہ عانہ بھیج دیا، اس کی بیوی ارسلان خاتون کی نگہداشت ابو عبد اللہ بن جردہ کے سپرد کی۔ خلیفہ کے خدام اور متوسلین کو اپنے پاس سے الگ کر دیا اور بساسیری کے ترکوں اور بنو عُقیل کے بدویوں نے حریم خلافت میں گھس کر خوب لوٹ مار

کی۔ اب بساسیری تمام عراق اور الجزیرہ کے ایک بڑے حصّہ کا حکمراں تھا۔ اُس نے بغداد میں اپنی باقاعدہ حکومت قائم کر دی۔ نواحِ عراق میں والی مقرر کیے اور عباسی خلافت کے گھر میں پورے ایک سال تک فاطمی خلافت کا خطبہ پڑھتا رہا۔ عید الاضحیٰ کے دن جب وہ بغداد کی عید گاہ میں گیا تو تاریخ میں پہلی مرتبہ وہاں عباسی عَلَم کے بجائے مصری جھنڈے بلند ہوئے۔ ذی الحجہ کے آخر میں اس نے رئیس الرؤسا اور عَمید عراق کو قتل کرا دیا۔[1]

بساسیری کا استیصال اور بغداد کو خلیفہ کی واپسی

خلیفہ قائم بامر اللہ نے بغداد سے نکل کر پہلا کام یہ کیا کہ اپنی مصیبت کے حال سے طغرل کو مطلع کیا اور اسے لکھا کہ "اسلام کے گھر میں قرمطیوں کا شعار ظاہر ہو گیا ہے، اب اگر کچھ کرنا ہے تو فوراً اسلام کی مدد کو پہنچو۔" طغرل بک اس وقت اپنی مصیبت میں گرفتار تھا وہ مدد کو تو نہ پہنچ سکا لیکن اس نے تسلی کے لیے جواب میں یہ آیت لکھ بھیجی کہ:

اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ۔[2]

---

[1] ابن اثیر، ج ۹، ص ۲۶۷-۲۶۹۔ زبدۃ النصرہ، ص ۱۵-۱۶۔ ابو الفدا، ج ۲، ص ۱۷۷-۱۷۸۔ راحۃ الصدور، ص ۱۰۷-۱۰۸۔ روضۃ الصفا، ج ۴، ص ۱۷۸۔ ج ۴، ص ۹۵۔ ابن خلّکان ترجمۂ ارسلان بساسیری۔

[2] راحۃ الصدور، ص ۱۰۸-۱۰۹۔ روضۃ الصفا، ج ۴، ص ۱۷۸۔ تاریخ گزیدہ، ص ۲۵۷۔

(ان کے پاس واپس جا، ہم ان پر ایسے لشکر لے کر آئیں گے جن کی وہ تاب نہ لا سکیں گے، وہ انہیں وہاں سے ذلیل و خوار کرکے نکال دیں گے)

پھر ابراہیم اینال کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد اس نے بساسیری اور قریش کو لکھا کہ اگر تم خلیفہ کو بغداد لے آؤ تو میں عراق نہ آؤں گا اور صرف اپنے نام کے خطبہ و سکّہ پر قناعت کروں گا۔ مگر بساسیری نے اس پیغام صلح کو رد کر دیا۔ آخرکار طغرل ایک فوجِ گراں لے کر بغداد کی طرف چلا، اور اس دبدبہ و ہیبت کے ساتھ چلا کہ دشمنوں کے حواس باختہ ہو گئے۔ ابھی اس کا مقدمۃ الجیش قصرِ شیرین تک پہنچا تھا کہ بساسیری بغداد چھوڑ کر بھاگ گیا اور عجیب اتفاق ہے کہ ۶ ذیقعدہ سنہ ۴۵۰ھ کو وہ بغداد میں داخل ہوا تھا اور ۶ ذیقعدہ سنہ ۴۵۱ھ کو وہاں سے نکل گیا۔ اس طرح عباسیوں کے دارالخلافت میں اس کا دَور دورہ پورے ایک سال تک رہا۔

طغرل نے یہ خبر سنتے ہی امام ابوبکر ابن فُورک کو اس غرض سے خلیفہ کی جانب روانہ کر دیا کہ اسے فتح کی خوشخبری سنائیں اور بغداد لے آئیں۔ اُدھر مُہارش بن مجلّی پہلے ہی خلیفہ کو لے کر روانہ ہو چکا تھا۔ راستہ میں عُمید الملک کُندُری بڑے لاؤ لشکر اور سراپردوں، خیموں اور زرنگار سواریوں کے ساتھ خلیفہ سے ملا اور اسے بڑی شان سے لے کر بغداد کی طرف چلا۔ نہروان پر خود طغرل اس کے استقبال کو موجود تھا۔ خلیفہ کی سواری جب سامنے آئی تو وہ سات مرتبہ زمیں بوس ہوا، آگے بڑھ کر بسلامت واپسی کی مبارک باد دی، اور معذرت کی کہ ابراہیم کی بغاوت کے باعث میں وقت پر مدد کو نہ پہنچ سکا،

اور اسی بنا پر میں نے اُس کو قتل کر دیا کہ اس کی بدولت آلِ عباسؓ پر مصیبت نازل ہوئی۔ پھر کہا کہ اب میں اس بساسیری کا تعاقب کرتا ہوں اور شام کی طرف جا کر صاحبِ مصر (یعنی فاطمی خلیفہ) سے اس کا بدلہ لیتا ہوں۔ خلیفہ نے اس خدمت کے صلے میں اس کو تلوار عنایت کی۔ اس کے بعد خلیفہ بغداد کی طرف بڑھا اور ۲۵ ذی القعدہ سنہ ۴۵۱ھ / ۱۰۵۹ء کو (کہ یہی ایک سال پہلے اس کے بغداد سے نکلنے کی تاریخ تھی) شہر میں داخل ہوا۔ اس وقت دولتِ عباسیہ کے پایۂ تخت میں قاضی ابوعبداللہ الدامغانی کے سوا کوئی بڑا آدمی باقی نہ بچا تھا جو استقبال کو نکلتا۔ خود طغرل نے شہر کی طرف سے استقبال کی رسم ادا کی، باب النوبی پر حاجب بن کر کھڑا ہوا، اور خلیفہ کے خچر کی لگام ہاتھ میں لے کر پیادہ اس کے حجرہ تک گیا۔

اس کے بعد سلطان طغرل نے سرہنگ ساوتگین، انوشروان، اور خمارتگین طُغرائی کو بساسیری کے پیچھے روانہ کیا، اور ان لوگوں نے اس کو شام کی طرف بھاگتے ہوئے ایک جگہ جا لیا۔ تھوڑے سے مقابلے کے بعد اس کے ساتھی پکڑے گئے اور وہ خود مارا گیا۔ ۱۵ ذی الحجہ کو اس کا سر بغداد لایا گیا، ایک نیزے پر رکھ کر اسے شہر میں گشت کرائی گئی اور آخر میں اس کو باب النوبی پر لٹکا دیا گیا۔[1]

---

[1] ابن اثیر، ج ۹، ص ۲۷۰-۲۷۱۔ زبدۃ النصرہ، ص ۱۶-۱۸۔ روضۃ الصفا، ج ۳، ص ۱۶۸۔ ج ۴، ص ۹۵۔ تاریخ گزیدہ، ص ۳۵۷-۳۵۸۔ ابوالفداء، ج ۲، ص ۱۷۸-۱۷۹۔ ابن خلکان حرف الف ترجمہ ارسلان بساسیری۔

عراق کی دیوانی

اس مرتبہ عمید الملک کُندُری کی تدبیر سے عراق کی دیوانی سلجوقیوں کے ہاتھ میں آگئی۔ اوّل اوّل سلطان طغرل صرف یہ چاہتا تھا کہ اس کو عراق میں ایک بڑی جاگیر دے دی جائے تاکہ اس کی فوج کے مصارف اس سے پورے ہو سکیں لیکن عمید الملک نے اس خواہش کے اظہار سے اس کو باز رکھا۔ یہاں تک کہ خود خلیفہ نے طغرل سے اپنے گزارے کے لیے وظیفہ کی خواہش کی۔ طغرل نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر عراق کی دیوانی خود اپنے ہاتھ میں لے لی اور خلیفہ کے لیے ایک بیش قرار رقم مقرر کر دی۔[1]

خلیفہ کی بیٹی سے طغرل کا نکاح

ذی القعدہ ۴۵۲ھ / ۱۰۶۰ء میں سلطان کی بیوی نے زنجان میں انتقال کیا جس سے اس کو بہت محبت تھی۔ دوسرے سال طغرل نے ابوسعد قاضی رَے کی معرفت خلیفہ کو پیغام دیا کہ وہ اپنی بیٹی[2] سے اس کی شادی کر دے۔ خلیفہ کو یہ جسارت پسند نہ آئی۔ اور اس نے ابوتمیمی کو یہ ہدایت دے کر بھیجا کہ وہ طغرل کو اس خواہش سے باز رکھے اور اسے سمجھائے کہ یہ بات طریقۂ خلفاء کے موافق نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ نہ مانے تو اس سے مہر میں تین لاکھ دینار اور واسط کی پوری عمل داری طلب کرے۔ یہ فرستادہ رَے پہنچ کر عمید الملک وزیر سے ملا، اور جو کچھ جواب لایا تھا

---

[1] راحۃ الصدور، ص ۱۱۰-۱۱۱، تاریخ گزیدہ، ص ۴۳۸۔

[2] ابن الاثیر، وندی نے خواہر خلیفہ لکھا ہے۔ مگر کوئی دوسری تاریخ اس کی تائید نہیں کرتی۔

اسے سنایا۔ عمید الملک نے کہا کہ سلطان کو انکار کا جواب دینا تو یوں مناسب نہیں کہ وہ شدت کے ساتھ اس رشتے کا خواہشمند ہے اور بہت لجاجت کے ساتھ اس نے خلیفہ سے درخواست کی ہے۔ اور مال کی طلب اس لیے مناسب نہیں کہ تم جو کچھ مانگتے ہو، وہ خود اس سے بدرجہا زیادہ دینا چاہتا ہے۔ اس پر قاصد نے کہا کہ اب جو آپ مناسب سمجھیں کریں۔ میں اس کام کو آپ پر چھوڑتا ہوں۔ عمید الملک نے اس تفویض سے فائدہ اٹھا کر سلطان کو مطلع کر دیا کہ خلیفہ نے آپ کا پیغام قبول کر لیا ہے۔ سلطان اس پر بہت خوش ہوا، اور اظہارِ فخر کے لیے اس نے اس منگنی کا عام اعلان کر دیا، کیونکہ یہ ایسی عزت تھی جو اس سے پہلے کسی بادشاہ کو حاصل نہ ہوئی تھی، بلکہ بڑے سے بڑے فرماں روا کو اس کی آرزو کرنے کی بھی جرأت نہ ہو سکی تھی۔ اس کے بعد طغرل نے اپنی بھتیجی ارسلان خاتون کو، جو خلیفہ کی بیوی تھی، چڑھاوے کے لیے ایک لاکھ دینار نقد اور ایک لاکھ کے جواہر دے کر رَے سے بغداد بھیجا اور اس کے ساتھ عمید الملک اور فرامرز بن کاکویہ وغیرہ بڑے بڑے اُمراء کو بھی روانہ کیا۔ ان لوگوں نے بغداد پہنچ کر اپنے آنے کی غرض بیان کی، تو خلیفہ سخت غضبناک ہوا۔ اس نے منگنی کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور یہاں تک کہا کہ اگر تم نہ مانو گے تو ہم بغداد سے چلے جائیں گے۔ اس پر عمید الملک بھی بگڑ گیا، اپنے خیمے بغداد سے اُٹھوا کر نہروان پر لگوا دیئے، اور سیاہ عباسی شعار کو اتار کر سپید شعار اختیار کر لیا جو عصیان کی صریح علامت تھی۔ قاضی القضاۃ اور شیخ ابومنصور بن یوسف نے یہ رنگ دیکھ کر مصالحت کی کوشش کی۔ خلیفہ کے وزیر ابن دراست

نے بھی عمید الملک کو خوش کرنے کے لیے اس کی دعوت کی۔ اور ان لوگوں کے سمجھانے سے خلیفہ بھی یہاں تک نرم پڑ گیا کہ اس نے عمید الملک کو لکھا کہ "ہم یہ معاملہ تم ہی پر چھوڑتے ہیں، اور ہمیں تمہاری امانت و دیانت پر بھروسا ہے۔" اس کے بعد عمید الملک خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ خلیفہ نے اسے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ:

"ہم بنی عباس کا خاندان شریف ترین خاندان ہے۔ ہم میں یوم قیامت تک کے لیے امامت اور زعامت ہے۔ جو ہمارا دامن تھامے گا، راہِ راست پر رہے گا، اور جو ہم سے الگ ہوگا بھٹک جاتے گا۔"

جواب میں عمید الملک نے کہا کہ اگر مولانا امیر المومنین اجازت دیں تو میں بندۂ مخلص و خیر خواہ شاہنشاہ رکن الدین طغرل بک کے شرف و اعزاز کو بھی بیان کروں جس کی بنا پر وہ اس لائق ہے کہ جو خواہش اس نے کی ہے اسے قبول کیا جائے۔ خلیفہ سمجھ گیا کہ وہ اب طغرل کی خدمات بیان کرے گا جن کے ذکر سے اسے شرما شرمی اس پیغام کو قبول کرنا پڑے گا، اس لیے اس نے بات کو ٹال دیا، اور عمید الملک غضبناک ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ۲۶ رجمادی الاُخریٰ کو یہ جماعت چڑھاوے کا مال لے کر بغداد سے واپس ہوئی اور طغرل کے پاس ہمدان پہنچ کر ساری کیفیت سُنا دی۔ طغرل اس پر سخت ناخوش ہوا اور اس نے قاضی القضاۃ اور شیخ ابو منصور ابن یوسف کو لکھا کہ:

"یہ میری خدمات کا صلہ ہے جو مَیں نے خلیفہ کے لیے انجام دی ہیں۔ مَیں نے اس کی خاطر اپنے بھائی کو قتل کیا، اس کی خدمت میں اپنا مال خرچ کیا، اس کی اعانت میں اپنے جاں نثاروں کا خون بہایا، اور اس کا بدلہ مجھے یہ ملا کہ اس نے میری درخواست کو اس طرح ٹھکرا دیا۔"

ایک طرف طغرل نے یہ غضبناک خطوط لکھے، دوسری طرف عمید الملک کو حکم دیا کہ خلیفہ کو جو اقطاعات دیئے گئے ہیں، سب ضبط کر لیے جائیں، اور صرف وہ جاگیریں برقرار رکھی جائیں جو پہلے سے امام القادر باللہ کے نام پر ہیں۔ پھر حکم دیا کہ ارسلان خاتون کو خلیفہ کے پاس سے واپس بلا لیا جائے۔ قریب تھا کہ وہ اور زیادہ سخت طرزِ عمل اختیار کرتا مگر خلیفہ نے محرم ۴۵۴ھ/۱۰۶۲ء میں سپر ڈال کر اس قضیہ کو ختم کر دیا۔ اس نے عمید الملک کے نام نکاح کا وکالت نامہ لکھا، قاضی القضاۃ اور ابن یوسف نے سماعتِ ایجاب کی شہادتیں ثبت کیں، اور ابو الغنائم بن المحلبان اس دستاویز کو لے کر طغرل کے پاس پہنچا جو اس وقت تبریز کے باہر مقیم تھا۔ شعبان ۴۵۴ھ میں نکاح ہوا، اور شوال میں سلطان کی طرف سے رئیس العراقین بیش قیمت ہدایا لے کر بغداد بھیجا گیا، جن میں تیس ترکی غلام اور لونڈیاں، تیس گھوڑے، دو خادم، ایک خاصہ کا گھوڑا معہ مَوکبِ زرّین و سَرج مرصع بجواہر اور دس ہزار دینار خلیفہ کے لیے، یعقوبا کا علاقہ اور عراق کی وہ تمام جاگیریں جو سلطان کی پہلی بیوی نے چھوڑی تھیں، ایک ہار جس میں تیس موتی ایک ایک مثقال

وزنی تھے، اور دس ہزار دینار نقد دلہن کے لیے، پانچ ہزار دینار ولی عہد عُدّۃ الدین کے لیے، اور تین ہزار دینار نقد دلہن کی والدہ کے لیے تھے۔ جب رئیس العراقین بغداد کے قریب پہنچا تو اہالی شہر استقبال کو نکلے اور انہوں نے امامت و سلطنت کے درمیان مستحکم تعلقات قائم ہونے پر مبارک باد دی۔ باب النوبی پر پہنچ کر اس نے زمین چومی اور ارسلان خاتون کی معرفت یہ ہدایا بارگاہِ خلافت میں پیش کیے[1]۔

رخصتی

نکاح کے بعد طغرل چند مہینے آذربیجان اور ارمینیہ میں گزار کر محرم ۴۵۵ھ میں بغداد گیا، اور عمید الملک کی معرفت خلیفہ سے درخواست کی کہ دُلہن کو رخصت کرے۔ خلیفہ نے جواب دیا کہ تمہاری لکھی ہوئی شرائط ہمارے پاس موجود ہیں۔ اس نکاح سے تمہارا مقصد صرف یہ تھا کہ خاندانِ نبوت سے تعلق ہو جائے، سو وہ حاصل ہو گیا۔ تم شرف کے خواہشمند تھے نہ کہ اجتماع کے۔ اب اگر محض دلہن کو دیکھنا چاہتے ہو تو اس کا انتظام دار الخلافہ ہی میں ہو سکتا ہے۔ طغرل نے اس بات کو قبول کر لیا، مگر درخواست کی کہ دلہن کو دار المملکت میں منتقل کر دیا جائے، جہاں اس کے لیے محلات، خدام، خواص اور حُجّاب علیحدہ مقرر کیے جائیں۔ چنانچہ ۱۵ صفر کو وہ دار المملکت میں منتقل کی گئی اور ایک زرین تخت

---

[1] ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۸-۹۔ زبدۃ النصرہ، ص ۱۹-۲۲۔ راحۃ الصدور، ص ۱۱۱۔ تاریخ گزیدہ، ص ۴۴۴۔

پر بیٹھی۔ سلطان اس کے پاس حاضر ہوا، اس کے سامنے زمین کو بوسہ دیا، اور اس کو نہایت قیمتی ہدایا دیے۔ وہ نہ سلطان کے لیے اٹھی اور نہ اس نے اپنے چہرے سے نقاب اٹھائی۔ اس طرح سلطان ایک ہفتہ تک اس کے پاس جاتا رہا اور اس شرف و عزت کی خوشی میں لوگوں کو بکثرت انعامات دیتا رہا۔

طغرل کی وفات

ربیع الاول میں سلطان رَے کی جانب روانہ ہوا اور خلیفہ کی اجازت سے دلہن اور ارسلان خاتون کو بھی لے گیا۔ ارسلان خاتون نے خود جانے کی درخواست کی تھی، کیونکہ اس کو شکایت تھی کہ خلیفہ نے اسے نظروں سے گرا دیا ہے۔ رَے پہنچ کر وہ یکایک بیمار ہوا اور ستر سال کی عمر میں ۸ رمضان ۴۵۵ھ / ۱۰۶۳ء کو وفات پائی[1]۔ کہا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں سخت گرمی پڑ رہی تھی۔ سلطان نے ٹھنڈی ہوا کی خاطر رَے سے باہر طجرشت نامی گاؤں میں پڑاؤ ڈالا اور یہاں اچانک نکسیر کا ایسا سلسلہ جاری ہوا کہ کسی طرح تھم ہی نہ سکا، یہاں تک کہ قوت ٹوٹ گئی اور اس سے سلسلۂ حیات منقطع ہو گیا[2]۔ آخری وقت میں وہ اپنے تیمارداروں سے کہہ رہا تھا کہ میری مثل اس بھیڑ کی سی ہے جو صوف اتارنے کے لیے

---

[1] ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۹-۱۰۔ زبدۃ النصرہ، ص ۲۵-۲۶۔ راحۃ الصدور۔ تاریخ گزیدہ اور روضۃ الصفا کے مصنفین نے غایت اختصار کی کوشش میں اس بیان کا بُری طرح مُثلہ کیا ہے۔

[2] راحۃ الصدور، ص ۱۱۲۔ تاریخ گزیدہ، ص ۴۳۹۔

باندھی جاتی ہے اور وہ سمجھتی ہے کہ اسے ذبح کرنے کے لیے باندھا جا رہا ہے اس لیے خوب تڑپتی ہے، اور جب اسے کھول دیا جاتا ہے تو خوش ہو جاتی ہے۔ پھر جب اسے دوبارہ ذبح کرنے کے لیے باندھا جاتا ہے تو وہ سمجھتی ہے کہ صوف اُتارنے کے لیے باندھا گیا ہے، اس لیے چپکی پڑی رہتی ہے اور ذبح کر دی جاتی ہے۔ اس مرض میں میرے ہاتھ پاؤں بھی ذبح کے لیے باندھے گئے ہیں۔[1]

طغرل کی سیرت

طغرل غیر معمولی قابلیتوں کا انسان تھا۔ اس نے جس کامیابی کے ساتھ سلجوقیوں کی رہنمائی کر کے غزنویوں کا تختہ اُلٹ دیا اور ۲۶ سال کی مدّتِ حکمرانی میں جس طرح تمام مشرقِ اوسط کو زیر و زبر کر کے ایک طاقتور سلطنت قائم کر دی، وہ اس کی سیاست و تدبیر، جرأت و بسالت، اور اعلیٰ درجہ کی قائدانہ صلاحیتوں پر دلالت کرتی ہے۔ وہ ۳۰ سال پہلے اپنے قبیلہ کے چند ہزار خانہ بدوش اور بے سر و سامان افراد کے ساتھ جس حال میں خراسان آیا تھا اس کی کیفیت بابِ گذشتہ میں تفصیل سے بیان ہو چکی ہے۔ ۵ سال کی مختصر مدت میں اس نے چغری بک داؤد اور موسیٰ بیغو کے ساتھ مل کر دولتِ غزنویہ کو شکست دی، اور حاصل شدہ ملک کو جو صرف خراسان کے صوبے پر مشتمل تھا، نہایت تدبیر کے ساتھ آپس میں تقسیم کر کے اپنے لیے صرف وہ چھوٹا سا علاقہ رہنے دیا جو طوس اور رَے کے درمیان واقع تھا۔ اس چھوٹے سے علاقے سے اس نے

[1] زبدۃ النصرہ، ص ۲۷۔

اپنی ذاتی سلطنت کی توسیع کا سلسلہ شروع کیا، اور ۲۴ سال کی مدت میں جُرجان، طَبَرستان، آذربیجان، ارمینیہ، جبال، اصفہان، کردستان، فارس، کرمان، خوزستان، عراق اور الجزیرہ کو فتح کیا، دولتِ بُوَیہیہ کو پامال کیا، روم اور اَبخاز کی سلطنتوں کو نیچا دکھایا اور خلیفۂ بغداد کی خدمت و حفاظت کا کام اپنے ہاتھ میں لے کر دنیائے اسلام میں مرکزی حیثیت اختیار کر لی۔ ایک بدوی الاصل ترکی سپاہی کا صحرا کے ایک معمولی سردارِ قبیلہ کی حیثیت سے چل کر ربع صدی کے اندر اتنی طاقت حاصل کر لینا خود اس بات کی روشن دلیل ہے کہ اس کے اندر حالات کو سمجھنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی غیر معمولی قابلیت تھی۔

فاتح اور فرمانروا ہونے کے علاوہ بھی وہ ایک انسان کی حیثیت سے اپنے اندر بہت سی خوبیاں رکھتا تھا۔ اس کی سیرت میں بُردباری اور رازداری کی صفات بہت نمایاں ہیں۔ قاضی ابوالحسن ماوَردی کہتے ہیں کہ ۴۳۳ھ میں جب خلیفہ قائم بامر اللہ نے اوّل اوّل مجھے اس کے پاس سفیر بنا کر بھیجا تھا تو میں نے اس کے متعلق خلیفہ کو ایک خط لکھا تھا جس میں اس کی اور اس کے نظمِ مملکت کی بہت کچھ بُرائیاں کی تھیں۔ یہ خط اتفاقاً میرے ملازم کے ہاتھ سے گر گیا اور طغرل تک پہنچا دیا گیا۔ اس نے خط کو پڑھا اور اسے اپنے پاس محفوظ کر لیا، مگر کبھی اپنی کسی بات سے یہ ثابت نہ ہونے دیا کہ وہ اس تحریر سے واقفیت رکھتا ہے۔[1]

[1] ابن اثیر، ج ۱۰۔ ص ۱۱۔ زبدۃ النصرہ، ص ۲۷۔

اس کے ساتھ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ فیاضی و دریا دلی سے کس طرح دشمن کو رام کیا
جاسکتا ہے۔ شاہ انجاز جب ابراہیم اینال کے ہاتھ گرفتار ہوا تو ابراہیم نے
اس کی رہائی کے لیے چار لاکھ دینار کا فدیہ بھی کافی نہ سمجھا تھا۔ مگر طغرل نے قیصرِ
روم کی درخواست پر اسے بلا فدیہ رہا کر دیا اور اعزاز کے ساتھ رخصت کیا۔
اس کا اثر یہ ہوا کہ سلطنتِ رُوم سے اس کے دوستانہ تعلقات قائم ہوگئے
اور ان تعلقات نے خارجی سیاست میں اس کے اثرات کو بہت کچھ بڑھا
دیا۔

مؤرخین نے اس کی دینداری کا بھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ وہ نماز
کا بہت پابند تھا اور دوشنبہ و جمعرات کے روزے بالالتزام رکھتا تھا لیکن
اس دینداری کے دامن پر بدعہدی اور ظلم وستم کے کچھ دھبے بھی نظر آتے
ہیں جو یقیناً بہت بدنما ہیں۔

طغرل کی کامیابی کے اسباب

نیشاپور کی فتح سے لے کر طغرل کی وفات تک ۲۶ سال چند مہینے کی
مدت میں سلجوقیوں کو جو کامیابی نصیب ہوئی اس کی پوری رُوداد پڑھنے سے
معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی اتفاقی کامیابی نہ تھی، بلکہ اس کے خاص اسباب
تھے۔ سلجوقی سرداروں نے خراسان فتح کرنے کے بعد بڑی عقلمندی یہ کی کہ
آپس میں ملک کو بانٹ لیا اور اپنے لیے الگ حلقہائے نفوذ متعین کرلیے۔
اس سے یہ فائدہ ہوا کہ اُن کے مابین تنافس اور تصادم کے امکانات دُور
ہوگئے، اور وہ ایک دوسرے کی طرف سے مطمئن ہوکر اپنی قوت ہمسایہ

ممالک کی تسخیر پر صرف کرنے لگے۔ خراسان ان کی قوت کا اصلی مرکز تھا جہاں نہ
صرف یہ کہ ان کا قلب ہر طرح سے محفوظ تھا بلکہ ہر ایک کی پشت پر دو دو
مددگار موجود تھے جنہیں بوقتِ ضرورت بلایا جاسکتا تھا۔ ایک طرف سلجوقیوں
کا جتھا اس طرح بندھا ہوا تھا، اور دوسری طرف ہمسایہ ممالک کا یہ حال تھا
کہ ہر طرف چھوٹی چھوٹی ریاستیں پھیلی ہوئی تھیں جن میں کوئی اتحاد نہ تھا، بلکہ
اکثر وبیشتر اُن کے درمیان باہم رقابتیں اور دشمنیاں تھیں۔ بغداد میں ایک بڑی
دیلمی سلطنت ضرور موجود تھی، مگر جلال الدولہ کے مرنے کے بعد اس کی رہی سہی
قوت کا بھی خاتمہ ہوچکا تھا۔ ابوکالیجار نے سلجوقیوں سے صلح و آشتی قائم کرکے
اسے سنبھالنے کی کوشش کی۔ مگر اس کے مرنے کے بعد الملک الرحیم اور اس کے
بھائیوں میں جو خانہ جنگی برپا ہوئی اس نے اِس سلطنت کو خود اس طرح مُردہ کر
دیا کہ طغرل کو صرف اُس کی تجہیز وتکفین کی زحمت اٹھانی پڑی۔ ان حالات میں
سلجوقی سلطنت کا اتنی جلدی اور اتنی آسانی کے ساتھ پھیل جانا ایک قدرتی
امر تھا۔ اس کامیابی میں سلجوقیوں کی عقلمندی کو جتنا دخل تھا، اتنا ہی ان کے
حریفوں کی بے وقوفی کو بھی تھا۔

طغرل کا نظامِ سلطنت

اب ایک نظر طغرل کے نظامِ سلطنت پر بھی ڈال لیجیے۔ افسوس ہے
کہ قدیم تاریخوں میں اس کے نظم ونسق کی پوری تفصیلات محفوظ نہیں ہیں تاہم
ان کے غائر مطالعہ سے جو کچھ معلومات حاصل ہوتی ہیں ان سے اس کا ایک
دھندلا سا خاکہ ذہن میں آجاتا ہے۔

طغرل نے اپنی سلطنت میں دیوانی اور فوج کو بالکل الگ رکھا تھا۔ فوج براہِ راست اس کی اپنی نگرانی میں تھی، اور وہ خود اپنا سپہ سالارِ اعلیٰ تھا۔ رہی دیوانی، تو اس کے سارے اختیارات وزیرِ اعظم کے سپرد تھے۔ اس کا قاعدہ تھا کہ کارداں اور منتظم آدمیوں کو انتخاب کر کے وزارت کا کام ان کے سپرد کر دیتا تھا اور ان کے اختیارات میں مداخلت نہ کرتا تھا۔ ابتدائی زمانہ میں اس کا وزیر سالار تورکان (یا سالار بوژکان) تھا اور غالباً سات سال تک وہی اس خدمت کو انجام دیتا رہا۔ اس کے بعد ۴۳۶ھ میں ابوالقاسم علی بن عبداللہ الجُوَینی کو وزیر مقرر کیا جس کی وجہ غالباً یہ ہو گی کہ اس نے اسلام کے مہذب ممالک پر حکمرانی کے لیے انہی ملکوں کے لائق مدبرین کی خدمات حاصل کرنے کی ضرورت محسوس کی ہو گی۔ ابوالقاسم کے بعد ابو عبداللہ الحسین بن علی بن میکائیل، اور ابو محمد الحسن بن محمد الدہستانی (جس کو اسلام میں سب سے پہلے نظام الملک کا خطاب ملا تھا)، یکے بعد دیگرے وزیر ہوتے۔ اور آخر میں عمید الملک ابو نصر محمد بن منصور بن محمد الکُندری اس منصب پر سرفراز ہوا[1] جو دولتِ سلجوقیہ کے قابل ترین وزراء میں سے تھا۔ اس نے جس مہارت و قابلیت کے ساتھ اپنے ایامِ وزارت میں سلجوقیوں کے سیاسی و انتظامی امور کی تدبیر کی اس کو دیکھ کر طغرل نے اپنی سلطنت کے نظم و نسق کا سارا کاروبار اس کے سپرد کر دیا تھا۔ اس کی وفات تک وہ سلطنت کا سب سے زیادہ

---

[1] راحۃ الصدور، ص ۱۰۸ - ابن اثیر، ج ۹، ص ۲۱۹۔

بااثر آدمی رہا۔ اُمراء میں سے کوئی اس کی بات میں دخل نہ دے سکتا تھا اور امورِ مملکت میں خود طغرل بھی اس کی رائے کے خلاف کام نہ کرتا تھا[1]۔

طغرل کے ماتحت سلجوقی مقبوضات تین اقسام پر منقسم تھے۔ ایک قسم میں وہ خود مختار ریاستیں تھیں جن کو اپنے داخلی و خارجی اُمور پر مستقل اختیارات حاصل تھے اور طغرل کا اقتدار ان پر صرف اس قدر تھا کہ وہ اس کو اپنا بڑا مانتی تھیں۔ ان ریاستوں کے مالک وہ دو سلجوقی سردار تھے جنہوں نے طغرل کے ساتھ مل کر اس ملک کو فتح کیا تھا، یعنی چغری بک داؤد اور موسیٰ بیغو۔ مقدم الذکر ریاست کا صدر مقام مَرو تھا اور خوارزم سے لے کر طخارستان تک اس کے حدود پھیلے ہوئے تھے۔ اس کے رئیس چغری بک نے طغرل کی زندگی ہی میں انتقال کیا[2]۔ اور اس کی جگہ اس کے بڑے بیٹے اَلپ اَرسلان کو گدّی ملی۔ موخر الذکر کا صدر مقام ہرات تھا اور وہ جنوبی خراسان، قُہستان کے ایک حصّے اور سیستان کے ایک جزو پر مشتمل تھی اس کا رئیس طغرل کے بعد تک زندہ رہا۔

دوسری قسم میں وہ نیم مختار ریاستیں شامل تھیں جن کو طغرل نے بزورِ شمشیر

---

[1] ابن خلکان حرف م، ترجمہ عمید الملک۔

[2] چغری بک داؤد کے انتقال کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ عماد کاتب ۴۵۰ھ لکھتا ہے، حمداللہ مستوفی ۴۵۳ھ بتاتا ہے اور بعض مورخین صفر ۴۵۲ھ لکھتے ہیں، مگر صحیح یہ ہے کہ اُس نے رجب ۴۵۱ھ میں انتقال کیا جیسا کہ ابن اثیر اور ابوالفدا نے بتصریح بیان کیا ہے۔

مغلوب کیا تھا، یا جنہوں نے اس کے زورِ شمشیر کو دیکھ کر خود اطاعت قبول کرلی تھی۔ ان رئیسوں کو ان کی ریاستوں پر برقرار رکھا گیا، اور اندرونی نظم ونسق میں انہیں آزادی حاصل رہی۔ مگر چونکہ ان کی وفاداری محض مجبورانہ تھی، اس لیے ان پر سختی کے ساتھ نگرانی رکھی جاتی تھی، ان سے خراج لیا جاتا تھا، بوقتِ ضرورت انہیں جنگی خدمات کے لیے طلب کیا جاتا تھا، اور دشمن ریاستوں کے ساتھ تعلقات رکھنے سے روکا جاتا تھا۔ یہ ریاستیں جرجان، طبرستان، اصفہان، فارس، خوزستان، عراق، کردستان، آذربیجان، الجزیرہ، اور ارمینیہ کے مختلف علاقوں میں قائم تھیں اور ان کا کوئی مستقل وجود نہ تھا، کیونکہ سیاسی اغراض کے لیے انہیں برقرار رکھا جاتا اور جب وہ اغراض باقی نہ رہتیں تو انہیں مٹا دیا جاتا تھا۔ بسا اوقات وہ خود معاندانہ رویہ اختیار کرلیتی تھیں اور یہ ان کی بربادی کا موجب ہوتا تھا۔ گذشتہ صفحات میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے ان ریاستوں کے حالات پر تھوڑی بہت روشنی پڑتی ہے۔

تیسری قسم میں وہ علاقے تھے جو براہِ راست سلطان کے زیرِ حکومت تھے۔ نیشاپور، شمالی قہستان، رَے، ہمدان، زنجان اور آخر میں بغداد و موصل کے اعمال اس قسم میں داخل تھے اور ممکن ہے کہ ان کے علاوہ دوسرے صوبوں کے بھی کچھ اعمال اس قسم میں داخل ہوں۔ ان پر خاص سلطان کی طرف سے فوجی اور دیوانی حکام مقرر ہوتے تھے اور رعایا سے مال گزاری وصول کی جاتی تھی۔

باب سوم
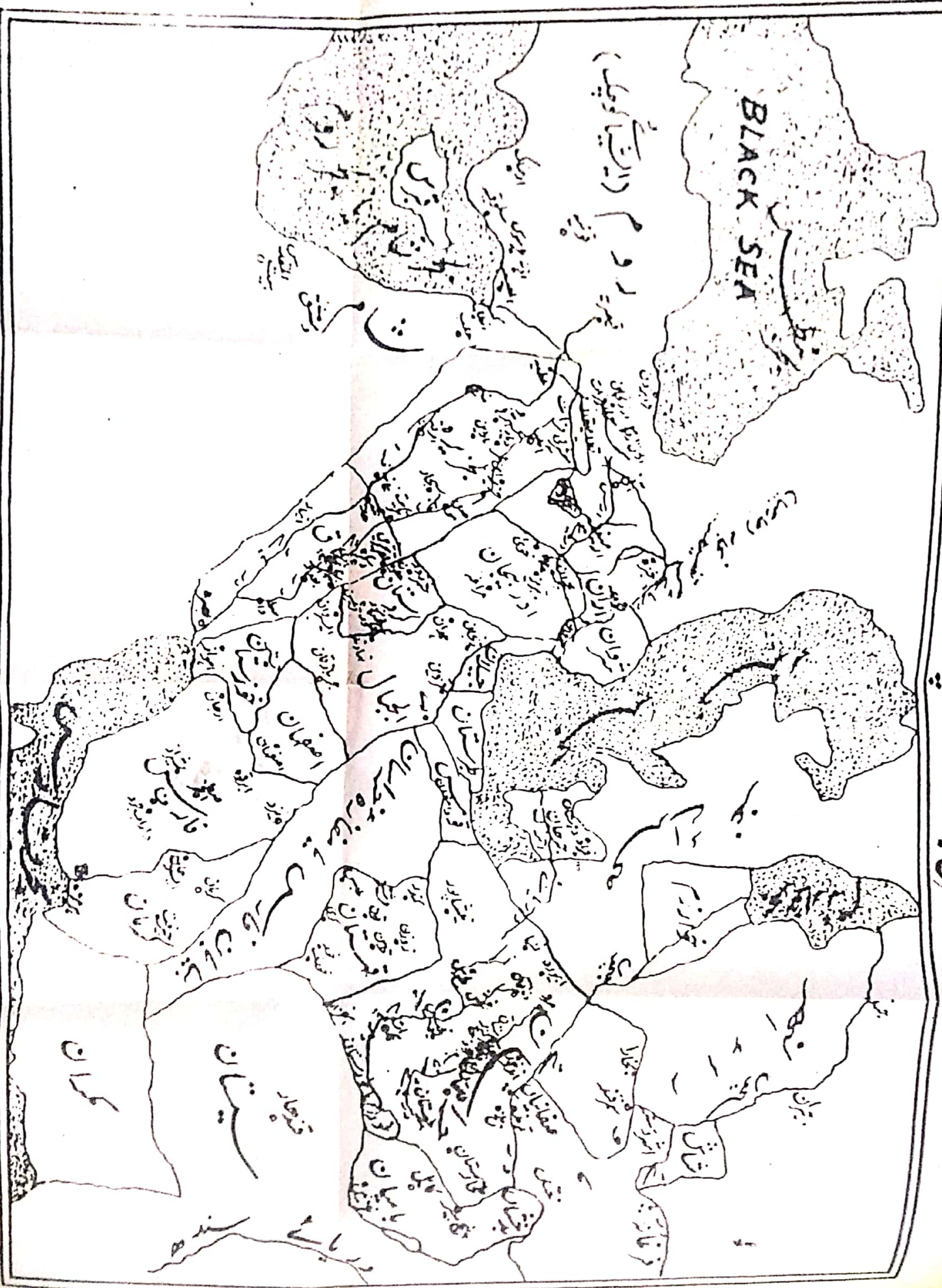
دَورِ عرُوج

اَلپ ارسلان

۴۵۵ھ / ۱۰۶۳ء — ۴۶۵ھ / ۱۰۷۲ء

طغرل بِک لاولد تھا، اس لیے لامحالہ اس کو اپنے بھائی چغری بک داؤد کی اولاد میں سے کسی کو اپنا جانشین منتخب کرنا پڑا۔ داؤد کے کئی بیٹے تھے جن میں سے اَلپ ارسلان، یاقوتی، قاورت بک، اور سلیمان سن رشد کو پہنچ چکے تھے۔

اَلپ ارسلان ۴۵۱ھ / ۱۰۵۹ء میں چغری بِک کے انتقال کے بعد ریاست مَرو کا وارث ہوا تھا اور غالباً طغرل کی یہ خواہش تھی کہ مَرو کی ریاست بدستور الگ ہی رہے، اس لیے اَلپ ارسلان کی قابلیت کا معترف ہونے کے باوجود اُسے اپنی جانشینی کے لیے منتخب کرنا نہیں چاہتا تھا۔ باقی لڑکوں میں اس کو سب سے زیادہ تعلق سلیمان سے تھا، کیونکہ چغری بک کی وفات کے بعد طغرل نے سلیمان کی ماں سے نکاح کر لیا تھا۔ لہٰذا وفات کے وقت طغرل نے اسی کے لیے وصیّت کر دی تھی، اور اس کے مطابق عمید الملک وزیر نے اسے رَے کے تخت پر بٹھا

دیا تھا[1]۔ لیکن بعض اُمراء نے اس سے اختلاف کیا اور ان میں سے باغیسیان اور اَنْدَوَم نے قَزْدِین جا کر اَلْپ ارسلان کا خطبہ جاری کر دیا۔ چونکہ اکثریت اسی کی طرف مائل تھی اور وہ خراسان میں زبردست طاقت کا مالک تھا، اس لیے عمید الملک کو بھی ضرورت محسوس ہوئی کہ اپنے پہلے فعل کی تلافی کرے، چنانچہ اس نے خطبے میں سلیمان کے نام سے پہلے اَلْپ ارسلان کا نام لینا شروع کر دیا[2]۔

بغاوتوں اور خانہ جنگیوں کا استیصال

ایک طرف سلطنت میں یہ دو عملی رونما ہوئی۔ دوسری طرف طغرل بک کی موت کا حال سنتے ہی ہر طرف بغاوتیں پھوٹ پڑیں۔ خُتلان اور صَغانیان دیا چغانیان، کے اُمراء نے طوقِ اطاعت اُتار پھینکا۔ ہرات میں موسیٰ بیغو تخت کا دعویدار ہوا، اور گرد کوہ میں قُتُلْمُش بن اسرائیل نے دجو داؤد کا چچا زاد بھائی اور اَلْپ ارسلان کا چچا تھا، ترکمانوں کی جمعیت اکٹھی کر کے اپنی شاہی کا عَلَم بلند کر دیا۔ اَلْپ ارسلان نے پہلے امیر خُتلان کو قتل کر کے اس کے علاقہ پر قبضہ کیا۔

---

[1] ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۱۰ و ۱۱۔ ابو الفدا، ج ۲، ص ۱۸۰۔ زبدۃ النصرہ، ص ۲۶-۲۷۔ تاریخ گزیدہ، ص ۴۳۸-۴۳۹۔ ابن خلکان ترجمۂ الپ ارسلان حرف م۔ روضۃ الصفا کے مصنف نے غلط لکھا ہے کہ طغرل نے اَلْپ ارسلان کے لیے وصیت کی تھی۔ اور صاحب راحۃ الصدور نے غلطی سے سلیمان کو طغرل کا بیٹا لکھا ہے، حالانکہ وہ مذکورۂ بالا چاروں مؤرخوں کی تصریح کے مطابق اس کا گیلڑ تھا۔

[2] ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۱۱-۱۲۔ زبدۃ النصرہ، ص ۲۸۔ ابن خلکان، ترجمۂ الپ ارسلان۔

پھر بیغو کی سرکوبی کو گیا اور اُسے مغلوب کر کے ہرات کی ریاست پر برقرار رہنے دیا۔ اس کے بعد پلٹ کر امیرِ صَغانیان پر حملہ کیا اور اسے قتل کر کے اس کے پورے علاقے کو براہِ راست اپنے دستِ تصرف میں لے لیا[1]۔

مشرق کی طرف سے فارغ ہو کر اس نے مغرب کا رُخ کیا، تاکہ اس دو عملی کو ختم کر کے دولتِ سلجوقیہ کے تمام مقبوضات کی سلطنت کو ایک مرکز پر جمع کر دے۔ ابھی نیشاپور ہی تک پہنچا تھا کہ قُتُلْمُش کے خروج کی خبر آئی اور معلوم ہوا کہ وہ ایک فوجِ گراں کے ساتھ رَے پر قبضہ کرنے کے لیے بڑھ رہا ہے۔ اَلْپ ارسلان نے یہ اطلاع پاتے ہی اپنی فوج کے ایک حصہ کو تیزی کے ساتھ روانہ کیا جو یلغار کرتا ہوا بیابان سے گزر کر قتلمش سے پہلے رَے پہنچ گیا۔ ادھر وہ محرم سنہ ۴۵۶ھ میں قُومِس ہوتا ہوا رے کی طرف بڑھا اور دامغان پہنچ کر قُتُلْمُش کو خط و کتابت کے ذریعہ راہ راست پر لانے کی کوشش کی۔ مگر اس نے اپنے ترکمانوں کی فوج کے گھمنڈ پر ان باتوں کی طرف توجہ نہ کی اور رَے کے قریب ایک پہاڑی ندی کے پانی کو پھیلا کر اپنے سامنے ایک قدرتی خطِ مدافعت کھینچ لیا۔ جب اَلْپ ارسلان نے جنگ کے سوا کوئی صورت نہ دیکھی تو بڑھ کر حملہ کیا اور پانی کو بے تکلّف عبور کرتا ہوا قتلمش کے سر پر پہنچ گیا۔ لڑائی ہوئی، جس میں ترکمان شکست کھا کر گرد کوہ کی طرف بھاگ گئے اور قتلمش مارا گیا۔ اَلْپ ارسلان کو اس

---

[1] ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۱۳-۱۴۔ ابو الفداء، ج ۲، ص ۱۸۴۔

کی موت کا بہت رنج ہوا، خوب رویا اور اس کے لیے مجلس عزا منعقد کی۔[1]

رَے پر قبضہ اور عَمید الملک کی گرفتاری

اواخر محرم میں اَلپ ارسلان فاتحانہ شان کے ساتھ رَے میں داخل ہوا اور سلیمان کو معزول کر کے خود تخت پر متمکن ہو گیا۔ اب عَمید الملک نے کوشش کی کہ اس سے صفائی کر لے اور سلیمان کو تخت نشین کرنے سے اس کے دل پر جو غبار آ گیا ہے اسے دھو ڈالے۔ چنانچہ وہ اس کے وزیر نظام الملک کے پاس (جو اس وقت صرف حسن بن علی طوُسی تھا) سعی و سفارش چاہنے کے لیے پہنچا اور الپ ارسلان کے دوسرے اُمراء کو بھی روپے کے زور سے پرچانے کی تدبیر کرنے لگا۔ مگر اس کا یہ طرزِ عمل مصیبت کو دُور کرنے کے بجائے اسے زیادہ تیزی کے ساتھ لانے کا باعث ہوا۔ الپ ارسلان کو اس کی ان ریشہ دوانیوں سے کچھ اور بدگمانی ہو گئی، اس نے محرم سنہ ۴۵۶ھ کے آخر یا صفر کی ابتدا میں اسے گرفتار کر کے مَرو الرُّود بھیج دیا جہاں وہ سال کے اختتام تک قید رہا اور ۱۶ ذی الحجہ سنہ ۴۵۶ھ کو قتل کر دیا گیا۔[2]

---

[1] ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۱۴-۱۵۔ ابوالفدا، ج ۲، ص ۱۸۴-۱۸۵۔ ابن خلکان ذکر الپ ارسلان۔ زبدۃ النصرہ ص ۲۸-۲۹۔ تاریخ گزیدہ، ص ۴۳۹۔ یہی قتلمش ہے جس کی اولاد بعد میں سلطنت روم کی مالک ہوئی اور سلاجقۂ روم کے نام سے مشہور ہوئی۔

[2] قتل کے وقت عمید الملک کی عمر ۴۰ سال سے کچھ زیادہ تھی۔ آٹھ سال[3]

بغداد میں خطبہ

اس انتظام سے فارغ ہو کر سلطان نے خلیفہ قائم بامر اللہ کو راضی

ء تک طغرل بک کا وزیر رہا۔ اعلیٰ قابلیت کا آدمی تھا۔ ابن خلکان اس کے متعلق کہتا ہے: "کان من رجال الدھر جُوداً و سخاءً وکتابۃً وشھامۃً" لیکن اپنی سوء تدبیر اور تنگ نظری سے اس نے بہتوں کو اپنا مخالف بھی بنا لیا تھا چنانچہ اس نے پہلے طغرل بک سے اہلِ تشیُّع پر خطبے میں لعنت کرنے کا فرمان حاصل کیا۔ پھر شافعی اور اشعری مذاہب کو بھی اس لعن میں شامل کر لیا جس سے امام ابوالقاسم قُشَیری اور امام الحرمین ابوالمعالی الجُوَینی جیسے لوگ ہجرت کر کے خراسان چلے گئے۔ ان باتوں سے ایک بڑی جماعت اس کی مخالف ہو گئی اور آخر یہی مخالفت اس کے زوال میں مددگار ہوئی۔ کہتے ہیں کہ جب دو غلام اس کو قتل کرنے کے لیے اس کے حجرے میں داخل ہوئے تو اس نے وصیت کی کہ سلطان کو میرا آخری پیغام پہنچا دینا کہ "آپ کے خاندان کی خدمت سے مجھے دُہرا فائدہ حاصل ہوا۔ آپ کے چچا نے مجھے دنیا دی اور اب آپ کی بدولت مجھے دین مل رہا ہے۔" اسی طرح اس نے نظام الملک کے لیے یہ پیغام دیا کہ "تم نے بہت بُرا کیا کہ ان ترک بادشاہوں کو وزیروں کے قتل کی چاٹ لگا دی۔ جو شخص دوسرے کے لیے کنواں کھودتا ہے وہ خود بھی اسی میں گرتا ہے۔" (ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۱۲-۱۳۔ زبدۃ النصرہ، ص ۲۹-۳۰۔ ابوالفدا ج ۲، ص ۱۸۴۔ ابن خلکان ذکر محمد بن منصور کُندُرِی۔ ان کے علاوہ اس واقعہ کو تھوڑے اختلاف کے ساتھ ابن الرّاوَندی (ص ۱۱۷-۱۱۸) مُستَوفی (ص ۴۳۹) اور میر خوند (ج ۴، ص ۹۶) نے بھی بیان کیا ہے۔

کرنے کی فکر کی کیونکہ ابھی تک بغداد میں اس کی سلطنت تسلیم نہیں کی گئی تھی اور اس کا خطبہ جاری ہوا تھا۔ سلطان نے اس کے لیے یہ تدبیر کی کہ خلیفہ کی بیٹی کو انتہائی عزت و احترام کے ساتھ متعدد اُمراء کی حفاظت میں بغداد واپس کیا اور رئیس العراقَین کی معرفت پیغام بھیجا کہ میں نے عَمِید الملک کو صرف اس یقین کی بنا پر گرفتار کیا ہے کہ وہ خلیفہ کی اجازت کے بغیر سیّدہ کو رَے لے آیا تھا۔ خلیفہ اس بات سے بہت خوش ہوا اور ۷ رجمادی الاولیٰ کو اس نے دربارِ عام منعقد کیا جس میں اَلپ ارسلان کے ایلچی حاضر ہوئے۔ اُس کی سلطنت باقاعدہ تسلیم کی گئی۔ اس کو الولد المُؤیَّد ضیاء الدین عَضُد الدولہ کے خطابات اور پارچہائے خلعت عطا کیے گئے اور بغداد میں اس کا خطبہ جاری ہو گیا۔ اس کے بعد خلیفہ کی طرف سے نقیب طَرّاد الزَّینَبی کو بیعت لینے اور خلعت پہنانے کے لیے سلطان کے پاس بھیجا گیا، اور وہ سلطان سے آذربیجان کے علاقے میں نخچوان کے مقام پر جا کر ملے[1]۔

مسیحی ارمینیہ اور گُرجستان پر حملہ

ربیع الاوّل ۴۵۶ھ / ۱۰۶۴ء میں سلطان رَے سے آذربیجان کی طرف روانہ ہوا۔ مَرَند پر طُغدگین نامی ایک ترکمان امیر نے حاضر ہو کر اسے سلطنت رُوم پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا۔ یہ امیر روم کی سرحد پر رہتا تھا، اس ملک کی حربی وضعیت سے خوب واقف تھا، اور اس کے ساتھ بہت سی کارآزمودہ

---

[1] ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۱۴۔ ابوالفدا، ج ۲، ص ۱۸۴۔

فوج تھی جسے رومیوں کی جنگ کا خوب تجربہ تھا۔ سلطان نے اس کا مشورہ قبول کر لیا اور اس کی معیت میں دریائے اَرَس (ARAXES) کو عبور کر کے نخچوان پہنچا۔ وہاں سے اس نے اپنے بیٹے ملک شاہ اور وزیر نظام الملک کو اَبخاز (جارجیا) بھیجا، اور انہوں نے پیہم قلعوں پر قلعے فتح کر کے اَبخاز کے فرمانروا بقراط (BOGARTIV) کو اس قدر عاجز کر دیا کہ اس نے خود صلح کی درخواست کی، سالانہ جزیہ ادا کرنا قبول کیا، اور اپنی بیٹی کو سلطان کے نکاح میں دے دیا[1]۔ اس کے بعد سلطان نے ملک شاہ اور نظام الملک کو واپس بلا لیا اور پوری فوج کے ساتھ مسیحی ارمینیہ[2] میں پیش قدمی شروع کی۔ سپید شہر کو فتح کرتا ہوا آعال لآل پر بڑھا جو دو طرف پہاڑوں سے اور دو جانب دریا سے گھرا ہوا تھا اور اطراف میں بلند پہاڑیوں پر زبردست قلعے بنے ہوئے تھے۔ سلطان نے دریا پر پل بندھوا کر دوسری جانب لشکر اُتارا اور شہر پر حملہ کیا۔ کچھ دیر تک شدید جنگ ہوتی رہی، پھر اہلِ شہر کی طرف سے دو آدمیوں نے کھڑے ہو کر طلب

---

[1] عماد کاتب اور حمد اللہ مُستَوفی کا بیان ہے کہ اس گرجی شہزادی کو بعد میں اَلپ ارسلان نے طلاق دے دی اور اس کے حکم سے نظام الملک نے اس کے ساتھ شادی کر لی (زبدة النصرہ، ص ۳۱۔ تاریخ گزیدہ، ص ۴۴۱)

[2] اس زمانہ میں ارمینیہ کے دو حصے تھے۔ اسلامی آرمینیہ کا دارالحکومت دُبَیل تھا اور مسیحی ارمینیہ کا آنی۔

امان کی علامت بلند کی۔ سلطان نے اس پر یقین کر لیا اور فوج کا ایک دستہ شہر کا قبضہ حاصل کرنے کے لیے روانہ کیا۔ مگر فصیل سے گزرتے ہی ان لوگوں نے دروازے بند کر لیے اور گھیر کر سب کو مار ڈالا۔ اس کے بعد وہ نکل کر دفعتہً سلطانی فوج پر ٹوٹ پڑے۔ یہاں سب صلح کے اطمینان پر تھے۔ اس اچانک حملے نے کچھ دیر کے لیے ساری فوج میں ہلچل برپا کر دی۔ سلطان اس وقت نماز میں مشغول تھا۔ اِس ابتری کے باوجود اس کے اطمینانِ قلب میں کوئی فرق نہ آیا اور پورے سکون و وقار کے ساتھ نماز ادا کرتا رہا۔ پھر مصلّے سے اُٹھ کر گھوڑے کی پیٹھ پر آیا اور اس کے آتے ہی بساطِ جنگ کا رنگ بدل گیا۔ شدید مقابلے کے بعد اہلِ شہر نے شکست کھائی اور غضب ناک فاتح فوجوں نے شہر میں گھس کر آگ لگا دی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اہل شہر کی غدّاری اور ایک پوری پلٹن کو دھوکے سے قتل کر دینے پر سلجوقی فوج آپے سے باہر ہو گئی تھی اور سلطان ان کے جوش کو قابو میں نہ لا سکتا تھا، ورنہ وہ ہمیشہ مفتوحین کے ساتھ شریفانہ سلوک کرنے کا عادی تھا۔

رجب میں الپ ارسلان نے مغربی گرجستان میں پیش قدمی کر کے قرص (KARS) کے علاقے کو فتح کیا اور پھر پلٹ کر شہر آنی پر آیا جو مسیحی ارمینیہ کا صدر مقام تھا اور آرزن الروم کے قریب دریائے ارس کے کنارے واقع تھا۔ اِس شہر کی عظمت کا یہ حال تھا کہ صرف کنیسوں کی تعداد پانچ سو تک پہنچتی تھی۔ اس کے چاروں طرف پانی تھا اور صرف ایک پُل کے ذریعے آمد و رفت ہوتی تھی۔ سلطان نے اس کے لیے لکڑی کا ایک بہت

بڑا برج بنوایا اور اس پر منجنیق رکھوا کر فصیل پر سنگ باری شروع کی۔ رومی اس پیہم بارش سے گھبرا کر دیوار پر سے ہٹ گئے۔ ان کے ہٹتے ہی نقب زنوں نے فصیل کی جڑ میں شگاف کر دیا جس سے سلجوقی فوجیں شہر میں گھس گئیں اور یہ زبردست جنگی مقام بزورِ شمشیر فتح ہو گیا[1]۔ اس فتح نے ارمینیہ کی قدیم مسیحی ریاست بقارطہ (BAGARTIDS) کا خاتمہ کر دیا۔

یہاں پہنچ کر الپ ارسلان نے جنگ کا سلسلہ ختم کر دیا اور اسی سال اصفہان واپس ہو کر کرمان اور پھر مَرْو گیا جہاں اس نے اپنے بڑے بیٹے ملک شاہ کی شادی طفغاج خان[2] شاہ ماوراء النہر کی بیٹی سے، اور دوسرے بیٹے ارسلان شاہ کی شادی سلطان ابراہیم غزنوی کی بیٹی[3] سے کی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ غزنویوں اور سلجوقیوں میں رشتہ داری کے تعلقات قائم ہوئے اور دونوں خاندانوں کی عداوت، دوستی و قرابت میں بدل گئی۔

---

[1] ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۱۵-۱۷۔ زبدۃ النصرہ، ص ۳۱۔ تاریخ گزیدہ، ص ۴۴۱۔ مسلمان مؤرخ اس جنگ میں صرف جارجیا اور ارمینیہ کی فتح کا تذکرہ کرتے ہیں مگر گبن کہتا ہے کہ سلجوقی فوجوں نے اس حملے میں قیصریہ تک کو فتح کر لیا تھا جو قبازق (CAPPADOCIA) کا دارالحکومت تھا (ج ۶، ص ۲۵۲، ورلڈ کلاسکس)۔

[2] طفغاج خاں کا ذکر ملک شاہ کے حالات میں آئے گا۔

[3] ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۱۷۔ روضۃ الصفا، ج ۴، ص ۹۶۔

ماوراء النہر اور ترکستان

سنہ ۴۵۷ھ میں الپ ارسلان نے اپنے آبائی وطن کا رُخ کیا اور جیحوں پار کر کے پوری مملکت ماوراء النہر کا دورہ کرتا ہوا سیحوں کے کنارے تک پہنچ گیا۔ یہاں خجند کے فرماں روا نے خود بڑھ کر اطاعت و فرمانبرداری پیش کی اور اسے سیحوں کے پار اپنے دارالمملکت میں لے گیا جہاں الپ ارسلان کے پردادا سلجوق کی قبر تھی۔ سلطان نے اسی قبر کے خیال سے اس کے اعزاز و اکرام میں بہت مبالغہ کیا اور اس کی حکومت کو بدستور برقرار رکھا۔ یہاں سے وہ صَغَران اور گرگانج ہوتا ہوا مَرو واپس آیا اور اس سفر میں کسی جنگ و جدل کے بغیر اس کے حدودِ سلطنت دریائے سیحوں کے دوسری جانب ترکستان تک وسیع ہو گئے[1]

ملک شاہ کی ولی عہدی

سنہ ۴۵۸ھ کی ابتدا میں الپ ارسلان مَرو سے رائگان دیارادگان آیا اور یہاں اس نے اپنے بڑے بیٹے ملک شاہ کو باقاعدہ ولی عہد مقرر کیا۔ شہزادہ مرکبِ شاہی پر سوار کیا گیا۔ خود سلطان اس کے ساتھ تماشہ بردار بن کر چلا۔ سونے کے مرصّع بجواہر تخت پر اسے لا کر بٹھایا گیا۔ سلطان نے ولی عہدی کا اعلان کر کے بیٹے کو قیمتی وصیتیں کیں۔ پھر تمام اُمرائے سلطنت سے ولایتِ عہد کی بیعت کرائی۔ سب کو حسبِ مراتب خلعت

---

[1] ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۲۰۔ ابو الفداء، ج ۲، ص ۱۸۵۔

بخشے اور مملکت میں احکام بھیج دیئے کہ خطبہ میں ولی عہد کی حیثیت سے ملک شاہ کا نام لیا جایا کرے[1]۔ اس موقع پر اس نے اپنے خاندان کے دوسرے شاہزادوں کو بھی مختلف ممالک کی حکومتیں بخشیں تاکہ ان کی بے اطمینانی آئندہ کسی خطرے کا سامان نہ پیدا کر دے۔ چنانچہ امیر اینانج بیغو کو مازندران، سلیمان بن داؤد کو بلخ، ارسلان اَرغُون کو خوارزم، ارسلان شاہ کو مرو، امیر الیاس کو صغانیان و طخارستان، مسعود بن ارتاش کو بغشور اور اس کے نواحی، اور مودود بن ارتاش کو اسفزار کی ولایت پر مامور کیا[2]۔

اسی سال الپ ارسلان نے شرف الدولہ مسلم بن قریش صاحب موصل کو اَنبار، ہیت، حَربی، سِنّ اور بَوازیج کی حکومت سپرد کی اور اس کو خاص اعزازات سے سرفراز کیا[3]۔

کرمان و فارس کی بغاوتیں

سنہ ۴۵۹ھ میں کرمان کے فرماں روا قرا ارسلان[4] نے اپنے وزیر کے اغوا سے

---

[1] ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۲۰۔ روضۃ الصفا، ج ۴، ص ۱۰۰۔ میر خوند کا بیان ہے کہ وہ اس سے پہلے بھی ملک شاہ کے لیے ایک مرتبہ ولایتِ عہد کی بیعت لے چکا تھا، اور دوسری مرتبہ محض اس کی تجدید کی گئی تھی (دیکھو روضۃ الصفا، ج ۴، ص ۹۹)

[2] ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۲۱۔ میر خوند کا بیان اس سے ذرا مختلف ہے (دیکھیے: روضۃ الصفا، ج ۴، ص ۹۹)۔

[3] ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۲۱، زبدۃ النصرہ، ص ۲۹۔

[4] عماد کاتب نے قرا ارسلان کے بجائے قاوُرد بن داؤد کا نام لکھا ہے۔

بغاوت کر دی اور الپ ارسلان کا خطبہ بند کر دیا۔ اس کی اطلاع پاتے ہی سلطان خود اس جانب متوجہ ہوا۔ کرمان کے قریب جنگ ہوئی اور پہلے ہی حملے میں کرمانی فوج کا طلیعہ شکست کھا کر بھاگا۔ قرا ارسلان اپنے اندر تابِ مقاومت نہ پا کر جیرفت کی طرف پسپا ہو گیا اور وہاں سے الپ ارسلان کو اطاعت کا پیغام بھیجا۔ سلطان ایک فراخ حوصلہ شخص تھا۔ اس نے نہ صرف اسے معاف کیا بلکہ ولایت کرمان پہ بدستور برقرار رکھا۔ اپنے دربار میں عزت کے ساتھ بلایا، اور اس کی بیٹیوں کے جہیز کے لیے ایک ایک لاکھ دینار نقد بیش قیمت کپڑے اور جاگیریں عطا کیں۔

اسی زمانے میں فارس میں بغاوت ہوئی اور متعدد قلعوں کے حاکم بگڑ بیٹھے الپ ارسلان کرمان سے فارغ ہو کر ادھر بڑھا اور اس نے فارس کے مشہور قلعہ اصطخر کو فتح کر لیا۔ حاکم قلعہ نے اطاعت قبول کی اور بہت سے قیمتی ہدایا پیش کیے۔ ان میں فیروزے کا ایک پیالہ بھی تھا جس پر ایران کے قدیم بادشاہ جمشید کا نام کھدا ہوا تھا۔ اصطخر کے بعد دوسرے قلعے بھی مطیع ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ قلعہ فہنزا دبھی فتح ہو گیا جو ایک بلند پہاڑ پر غایت درجہ مستحکم بنا ہوا تھا۔ اس قلعے کی فتح اتنی گراں قیمت تھی کہ نظام الملک نے تیر اندازوں کو ہر صحیح نشانہ پر مٹھی بھر دینار اور منجنیق والوں کو ہر پتھر کی ضرب پر ایک نفیس کپڑا انعام دیا جس کی بدولت ۱۶ دن کے مختصر محاصرے میں اتنا عظیم الشان

ح۔ جو الپ ارسلان کا بھائی تھا لیکن ابن اثیر کی روایت اس کے خلاف ہے۔

قلعہ مسخر ہو گیا۔[1]

اسی سال جمادی الاولیٰ میں الپ ارسلان نے اپنی بہن خدیجہ ارسلان خاتون کو جو طغرل کی زندگی میں خلیفہ سے بگڑ کر میکے چلی آئی تھی، بغداد واپس بھیج دیا اور خلیفہ کی طرف سے اس کے وزیر فخر الدولہ بن جہیر نے کئی فرسخ باہر نکل کر استقبال کیا۔[2]

شام و حجاز اور یمن پر سلجوقی اثر

۴۶۰ھ سے ۴۶۲ھ کا زمانہ ایسے واقعات میں گزرا جن کی بدولت مصر کی فاطمی خلافت کمزور ہو گئی اور اس کی جگہ یمن، حجاز اور شام میں سلجوقی سلطنت اور عباسی خلافت نے لے لی۔ مصر میں اس وقت حکومت کی بدنظمی اور قدرتی اسباب نے مل جل کر ایسا شدید قحط برپا کر دیا تھا جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کا مشہور ہفت سالہ قحط یاد دلا دیا۔ لوگ ایک دوسرے کو کھا گئے۔ ایک ایک روٹی پچاس پچاس دینار کو بک گئی۔ راہ گیر راستہ چلتے چلتے بے دم ہو ہو کر گر پڑتے تھے۔ المستنصر باللہ کے پاس صرف ایک سواری کا جانور رہ گیا تھا جس پر وہ سوار ہو کر نکلتا اور اس کا چتر بردار ایک مانگے کے خچر پر بیٹھ کر ساتھ ہوتا تھا۔ یہ تنگی یہاں تک بڑھی کہ المستنصر باللہ کی ماں اور بیٹیاں قاہرہ سے نکلنے پر مجبور ہوئیں اور انہوں نے بغداد آ کر پناہ لی۔ تاجروں نے فاطمی دربار کا بے شمار سامان عباسیوں کے دارالخلافے میں لا کر فروخت کیا۔ ان میں بہت سی وہ چیزیں بھی تھیں جو ۳۸۱ھ

[1] ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۲۳۔

[2] ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۲۵۔ ابن خلکان ترجمۂ المستنصر باللہ حرف م۔

میں الطائع للہ عباسی کی گرفتاری کے موقع پر دارالخلافہ سے لٹ کر مصر گئی تھیں۔ اس کے علاوہ بلور کے ۸۰ ہزار ٹکڑے، دیباج قدیم کے ۵ ہزار قطعے، ۱۱ ہزار کزاغند دزرہیں، اور ۲۰ ہزار مزین تلواریں بھی تھیں[1]۔ ان حالات کا یہ اثر ہوا کہ اطراف وجوانب کے جن ملکوں پر فاطمیوں کا اثر تھا وہ اس سے آزاد ہونے لگے۔ افریقیہ میں مُعِز بن بادیس نے مستنصر فاطمی کا خطبہ موقوف کر کے قائم عباسی کا خطبہ جاری کر دیا۔ ذی قعدہ ۴۵۹ھ میں علی بن محمد الصُّلَیحی، جو یمن میں فاطمی خلافت کا داعی تھا، قتل کر دیا گیا[2] اور وہاں عباسی خلیفہ کا خطبہ جاری ہو گیا۔

۴۶۰ھ میں شرف الدولہ مسلم بن قُریش نے الرحبہ پر حملہ کیا اور بنی کلاب کو شکست دی جو مصری خلیفہ کے تابع فرمان تھے[3]۔ ۴۶۲ھ میں محمد بن ابی ہاشم الحسنی امیر مکہ اپنے بیٹے کے ساتھ بغداد آیا اور وہاں سے الپ ارسلان کے پاس پہنچ کر اس نے اعلان کیا کہ مکہ معظمہ میں فاطمی خلیفہ کا خطبہ موقوف ہو کر عباسی خلیفہ اور سلجوقی سلطان کا خطبہ جاری ہو گیا ہے۔ اس پر سلطان نے ۳۰ ہزار دینار نقد دیئے، نفیس خلعتیں عطا کیں اور اس کے لیے ۱۰ ہزار دینار سالانہ وظیفہ جاری کر دیا[4]۔

---

[1] ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۲۵۔ ابن خلکان ترجمۃ المُستنصر باللہ حرف م۔

[2] ابن خلکان نے الصُّلیحی کے قتل کا واقعہ ۴۷۳ھ میں بیان کیا ہے (ترجمۃ الصلیحی حرف ع)۔

[3] ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۲۳۔

[4] ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۲۵۔ زبدۃ النصرۃ ص ۳۷۔ ابن خلکان نے غلطی سے اس کو ۴۳۹ھ کا واقعہ لکھ دیا ہے۔

دوسرے سال حَلَب کے فرمانروا محمود بن صالح بن مرداس نے بھی فاطمی خلیفہ کا خطبہ موقوف کر کے عباسی خلیفہ اور سلجوقی سلطان کا خطبہ جاری کر دیا جس کی وجہ یہ تھی کہ رومیوں کی خوفناک پیش قدمی سے بچنے کے لیے وہ الپ ارسلان کی پناہ کا خواہش مند تھا۔ مگر الپ ارسلان اس زبانی اطاعت سے مطمئن نہ ہوا۔ اس کا مقصد الجزیرہ اور شام کے ان علاقوں کو کلیتہً مسخر کر لینا تھا اس لیے وہ خود اس طرف بڑھا، اور سب سے پہلے دیار بکر کے علاقے میں پہنچا جہاں نصر بن مَروان نے بڑھ کر اظہارِ اطاعت کیا اور ایک لاکھ دینار نذرانہ پیش کیا۔ سلطان نے اس کی اطاعت قبول کر لی مگر نذرانہ واپس کر دیا، کیونکہ اسے معلوم ہوا تھا کہ یہ رقم اہلِ ملک سے جبراً وصول کی گئی ہے۔ پھر آمد ہوتا ہوا الرہا پہنچا، لیکن اسے مسخر نہ کر سکا۔ اس کے بعد حلب کی طرف بڑھا۔ یہاں خلیفہ کی طرف سے نقیب النُّقَباء طراد بن محمد الزَّینَبی ہدیے اور خلعت لے کر محمود کے پاس آئے ہوئے تھے۔ محمود نے ان سے خواہش کی کہ وہ سلطان کو حلب میں داخل ہونے سے باز رکھیں اور اس کی طرف سے عدم حضوری کی معافی چاہیں۔ چنانچہ نقیب النقباء گئے اور انہوں نے سلطان سے محمود کی سفارش کی۔ مگر سلطان نے جواب دیا کہ میں ان کے خطبے کو لے کر کیا کروں جبکہ وہ ابھی تک اذان میں حیّ علیٰ خیرِ العمل کہتا ہے[1]۔ اسے لامحالہ میرے سامنے حاضر ہونا چاہیے۔ مگر محمود نے

---

[1] فاطمیین کے ہاں اذان میں حیّ علیٰ خیر العمل کہا جاتا تھا۔ فرمانروائے حلب کے ہاں اذان میں اب تک اس کا جاری رہنا اس امر کی علامت تھا کہ وہ ابھی تک دل سے مصری خلفا کی جانب مائل ہے اور صرف عارضی مصلحت کی بنا پر اظہارِ اطاعت کر رہا ہے۔

سلطان کا مطالبہ قبول نہ کیا اور حلب کا محاصرہ شروع ہو گیا۔ محصورین نے کچھ مدت تک پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کیا۔ پھر قلتِ رسد اور شدتِ محاصرہ نے انہیں تنگ کر دیا، اور مقاومت کی طاقت نہ رہی۔ آخر ایک رات محمود اپنی ماں منیعہ بنت وثاب النمیری کے ساتھ سلطان کی خدمت میں پہنچا اور بوڑھی عرب خاتون نے آگے بڑھ کر سلطان سے کہا کہ "یہ میرا بیٹا حاضر ہے. آپ اس کے ساتھ جو چاہیں سلوک کریں"۔ سلطان کی قوت و شوکت نے اس ضعیفہ کے آگے سپر ڈال دی۔ اس نے محمود کو عزت کے ساتھ بٹھایا، اسے خلعتِ فاخرہ بخشی اور حلب کی حکومت پر اسے برقرار رکھا[1]۔

اسی سال سلطان کے خوارزمی جنرل ملک اَتسِنز نے فاطمیین کے قبضہ سے الرّملہ اور بیت المقدس چھین لیے اور عسقلان تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ اس نے دمشق کا بھی محاصرہ کیا تھا، مگر اس کو فتح نہ کر سکا[2]۔

قیصرِ رُوم سے جنگ

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ سلطان طغرل بک اور سلطان اُلپ ارسلان نے کس طرح رومی سلطنت پر پیہم حملے کر کے اس سے بہت سے وہ علاقے چھین لیے تھے جن پر سلاجقہ کی آمد سے پہلے رومیوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ ان پے در پے

---

[1] ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۲۶۔ زبدۃ النصرہ، ص ۳۷-۳۸۔ ابو الفداء، ج ۲، ص ۱۸۶۔ ابن خلکان ذکر الپ ارسلان۔

[2] ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۲۸۔ ابو الفداء، ج ۲، ص ۱۸۶۔

شکستوں نے رومیوں کی آنکھیں کھول دیں۔ ۴۶۱ھ/۱۰۶۸ء میں قیصرہ یوڈوسیا (EUDOCIA) نے ایک بہادر جنرل رُومانس دیوجانس (ROMANUS DIOGENES) سے شادی کر کے اسے تخت و تاج سپرد کر دیا اور اس نے عنانِ اقتدار ہاتھ میں لیتے ہی زبردست جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ ۴۶۲ھ میں وہ الجزیرہ کی طرف بڑھا اور مَنْبج (HIGRAPOLIS) تک لوٹتا مارتا چلا آیا[1]۔ دوسرے سال اس نے ارمینیہ کا رُخ کیا۔ اس کے ساتھ مکدونیہ، بلغاریہ، مالڈیویا اور خلفائے یورپ (ALLIES OF EAUROPE) کی فوجیں تھیں، فرنچ اور نارمن رسالے تھے، اور ان کے علاوہ روس، بجاناک، قفچاق، اَبخاز اور ارمن قوموں کی بھی جمعیتیں تھیں۔ ابن اثیر اس کی فوج کی تعداد دو لاکھ بتاتا ہے۔ صاحب زبدہ اور صاحب روضۃ الصفا تین لاکھ کہتے ہیں۔ گبن کا بیان ہے کہ اس کے ساتھ کم از کم ایک لاکھ فوج تھی اور ابن الراوندی چھ لاکھ سواروں کی تعداد بتاتا ہے۔ ان مختلف بیانات سے اس کی زبردست جنگی طاقت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس تیاری کے ساتھ وہ ارمینیہ میں اعمال خلاط کی طرف بڑھا اور مَلاذ کِرد پر خیمہ زن ہوا۔ الپ ارسلان کو اس اچانک حملے کی خبر اس وقت ہوئی جب وہ حلب سے واپس ہو کر آذربیجان میں شہر خُوی پر مقیم تھا۔ دشمن کے اس

---

[1] ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۲۴۔ زبدہ ص ۳۶۔ تاریخ زوال و سقوط سلطنتِ روم مصنفہ گبن ج ۶ ص ۲۵۴ (ورلڈ کلاسکس ایڈیشن)۔

طرح مین سر پر پہنچ جانے کی خبر سن کر کوئی دوسرا ہوتا تو سراسیمہ ہو جاتا مگر الپ ارسلان کا جوشِ شجاعت اس سے اور بھڑک اٹھا۔ اس نے خیال کیا کہ یہ توقف کا مقام نہیں ہے۔ اگر لشکر اور سامانِ جنگ کی فراہمی کا انتظار کیا گیا تو وقت ہاتھ سے نکل جائے گا اور دشمن کی کامیابی کے امکانات قوی تر ہو جائیں گے۔ لہٰذا اس نے اسی حال میں جنگ پر جانے کا فیصلہ کر لیا۔ نظام الملک کو شاہزادوں اور خواتینِ حرم سمیت تبریز (اور بقول ابن اثیر ہمدان) روانہ کیا۔ اُمراء کو جمع کر کے وصیت کی کہ اگر میں زندہ رہوں تو خدا کی مہربانی ہے اور اگر مارا جاؤں تو میرا بیٹا ملک شاہ میرا جانشین ہو۔ اس کے بعد اپنی فوج کے پندرہ[1] ہزار بہادروں کو لے کر دشمن کی طرف پوری سرعت کے ساتھ کوچ کر دیا۔ منگل کے دن ۴ ذیقعدہ ۴۶۳ھ / ۱۰۷۱ء کو خلاط کے قریب رومیوں کا ہراول (جس میں بقول ابن اثیر ۱۰ ہزار اور بقول عماد کاتب ۲۰ ہزار سوار تھے) ایک رومی

---

[1] الپ ارسلان کی فوج کے شمار میں اختلاف ہے۔ گبن چالیس ہزار بتاتا ہے، اور دوسرے یورپین مصنفین ۳۰ ہزار، ۱۲ ہزار اور ۱۵ ہزار لکھتے ہیں۔ رومی مؤرخین اس بارے میں بالکل خاموش ہیں اور اسلامی مؤرخین میں ابن اثیر اور عماد کاتب ۱۵ ہزار لکھتے ہیں۔ میر خوند دس ہزار اور حمد اللہ مستوفی اور ابن الراوندی ۱۲ ہزار۔ ان مختلف بیانات سے اس کی فوج کا ایک معتدل اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

جنرل کے زیرِ قیادت آگے بڑھا اور اس نے ترکوں کی پیش قدمی کو روکنا چاہا مگر الپ ارسلان کے ہراول نے ایک ہی حملے میں اس کی فوج کے پرخچے اڑا دیئے اور خود اُسے گرفتار کر کے سلطان کے سامنے پیش کر دیا۔ غضب ناک سلطان اس موقع پر جنگ کے مہذب اسلامی آئین کو بھول گیا اور اس نے مفتوح جنرل کی ناک کٹوا کر اسے اسیرانِ جنگ اور اموالِ غنیمت سمیت نظام الملک کے پاس بطور بشارت بھیج دیا۔ اس دوران میں رومی فوجیں ملازگرد کو فتح کر کے پامال کر چکی تھیں اور خلاط کا محاصرہ کیے پڑی تھیں۔ سلطان کی پیش قدمی کا حال سنتے ہی قیصر نے ان سب منتشر فوجوں کو یکجا کر لیا اور ملازگرد اور خلاط کے درمیان مقام الزہرہ پر جا ڈٹ گیا۔ بدھ کے دن سلطان بھی اس مقام پر پہنچ گیا اور رومی لشکر سے دو فرسنگ کے فاصلے پر خیمہ زن ہوا۔ یہاں پہنچ کر اس نے سب سے پہلے قیصر کے پاس صلح کا پیغام بھیجا۔ مگر قیصر نے اس کا جو جواب دیا وہ گبن کے الفاظ میں یہ تھا[1]:

"اگر وہ وحشی صلح کا خواہش مند ہے تو اپنے اس مقام کو جہاں اس وقت وہ مقیم ہے رومی فوج کے پڑاؤ کے لیے خالی کر دے اور اپنا شہر رَے اور اپنا محل اپنی صداقت کے

---

[1] ابن اثیر اور عماد کاتب نے صرف اتنا جواب نقل کیا ہے کہ "اب رَے ہی میں صلح کی بات ہو گی۔"

ثبوت میں ہمارے حوالہ کرے"۔

اس جواب کے بعد جنگ ناگزیر تھی۔ مگر سلطان کے امام صلوٰۃ اور فقیہ ابو نصر محمد بن عبد الملک بخاری حنفی نے مشورہ دیا کہ "آج توقف کیجیے۔ کل جمعہ کے دن جس وقت تمام دنیا کے مسلمان نمازیں پڑھ کر آپ کی نصرت کے لیے دعا کر رہے ہوں، اس وقت حملہ کیجیے گا تاکہ بندگان خدا کی دعائیں مجاہدین کی تلواروں کے ساتھ ہوں۔" سلطان نے اس مشورہ کو قبول کر کے جمعہ کے لیے جنگ ملتوی کر دی۔ دوسرے روز اس نے تمام مسلمانوں کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھی اور درگاہ الٰہی میں دعا کر کے خوب رویا اور اس کے ساتھ تمام فوج بھی روئی۔ پھر اس نے فوج کو خطاب کر کے کہا کہ "جو شہادت چاہتا ہے وہ ٹھہر جائے اور جو واپس جانا چاہتا ہے وہ چلا جائے، کیونکہ اب یہاں کوئی سلطان اور کوئی بادشاہ نہیں ہے۔" یہ کہہ کر اس نے تیر کمان پھینک دی، تلوار اٹھائی، اپنے ہاتھ سے گھوڑے کی دُم باندھی۔ سفید کپڑے پہنے اور حنوط مل کر کہا کہ "اگر میں شہید ہوا تو یہی میرا کفن ہے۔" ان باتوں نے تمام سپاہیوں کے دل جوشِ شجاعت و شوقِ شہادت سے گرما دیے اور جنگ کے لیے بیتاب فوج تلملا کر رومی فوج پر ٹوٹ پڑی۔ فوجوں کی مڈبھیڑ کے وقت سلطان کو پھر خدا یاد آیا جس کے بھروسے پر وہ اپنے سے دس گنی طاقت کے مقابل آیا تھا۔ اس نے گھوڑے سے اُتر کر پھر فرشِ خاک پر سجدہ کیا اور اللہ سے تائید و نصرت کی دُعا مانگی۔ اس کے بعد وہ

اٹھا اور بجلی کی طرح لشکرِ مخالف پر حملہ آور ہوا۔ پہلے ہی حملہ میں نامور رومی جنرل باسیلاسیوس (BASILACIUS) شکست کھا کر پیچھے ہٹا۔ اس سے متصل مالڈیویا کا اُوزِی (UZI) رسالہ تھا۔ اس نے بھی میدان خالی کر دیا۔ ایک دوسری فوج پر شاہزادہ انڈرونیکوس (ANDRONICUS) قائد تھا اور اس سے قیصر کی قلبی عداوت تھی۔ وہ عین گھمسان کی لڑائی میں اس بے ترتیبی کے ساتھ پسپا ہوا کہ پوری صف بندی ٹوٹ گئی۔ اتفاق یہ کہ اسی موقع پر گرمی کی شدّت سے پریشان ہو کر قیصر اپنے خیمہ کی طرف مڑا تاکہ تھوڑی دیر سائے میں آرام لے۔ شاہی علم کو اس طرح پیچھے ہٹتے دیکھ کر فوج کی ہمت ٹوٹ گئی اور اس نے راہِ فرار اختیار کی۔ ناچار قیصر پھر میدان میں آیا اور قلب کے چیدہ دستوں کو لے کر ترکوں کے مقابلہ میں ڈٹ گیا۔ مگر اب ہوا کا رخ بدل چکا تھا۔ فوج کا بڑا حصّہ بھاگ گیا تھا جسے ترکی سوار مارتے دباتے ہوئے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ باقی ماندہ فوج بددل ہو چکی تھی اور طاقتور دشمن نے ہر طرف سے اسے گھیر لیا تھا۔ دیوجانس کی بہادری اس حالت کا

---

[1] عجیب لُطف ہے کہ رومی مؤرخین اس جنگ میں سرے سے سلطان کی موجودگی ہی کے مُنکر ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ کوئی خواجہ سرا سلجوقی فوجوں کی کمان کر رہا تھا (گبن، ج ۶، ص ۲۵۶)۔ مگر یہ صرف اس لیے ہے کہ فتح کا سہرا سلطان کے سر سے اتار لینا چاہتے ہیں، حالانکہ اسے سلطان کے سر سے اُتار کر ایک خواجہ سرا کے سر باندھنے میں قیصرِ روم کی گردن کا طوقِ ذلّت اور زیادہ بھاری ہو جاتا ہے۔

کب تک مقابلہ کرتی۔ آخر کار جب اس کے ارد گرد کی فوج کٹ گئی، وہ خود زخمی ہو گیا، اور اس کا گھوڑا بھی مارا گیا تو میدان چھوڑ کر بھاگا۔ مگر ایک غلام نے بڑھ کر اس کے پاؤں میں کمند ڈال دی اور اس طرح اسے گرفتار کر کے لشکر میں لے آیا کہ اسے خود بھی معلوم نہ تھا کہ اس کی قید میں کون ہے[1]۔ چاہتا تھا کہ اسے قتل کر دے، مگر اس نے خود جان کے خوف سے (یا بقول ابن اثیر کسی دوسرے رومی قیدی نے) یہ راز کھول دیا کہ وہ قیصر ہے[2]۔ آخر کار وہ لشکرِ سلطانی میں لایا گیا۔ رات اس نے لشکر میں گزاری اور صبح سلطان کے

[1] کہا جاتا ہے کہ یہ غلام سعد الدولہ گوہر آئین کا مملوک تھا جس وقت سلطان کے ساتھ بھیجنے کے لیے فوج چھانٹی جا رہی تھی تو سعد الدولہ نے اس کو نظام الملک کے سامنے پیش کیا۔ نظام الملک نے پہلے تو اس کمزور اور حقیر جثہ کے غلام کو لینے میں پس و پیش کیا، مگر جب سعد الدولہ نے اس کی بہت سفارش کی تو اس نے کہا کہ اچھا لے لو، شاید یہی شاہِ رُوم کو گرفتار کرے۔ یہ فقرہ محض بر سبیلِ تعریض تھا، مگر اتفاق دیکھیے کہ جو الفاظ وزیر کے منہ سے نکلے تھے وہ حرف بحرف پورے ہوئے۔

[2] گبن کا بیان ہے کہ وہ گرفتاری کے وقت نہیں پہچانا گیا اور رات بھر معمولی قیدیوں کے ساتھ بند رہا۔ صبح جب سلطان کے سامنے قیدی پیش ہوئے تو ان سلجوقی سفرا نے جو رومی دربار میں جا چکے تھے اسے پہچانا اور رومی جنرل باسیلاسیوس نے بڑھ کر اس کے قدم چومے، تب جا کر یہ راز کھلا (گبن ج ۶ ص ۲۵۰)۔

سامنے پیش کیا گیا۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ اسے بساطِ سلطانی کو بوسہ دینے کا حکم دیا گیا جس کی اس نے مجبوراً تعمیل کی۔ پھر سلطان اُٹھا اور اس نے قیدی بادشاہ کی گردن پر پاؤں رکھا۔ مگر گبن اس روایت کو مشکوک قرار دیتا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ "اگرچہ قومی رواج کے مطابق اس نے بساطِ ادب کو بوسہ تو ضرور دلوایا تھا، مگر اس کے علاوہ اس نے کوئی اور تذلیل نہیں کی، بلکہ اس کا سلوک ایسا شریفانہ تھا کہ خود اس کے متعصب دشمنوں کو بھی اس کی تعریف کرنی پڑی ہے اور جدید زمانے کے مہذب لوگوں کے لیے بھی اس میں ایک سبق ہے[1]۔" ابن اثیر نے گردن پر پاؤں رکھنے کا ذکر نہیں کیا ہے۔ مگر وہ کہتا ہے کہ "سلطان نے اپنے ہاتھ سے اس کو تین چھڑیاں ماریں اور کہا کہ کیا میں نے تجھ کو صلح کا پیغام نہیں دیا تھا جسے تو نے رد کر دیا۔" میر خوند چھڑیاں مارنے کا بھی ذکر نہیں کرتا بلکہ وہ کہتا ہے کہ سلطان نے پہلے صرف زجر و توبیخ اور ملامت کی، پھر جب قیصر نے عفو کی درخواست کی تو وہ اسے معاف کر کے بہت عزت کے ساتھ پیش آیا۔ مگر عماد کاتب زجر و توبیخ کا بھی ذکر نہیں کرتا بلکہ اس کے برعکس کہتا ہے کہ ثم تعطف علیہ

[1] گبن ج ۶، ص ۲۵۰۔ انگریز مصنف کا یہ قول بالکل صحیح ہے۔ ابھی پچھلی صدی ہی کی تو بات ہے کہ خود گبن کی قوم نے دہلی کے بادشاہ کو گرفتار کر کے نہایت ذلت کے ساتھ فوجی عدالت میں پیش کیا تھا اور مقدمہ چلا کر اسے عمر قید کی سزا دی تھی۔

کب تک مقابلہ کرتی۔ آخر کار جب اس کے ارد گرد کی فوج کٹ گئی، وہ خود زخمی ہو گیا، اور اس کا گھوڑا بھی مارا گیا تو میدان چھوڑ کر بھاگا۔ مگر ایک غلام نے بڑھ کر اس کے پاؤں میں کمند ڈال دی اور اس طرح اسے گرفتار کر کے لشکر میں لے آیا کہ اسے خود بھی معلوم نہ تھا کہ اس کی قید میں کون ہے[1]۔ چاہتا تھا کہ اسے قتل کر دے، مگر اس نے خود جان کے خوف سے (یا بقول ابن اثیر کسی دوسرے رومی قیدی نے) یہ راز کھول دیا کہ وہ قیصر ہے[2]۔ آخر کار وہ لشکرِ سلطانی میں لایا گیا۔ رات اس نے لشکر میں گزاری اور صبح سلطان کے

---

[1] کہا جاتا ہے کہ یہ غلام سعد الدولہ گوہر آئین کا مملوک تھا جس وقت سلطان کے ساتھ بھیجنے کے لیے فوج چھانٹی جا رہی تھی تو سعد الدولہ نے اس کو نظام الملک کے سامنے پیش کیا۔ نظام الملک نے پہلے تو اس کمزور اور حقیر جثہ کے غلام کو لینے میں پس و پیش کیا، مگر جب سعد الدولہ نے اس کی بہت سفارش کی تو اس نے کہا کہ اچھا لے لو، شاید یہی شاہِ رُوم کو گرفتار کرے۔ یہ فقرہ محض بر سبیلِ تعریض تھا، مگر اتفاق دیکھیے کہ جو الفاظ وزیر کے منہ سے نکلے تھے وہ حرف بحرف پورے ہوئے۔

[2] گبن کا بیان ہے کہ وہ گرفتاری کے وقت نہیں پہچانا گیا اور رات بھر معمولی قیدیوں کے ساتھ بند رہا۔ صبح جب سلطان کے سامنے قیدی پیش ہوئے تو ان سلجوقی سفراء نے جو رومی دربار میں جا چکے تھے اسے پہچانا اور رومی جنرل باسیلا سیوس نے بڑھ کر اس کے قدم چومے، تب جا کر یہ راز کھلا (گبن ج ۶ ص ۲۵۰)۔

سامنے پیش کیا گیا۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ اسے بساطِ سلطانی کو بوسہ دینے کا حکم دیا گیا جس کی اس نے مجبوراً تعمیل کی۔ پھر سلطان اُٹھا اور اس نے قیدی بادشاہ کی گردن پر پاؤں رکھا۔ مگر گبن اس روایت کو مشکوک قرار دیتا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ "اگرچہ قومی رواج کے مطابق اس نے بساطِ ادب کو بوسہ تو ضرور دلوایا تھا، مگر اس کے علاوہ اس نے کوئی اور تذلیل نہیں کی، بلکہ اس کا سلوک ایسا شریفانہ تھا کہ خود اس کے متعصب دشمنوں کو بھی اس کی تعریف کرنی پڑی ہے اور جدید زمانے کے مہذب لوگوں کے لیے بھی اس میں ایک سبق ہے[1]۔" ابن اثیر نے گردن پر پاؤں رکھنے کا ذکر نہیں کیا ہے، مگر وہ کہتا ہے کہ "سلطان نے اپنے ہاتھ سے اس کو تین چھڑیاں ماریں اور کہا کہ کیا میں نے تجھ کو صلح کا پیغام نہیں دیا تھا جسے تو نے رد کر دیا۔" میر خوند چھڑیاں مارنے کا بھی ذکر نہیں کرتا بلکہ وہ کہتا ہے کہ سلطان نے پہلے صرف زجر و توبیخ اور ملامت کی، پھر جب قیصر نے عفو کی درخواست کی تو وہ اسے معاف کر کے بہت عزت کے ساتھ پیش آیا۔ مگر عماد کاتب زجر و توبیخ کا بھی ذکر نہیں کرتا بلکہ اس کے برعکس کہتا ہے کہ ثم تعطف علیہ

---

[1] گبن ج ۶، ص ۲۵۰۔ انگریز مصنف کا یہ قول بالکل صحیح ہے۔ ابھی پچھلی صدی ہی کی تو بات ہے کہ خود گبن کی قوم نے دہلی کے بادشاہ کو گرفتار کر کے نہایت ذلت کے ساتھ فوجی عدالت میں پیش کیا تھا اور مقدمہ چلا کر اسے عمر قید کی سزا دی تھی۔

السلطان واحضرہ بین یدیہ (پھر سلطان اس پر مہربان ہوا اور اسے اپنے سامنے بلایا)۔ یہ تمام اختلافات صرف اس امر میں ہیں کہ قیدی بادشاہ کے ساتھ ابتداءً سلطان نے کیا سلوک کیا۔ باقی رہا بعد کا برتاؤ سو اس کے متعلق تمام مؤرخین بالاتفاق بیان کرتے ہیں کہ وہ نہایت فیاضانہ تھا۔ سلطان نے قیصر کو عزت کے ساتھ اپنے پاس بٹھایا اور اس سے پوچھا کہ تم مجھ سے کس سلوک کی امید رکھتے ہو؟ اس نے کہا کہ "یا تو آپ مجھے قتل کر دیں گے، یا بلادِ اسلام میں میری تشہیر کریں گے، اور بعید امکان اس کا بھی ہے کہ شاید معاف کر دیں"۔ سلطان نے پوچھا کہ اگر تم فتحیاب ہوتے اور میں تمہارے پاس قیدی بن کر آتا تو تم میرے ساتھ کیا کرتے؟ قیصر نے جواب دیا کہ "میں آپ سے بہت بُرا سلوک کرتا[1]"۔ سلطان نے کہا کہ اب تو مجھے تمہارے فسادِ نیت کا حال معلوم ہو گیا۔ لہٰذا مجھے بھی تمہارے ساتھ یہی کرنا چاہیے۔ قیصر نے جواب دیا کہ "آپ نے میرے فسادِ نیت کا انجام بھی تو دیکھ لیا"۔ اس گفتگو کے بعد سلطان نے قیصر کو عزت کے ساتھ ایک الگ خیمے میں اتارا۔ اس کی فوج کے بہت سے بطریقوں[2] کو اس کے ساتھ رکھا۔ اسے خرچ کے لیے دس ہزار دینار دیئے، اور آٹھ دن تک روزانہ اس سے دوستانہ ملاقاتیں کرتا رہا۔ گبن

---

[1] گبن نے قیصر کا یہ جواب نقل کیا ہے کہ اگر میں کامیاب ہوتا تو تیرے جسم پر بہت سے کوڑے لگاتا۔

[2] بطریق (PATRICIAN) رومی فوج کا ایک اعلیٰ عہدہ تھا جس کے ماتحت دس ہزار سپاہی ہوتے تھے (کتاب الخراج، قدامہ بن جعفر ص ۲۵۵)

کہتا ہے کہ ان ملاقاتوں میں سلطان نے قیصر کو اس کی جنگی غلطیوں پر متنبہ کیا اور اسے بتایا کہ کن خامیوں کی بدولت وہ اتنی زبردست طاقت کے باوجود اتنی قلیل فوج کے مقابلے میں شکست کھا گیا۔ نیز اس نے اُن جنرلوں کو بھی سخت ملامت کی جنہوں نے اپنے بادشاہ کی خدمت میں کوتاہی کی تھی۔ ان ہی ملاقاتوں میں فریقین کے درمیان گفتگوئے صلح بھی ہوتی رہی اور آخر حسبِ ذیل شرائط پر تصفیہ ہوا:

(۱) پندرہ لاکھ دینار فدیہ[1]،

(۲) تین لاکھ ساٹھ ہزار دینار سالانہ خراج[2]،

(۳) ضرورت کے وقت فوجی امداد[3]،

(۴) تمام ان مسلمانوں کی رہائی جو رومی قید میں ہیں[4]،

(۵) رومی شاہزادی سے سلطان کے بیٹے کی شادی[5]۔

---

[1] یہ ابن اثیر کا بیان ہے۔ مگر گبن دس لاکھ بتاتا ہے۔

[2] ابن اثیر نے خراج کا ذکر نہیں کیا۔ ابن الراوندی اس کا راوی ہے اور گبن اس کی تائید کرتا ہے، مگر رومی مؤرخین خراج اور فدیے کے معاملے میں بالکل خاموش ہیں۔

[3] یہ صرف ابن اثیر کی روایت ہے۔

[4] یہ ابن اثیر کی روایت ہے اور گبن اس کی تائید کرتا ہے۔

[5] گبن نے صرف مجملاً اس شرط کا ذکر کیا ہے اور وہ اس پر کچھ زیادہ اعتبار

ابن اثیر کی روایت کے مطابق یہ صلح ۵۰ سال کے لیے منعقد ہوئی تھی۔ اس کے بعد سلطان نے قیصر کو شاہی خلعت دیا، دونوں فرمانروا بغل گیر ہوئے قیصر نے بغداد کی جانب سر جھکا کر خلیفہ کو تعظیم دی، خود سلطان اسے ایک کوس تک پہونچانے گیا، اور رومی سرحد تک سلطانی فوج نے اپنی حفاظت میں اسے پہنچا دیا۔ مگر رومی علاقہ میں جانے کے بعد اسے معلوم ہوا کہ اس شکست کی خبر سنتے ہی سلطنت میں انقلاب ہو گیا اور میکائیل نے تخت پر قبضہ کر لیا۔ اس اطلاع نے رومانوس کا دل توڑ دیا۔ اس نے سلطان کو اس کیفیت سے مطلع کیا اور دو لاکھ دینار اور ایک سونے کی کشتی جس میں ۹۰ ہزار کے جواہر تھے، بھیج کر اس سے معافی چاہی کہ اس سے زیادہ میں کچھ ادا کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ گبن کہتا ہے کہ سلطان نے چاہا کہ اس کی مدد کر کے اسے تخت پر بٹھا دے، مگر اس کے بعد ہی معلوم ہوا کہ اس نے شکست کھائی، گرفتار ہوا اور مر گیا۔ برعکس اس کے ابن اثیر کہتا ہے کہ رومانوس نے انقلاب سلطنت کی خبر سنتے ہی رہبانیت اختیار کر لی اور میکائیل کو کہلا بھیجا کہ سلجوقی سلطان سے یہ شرائط طے پائی ہیں، اگر چاہو تو ان پر قائم رہو اور چاہو تو انہیں رد کر دو۔ میکائیل نے انہیں قبول

نہیں کرتا۔ میر خواند صرف اتنی اور تفصیل بیان کرتا ہے کہ وہ شاہزادی قیصر رومانوس ہی کی بیٹی تھی اور اس کی شادی سلطان کے بیٹے ملک ارسلان سے کی گئی۔ مگر نہ کسی دوسرے مؤرخ نے اس کا ذکر کیا ہے اور نہ تاریخوں سے اس شہزادی کا کچھ حال معلوم ہوتا ہے۔

کر لیا اور رومانوس ہی سے درخواست کی کہ وہ اپنی وساطت سے اس کے اور سلطان کے تعلقات قائم کرا دے[1]۔

اس جنگ سے سلجوقی سلطنت کے حدود میں تو کوئی اضافہ نہ ہوا مگر اس کے علاوہ اسے بے شمار فوائد حاصل ہوئے۔ مالِ غنیمت جو ہاتھ آیا اس کی کثرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف بار برداری کی گاڑیاں ۳ ہزار تھیں بہت سی منجنیقیں تھیں جن میں سے ایک اتنی بڑی تھی کہ ۱۲ سو آدمی اس پر کام کرتے تھے اور ۱۲۰۰ رطل (تقریباً ۳ من) کا پتھر پھینکتی تھی۔ اس کے علاوہ اسلحہ اور دوسرے سامان اس کثرت سے ہاتھ آئے کہ سپاہیوں نے ایک ایک دینار میں ۲۷ خود بیچ ڈالے اور ایک ایک دینار کی تین تین زرہیں بک گئیں[2]۔ ان مادی فوائد کے علاوہ دنیائے اسلام میں سلجوقی سلطنت کی جو قدر و منزلت قائم ہوئی اور ہمسایہ سلطنتوں میں جو دھاک بیٹھی اس کی قیمت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

خاندانِ خلافت سے رشتہ

جنگ سے واپس ہو کر سلطان نے نیشاپور سے خلیفہ کو فتح کی خوشخبری

---

[1] ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۲۶-۲۸ – زبدۃ، ۳۸-۴۴ – روضۃ الصفا، ج ۴، ص ۹۶-۹۷ – راحۃ الصدور، ص ۱۱۹-۱۲۰ – تاریخ گزیدہ، ص ۱۴۴ – گبن، ج ۶، ص ۲۵۴-۲۶۰۔

[2] زبدۃ، ص ۴۲-۴۳۔

ابن اثیر کی روایت کے مطابق یہ صلح ۵۰ سال کے لیے منعقد ہوئی تھی۔ اس کے بعد سلطان نے قیصر کو شاہی خلعت دیا، دونوں فرمانروا بغل گیر ہوئے۔ قیصر نے بغداد کی جانب سرجھکا کر خلیفہ کو تعظیم دی، خود سلطان اسے ایک کوس تک چھوڑنے گیا، اور رومی سرحد تک سلطانی فوج نے اپنی حفاظت میں اسے پہنچا دیا۔ مگر رومی علاقے میں جانے کے بعد اسے معلوم ہوا کہ اس شکست کی خبر سنتے ہی سلطنت میں انقلاب ہوگیا اور میکائیل نے تخت پر قبضہ کر لیا۔ اس اطلاع نے رومانوس کا دل توڑ دیا۔ اس نے سلطان کو اس کیفیت سے مطلع کیا اور دو لاکھ دینار اور ایک سونے کی کشتی جس میں ۹۰ ہزار کے جواہر تھے، بھیج کر اس سے معافی چاہی کہ اس سے زیادہ میں کچھ ادا کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ گبن کہتا ہے کہ سلطان نے چاہا کہ اس کی مدد کر کے اسے تخت پر بٹھا دے، مگر اس کے بعد ہی معلوم ہوا کہ اس نے شکست کھائی، گرفتار ہوا اور مر گیا۔ برعکس اس کے ابن اثیر کہتا ہے کہ رومانوس نے انقلابِ سلطنت کی خبر سنتے ہی رہبانیت اختیار کر لی اور میکائیل کو کہلا بھیجا کہ سلجوقی سلطان سے یہ شرائط طے پائی ہیں، اگر چاہو تو ان پر قائم رہو اور چاہو تو انہیں رد کر دو۔ میکائیل نے انہیں قبول

۲۔ نہیں کرتا۔ میرخوند صرف اتنی اور تفصیل بیان کرتا ہے کہ وہ شاہزادی قیصر رومانوس ہی کی بیٹی تھی اور اس کی شادی سلطان کے بیٹے ملک ارسلان سے کی گئی۔ مگر نہ تو کسی دوسرے مؤرخ نے اس کا ذکر کیا ہے اور نہ تاریخوں سے اس شہزادی کا کچھ حال معلوم ہوتا ہے۔

کر لیا اور رومانوس ہی سے درخواست کی کہ وہ اپنی وساطت سے اس کے اور سلطان کے تعلقات قائم کرا دے[1]۔

اس جنگ سے سلجوقی سلطنت کے حدود میں تو کوئی اضافہ نہ ہوا مگر اس کے علاوہ اسے بے شمار فوائد حاصل ہوئے۔ مالِ غنیمت جو ہاتھ آیا اس کی کثرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف بار برداری کی گاڑیاں ۴ ہزار تھیں، بہت سی منجنیقیں تھیں جن میں سے ایک اتنی بڑی تھی کہ ۱۲ سو آدمی اس پر کام کرتے تھے اور ۱۲۰۰ رطل (تقریباً ۳ من) کا پتھر پھینکتی تھی۔ اس کے علاوہ اسلحہ اور دوسرے سامان اس کثرت سے ہاتھ آئے کہ سپاہیوں نے ایک ایک دینار میں ۲۷ خود بیچ ڈالے اور ایک ایک دینار کی تین تین زرہیں بک گئیں[2]۔ ان مادی فوائد کے علاوہ دنیائے اسلام میں سلجوقی سلطنت کی جو قدر و منزلت قائم ہوئی اور ہمسایہ سلطنتوں میں جو دھاک بیٹھی اس کی قیمت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

خاندانِ خلافت سے رشتہ

جنگ سے واپس ہو کر سلطان نے نیشاپور سے خلیفہ کو فتح کی خوشخبری

---

[1] ابن اثیر، ج ۱۰ ص ۲۶-۲۸۔ زبدۃ، ۳۸-۴۴۔ روضۃ الصفا، ج ۴، ص ۹۶-۹۷۔ راحۃ الصدور، ص ۱۱۹-۱۲۰۔ تاریخ گزیدہ، ص ۴۴۱۔ گبن، ج ۶، ص ۲۵۴-۲۶۰۔

[2] زبدہ، ص ۴۲-۴۳۔

بھیجی، اور اس سے درخواست کی کہ وہ ملک شاہ کی ولی عہدی کو باقاعدہ قبول کرلے۔ جواب میں خلیفہ نے صفر ۴۶۴ھ میں اپنے وزیر عمید الدولہ بن جہیر کے ہاتھ سلطان کے لیے خلعت بھیجا اور ملک شاہ کی ولی عہدی کو قبول کرکے اس کو بھی خلعت سے سرفراز کیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے عمید الدولہ کی معرفت اپنے ولی عہد المقتدی بامر اللہ کے ساتھ سلطان کی بیٹی سفری خاتون کا پیغام دیا، جسے سلطان نے بخوشی منظور کرلیا اور نیشاپور کے باہر مجلسِ نکاح منعقد ہوئی۔ مقتدی کی جانب سے وکیلِ نکاح عمید الدولہ تھا اور دلہن کی جانب سے نظام الملک۔ دونوں نے ایجاب و قبول کرکے عقد کرلیا اور اس کے بعد زر و جواہر نثار کیے گئے۔[1]

بغداد میں نئے شحنہ کا تقرر

اس سال خلافت اور سلطنت کے درمیان ایک صورتِ اختلاف پیدا ہوگئی تھی، مگر الپ ارسلان کے احترامِ مقامِ خلافت اور نظام الملک کے تدبر نے اسے بآسانی رفع دفع کردیا۔ واقعہ یہ ہے کہ سلجوقی سلاطین نے اپنا دار السلطنت بغداد نہیں بنایا تھا بلکہ وہ رے میں رہتے تھے اور ان کی جانب سے بغداد میں ایک شحنہ (یا ریذیڈنٹ) رہا کرتا تھا۔ ۴۶۴ھ میں سلطان نے ایک امیر کو شحنہ بنا کر بھیجا جس کا نام ایتگین سلیمانی تھا۔ ربیع الاول میں جب وہ بغداد پہنچا تو خلیفہ نے اس کو قبول نہ کیا۔ اس کی

[1] ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۲۹ - زبدہ، ص ۴۵۔

وجہ یہ تھی کہ اس کے بیٹے نے خلیفہ کے خاص غلاموں میں سے ایک کو قتل کر دیا تھا۔ خلیفہ نے مقتول کا قمیص سلطان کے پاس بھیج دیا اور اسے لکھا کہ اس شحنہ کو معزول کردو۔ نظام الملک نے اس شخص کو تکریت کا علاقہ جاگیر میں دیا تھا۔ مگر خلیفہ کی جانب سے حکم بھیجا گیا کہ یہ جاگیر بھی اسے نہ دی جائے۔ سلطان اور اس کے وزیر کو جب ان باتوں کا علم ہوا تو انہوں نے خلیفہ کے پاسِ خاطر سے دونوں باتیں منظور کرلیں اور ایتگین کو معزول کرکے اس کی جگہ سعد الدولہ گوہر آئین کو شحنہ مقرر کیا جس کا بغداد میں شاندار استقبال کیا گیا اور خلیفہ نے اس کے اعزاز میں دربار منعقد کیا۔[1]

اسی سال فارس میں بغاوت ہوئی۔ فضلویہ ایک امیر نے اس علاقے کے ایک نہایت مستحکم اور بلند پہاڑی قلعے پر قبضہ کرکے آس پاس کے علاقے میں فتنہ برپا کر دیا تھا۔ سلطان نے ملک شاہ اور نظام الملک کو اس کی سرکوبی کے لیے بھیجا اور انہوں نے اس قلعے کو فتح کرکے فضلویہ کو گرفتار کرلیا۔ مگر سلطان نے حسبِ عادت اسے تنبیہ کرکے چھوڑ دیا۔[2]

[1] ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۲۹ - زبدہ، ص ۴۵۔

[2] ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۲۹ - حمد اللہ مستوفی نے لکھا ہے کہ سلطان نے اس مہم پر اپنے بھائی قاورت کو بھیجا تھا جس نے بغاوت کا استیصال کیا اور پھر خود باغی ہوگیا لیکن یہ روایت کچھ صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ ابن اثیر کے بیان کی تائید خود نظام الملک کی اس حکایت سے ہوتی ہے جو اس نے دستور الوزراء میں درج کی ہے۔

سلطان کی شہادت

۴۶۵ھ کی ابتدا میں سلطان نے ماوراء النہر کا قصد کیا جہاں کا فرماں روا اس وقت شمس الملک تگین بن طُفغاج خاں تھا۔ اس سفر سے سلطان کا مقصد یہ تھا کہ تمام بلاد ترکستان کو اپنے زیرِ نگیں لے آئے۔ چنانچہ دو لاکھ کی عظیم الشان جمعیت کے ساتھ روانہ ہوا اور صفر کی ابتدا میں جیحوں پہنچ کر پل بندھوایا جسے عبور کرنے میں سلطانی فوج اور لاؤ لشکر نے تقریباً ایک مہینہ صرف کیا۔ ربیع الاوّل کی ابتدائی تاریخوں میں خود سلطان دریا کو عبور کر کے دوسری جانب پہنچا تو اس کے سامنے ایک قلعہ کے کوتوال یا محافظ کا مقدمہ پیش کیا گیا جو قربر نامی ایک قصبہ سے متصل واقع تھا[1]۔ اس قلعہ دار کا نام یوسف خوارزمی تھا[2] اور اس نے قلعہ کے معاملات میں کسی قسم کا جرم کیا تھا۔ ۶ ربیع الاوّل کو یوسف دو غلاموں کی حراست میں سلطان کے سامنے پیش کیا گیا۔ سلطان نے اس سے دریافتِ حال کرنے کی کوشش کی، مگر اس نے بدزبانی کے ساتھ جواب دیا۔ اس پر سلطان نے بگڑ کر حکم دیا کہ چار میخیں گاڑ کر اس کے چاروں ہاتھ پاؤں ان سے باندھ دیئے جائیں، اور اُسے عذاب

---

[1] ـــــــ حمد اللہ مُستوفی نے اس قلعہ کا نام بوزم لکھا ہے اور ابن الراوندی بوزم لکھتا ہے۔ لیکن ابو الفدا اور ابن خلکان نے صرف یہ لکھا ہے کہ یہ قلعہ قربر نامی ایک قصبہ سے متصل واقع تھا۔

[2] ابن الراوندی نے برزمی لکھا ہے۔

دے کر قتل کیا جائے۔ یوُسف کی گستاخی اس سے اور بڑھی۔ اس نے سُلطان کو خطاب کر کے کہا کہ "اے مخنّث، کیا مجھ جیسا شخص اس طرح مارا جائے گا؟" یہ فقرہ سنتے ہی سلطان جوشِ غضب سے وارفتہ ہو گیا۔ اس نے غلاموں کو حکم دیا کہ اسے چھوڑ دو اور خود تیر کمان اٹھا کر اس پر نشانہ لگایا مگر وار خالی گیا۔ حالانکہ سلطان ایسا قادر انداز تھا کہ اس کا نشانہ کبھی خطا نہ کرتا تھا۔ اُدھر سے یوُسف اپنی بغل سے چھُری نکال کر سلطان کی طرف جھپٹا۔ سلطان نے چاہا کہ تخت پر سے اُتر کر اس کی طرف بڑھے مگر اتفاق سے اس کا دامن پاؤں تلے آگیا اور وہ اوندھے منہ نیچے گرا۔ اتنے میں یوسف سر پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے سلطان کی کمر میں چھُری بھونک دی اور پھر پلٹ کر سعد الدولہ گوہر آئین کو جو سلطان کے پیچھے کھڑا تھا، زخمی کیا۔ اس اچانک حملے سے سارا دربار ہکا بکا رہ گیا۔ یوسف چاہتا تھا کہ اس ہڑبونگ سے فائدہ اٹھا کر مارتا ہوا نکل جائے۔ مگر ایک ارمنی فراش[1] نے بڑھ کر اس کے سر پر ایسی چوب ماری کہ چکرا کر نیچے گرا اور اس کے بعد ترکی سپاہی اس پر ٹوٹ پڑے یہاں تک کہ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

---

[1] ابن الراوندی اور حمد اللہ مُستوفی نے اس کا نام جامع نیساپوری لکھا ہے اور اس کا بیان ہے کہ وہ فراشوں کا افسر تھا۔ ابن الراوندی کا بیان ہے کہ ایک مدت بعد ملک شاہ کے زمانے میں اس فراش کے بیٹے کو خلیفہ کے خاص غلاموں میں سے ایک غلام نے قتل کر دیا اور حرم میں پناہ لی جہاں کوئی اس کو گرفتار نہ

زخمی سلطان اسی وقت ایک دوسرے خیمے میں پہنچایا گیا اور علاج شروع کیا گیا۔ زخم کاری تھا۔ کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ آخر ۱۰ ربیع الاوّل کو اس نے ۴۰ سال چند ماہ کی عمر میں انتقال کیا[1] اور مَرو لاکر دفن کیا گیا۔ آخری وقت میں اس نے نظام الملک کو بلا کر وصیت کی کہ تمام کاروبار مملکت کو بدستور سنبھالے رہنا اور میری جگہ میرے بیٹے ملک شاہ کو تخت پر بٹھانا۔ اس کے علاوہ اس نے اپنے بیٹے ایاز کو بلخ کی ریاست دی جو طغرل کے زمانے میں اس کے باپ داؤد کے پاس تھی، مگر بلخ کا قلعہ ملک شاہ کے سپرد کیا تاکہ ایاز بغاوت نہ کر سکے۔ اس نے ایاز کے لیے ۲۵ لاکھ دینار مقرر کیے اور اسے تاکید کہا کہ ہمیشہ اپنے بھائی ملک شاہ کی مدد کرتے رہنا۔ اپنے بھائی قاوَرت کو اس نے فارس و کرمان کی حکومت پر برقرار رکھا اور وصیت کی کہ وہ اس کی بیوی سے

ہ۔ کر سکتا تھا۔ یہ صورت دیکھ کر فراش ملک شاہ کے پاس پہنچا اور عرض کیا کہ "آپ میرے بیٹے کے قاتل کے ساتھ وہی کیجیے جو میں نے آپ کے والد کے قاتل کے ساتھ کیا تھا۔" ملک شاہ اس کے اس طرزِ فریاد سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے اپنے حاجب کو حکم دیا کہ قاتل جہاں ملے اسے گرفتار کیا جائے۔ خلیفہ مُقتدی نے دس ہزار دینار تک خونبہا میں دینے کو کہا، مگر قاتل کو گرفتار کیا گیا اور قصاص لیا گیا (ص ۴۲۲)۔

[1] اس کی یہ عمر ابن خلکان، ابن اثیر، عماد کاتب اور ابوالفدا نے بیان کی ہے۔ مگر ابن الراوندی، میرخوند اور حمداللہ مُستوفی ۴۴ سال بتاتے ہیں۔

نکاح کرلے۔[1]

کہا جاتا ہے کہ حالتِ مرض میں سلطان نے کہا کہ تمام عمر میں نے اپنے دل میں غرور و خودپسندی کو جگہ نہ دی تھی۔ مگر کل جب میں نے ٹیلے پر سے اپنی عظیم الشان فوج پر نگاہ ڈالی تو دل میں خیال آیا کہ آج روئے زمین پر کوئی طاقت میرا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ پھر جب یوسف میرے سامنے لایا گیا تو میں نے خدا کے بجائے اپنی قوتِ بازو پر بھروسا کیا اور اسے حقیر جانا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا نے ایک ادنیٰ قیدی کے ہاتھوں مجھے موت کے منہ میں پہنچا دیا۔[2]

الپ ارسلان کی سیرت

الپ ارسلان کا نام محمد تھا، ابو شجاع کنیت کرتا تھا اور الولد المُؤیَّد ضیاء الدین عَضُدُ الدولہ کے خطابات اسے دربارِ خلافت سے ملے تھے۔ مگر سب سے زیادہ مشہور نام الپ ارسلان ہی ہے جو اس کی صفاتِ ذاتیہ کے لحاظ سے بالکل مناسب نام ہے۔[3]

اس کی تاریخِ پیدائش میں اختلاف ہے۔ ابن اثیر، عماد کاتب[1] اور ابنِ

---

[1] ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۳۱۔ زبدۃ النصرہ، ص ۴۷۔

[2] الپ ارسلان کی وفات کے حالات کے لیے دیکھو: ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۳۰۔ زبدہ، ص ۴۵۔ ۴۷۔ ابوالفدا، ج ۲، ص ۱۸۹۔ راحۃ الصدور، ص ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ تاریخ گزیدہ، ص ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ روضۃ الصفا، ج ۴، ص ۱۰۰۔ ابن خلکان، ترجمۂ الپ ارسلان۔

[3] الپ کے معنی ترکی زبان میں شجاع کے ہیں اور ارسلان کے معنی شیر کے۔

خلکان سنہ ۴۲۴ھ بتاتے ہیں۔ اور ابن اثیر ایک دوسری روایت کے مطابق ۴۱۶ھ
بھی کہتا ہے۔ مگر اس کا ذکر وہ "قیل" کے ساتھ کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہے
کہ وہ اسے چنداں قابلِ اعتبار نہیں سمجھتا۔ بخلاف اس کے ابن الراوندی،
حمداللہ مُستَوفی، اور میر خوند وغیرہ ۲ محرم سنہ ۴۲۱ھ بتاتے ہیں۔

ابتدائی زندگی باپ اور چچا کے ساتھ ترک تازیوں میں گزری۔ باپ کی
زندگی میں کبھی اس کی ریاست کے صوبوں کی ولایت پر مامور ہوتا اور کبھی
غزنیں وغیرہ ہمسایہ سلطنتوں کے خلاف جنگ پر بھیجا جاتا تھا۔ رجب ۴۵۱ھ
دیا صفر سنہ ۴۵۲ھ) میں جب چغری بک داؤد کا انتقال ہوا تو یہ اس کی جگہ
خراسان کی ریاست کا مالک ہوا اور طغرل بک کی وفات تک وہیں رہا۔
سنہ ۴۵۵ھ میں جب طغرل بک کا بھی انتقال ہو گیا تو اس کی قابلیت و شجاعت
نے اسے پوری سلطنتِ سلاجقہ کا فرمانروا بنا دیا۔ اس طرح اس نے تین چار
سال تک خراسان پر حکومت کی اور دس سال کے قریب تمام وسطی و غربی
ایشیا پر حکمراں رہا۔ اس زمانے میں اس نے اپنی سلطنت کو دریائے سیحون
کے مشرقی ساحل سے لے کر بحرِ روم کے کناروں تک وسیع کر لیا، الجزیرہ اور
شام کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو توڑ کر ایک نظامِ سلطنت میں شامل کیا، حجاز
و شام کو فاطمی سلطنت کے اقتدار سے نکال لیا، اور روم و گرجستان کی
طاقتوں کو نیچا دکھا کر تمام دنیا میں اپنی دھاک بٹھا دی۔ اپنی فوجی قوت،
اپنے عسکری نظام، اپنی قائدانہ قابلیت اور اپنی شوکت و حشمت کے لحاظ
سے وہ اس وقت سلاطینِ عالم میں سب سے بڑا سلطان تھا، اور ایک

ایسی وسیع اور مضبوط سلطنت کا مالک تھا جس کی ٹکر کی اس وقت دنیا میں کوئی
دوسری سلطنت نہ تھی۔

شجاعت، خدا ترسی، اور ذاتِ باری پر توکل اس کی سیرت کے نمایاں
خصائص ہیں جن کے اثرات اس کی زندگی کے واقعات میں ممتاز نظر آتے ہیں۔ فیاضی
فراخ حوصلگی اور عفو و درگزر بھی اس کی ایسی خصوصیات ہیں جو اس کی سیرت میں
ہر موقع پر ظاہر ہوتی رہی ہیں۔ امراء اور عمالِ سلطنت نے پیہم بغاوتیں کیں اور اس نے
ہمیشہ ان کو معاف کیا۔ اس کے عزیز و اقارب دشمن بن کر اس سے لڑنے آئے
اور جب وہ مارے گئے تو وہ ان دشمنوں کے لیے رو دیا۔ غیر مذہب اور غیر قوم کے
دشمن اس پر حملہ آور ہوتے اور اس نے غلبہ پانے کے بعد انہیں عزت کے ساتھ
چھوڑ دیا اور ان سے احسان کا سلوک کیا۔ ان باتوں کے علاوہ مؤرخین نے اس
کی اور بھی خوبیاں بیان کی ہیں۔ اس کے مطبخ میں روزانہ پچاس بکریاں ذبح کی جاتی
تھیں اور ان کا کھانا فقراء و مساکین کو کھلایا جاتا تھا۔ اس کے دیوان میں بےشمار
محتاجوں کے نام لکھے تھے جن کی تنخواہیں اس کے خزانے سے مقرر تھیں۔ اس کے
باوجود جب کبھی کسی خستہ حال مسکین پر اس کی نظر پڑ جاتی تو اس کے حال پر روتا
اور اس کی مدد کرتا تھا۔ رمضان کے زمانے میں ہر سال ۱۵ ہزار دینار صدقہ کرتا
تھا۔ رعایا کی خوشحالی اور ان کے ساتھ عدل و انصاف کا اسے خاص خیال تھا۔
اس نے حکم دے دیا تھا کہ ان پر خراج کی اصل رقم کے سوا اور کسی قسم کے ٹیکسوں
اور محصولوں کا بوجھ نہ ڈالا جائے، اور خراج بھی سال میں دو مرتبہ کر کے لیا جائے
تاکہ وہ اسے آسانی کے ساتھ ادا کر سکیں۔ ایک مرتبہ اسے معلوم ہوا کہ اس

کے خاصہ کے ممالیک میں سے ایک شخص نے کسی دیہاتی کا کپڑا چھین لیا ہے تو اس نے مُجرم کو گرفتار کر کے برسرِ عام سُولی پر لٹکوا دیا تاکہ آئندہ کوئی رعایا کو ستانے کی جرأت نہ کر سکے۔

سلطنت کا کاروبار اس نے اپنے قابل وزیر نظام الملک طوسی کے سپرد کر دیا تھا اور اس کے انتظام میں دخل نہ دیتا تھا۔ نظام الملک کے حاسدوں نے ایک مرتبہ اس کے پاس عرضی بھیجی جس میں وزیر کی بہت سی شکایتیں تھیں۔ اس نے اس عرضی کو پڑھا اور وزیر کو دے کر کہا کہ اگر یہ شکایت کرنے والے سچے ہیں تو تم اپنا رویہ درست کرو اور اپنے اخلاق پاکیزہ بناؤ۔ اور اگر وہ جھوٹے ہیں تو ان کی خطا معاف کر دو اور انہیں کام پر لگا دو تاکہ انہیں شکایت کرنے کی فرصت نہ رہے۔

اس نے اپنے پیچھے بہت اولاد چھوڑی جن میں ملک شاہ سب سے زیادہ نامور ہُوا۔ اس کے علاوہ ایاز، بکش، تُتُش، ارسلان شاہ، ارسلان ارغون، اطیاس اور بُوری بُرس بھی منظرِ تاریخ پر نمایاں ہوئے ہیں۔ لڑکیوں میں سارہ، عائشہ، اور ایک اور بیٹی کا ذکر مؤرخین نے کیا ہے۔ ان میں سے ایک خلیفہ مُقتدی سے بیاہی گئی تھی جس کا لقب سفری خاتون تھا۔ باقی لڑکیوں کا کچھ حال معلوم نہ ہُوا[1]

چونکہ الپ ارسلان کے عہد میں سلطنت کا انتظام نظام الملک کے

---

[1] یہ حالات زیادہ تر ابن اثیر اور زُبدۃ النصرہ سے ماخوذ ہیں۔

ہاتھ میں تھا، اور وہی ملک شاہ کے بھی پُورے عہدِ سلطنت میں صاحبِ امر رہا، اس لیے انتظامی حیثیت سے یہ پُورا دَور نظام الملک کا دَور تھا۔

باب چہارم

دَورِ عُروج (مسلسل)

ملک شاہ

۴۶۵ھ / ۱۰۷۲ء — ۴۸۵ھ / ۱۰۹۲ء

جس وقت الپ ارسلان کا انتقال ہوا، ملک شاہ وہیں موجود تھا۔ نظام الملک نے سلطان کی آنکھ بند ہوتے ہی امرائے لشکر اور اعیانِ سلطنت سے اس کے لیے بیعت لی۔ دربارِ خلافت کو اس کی جانشینی کی اطلاع دے کر خطبے کی درخواست کی۔ اور صوبوں کے عُمّال اور گرد و نواح کے ملوک و سلاطین کو بھی اس سے مطلع کر دیا۔ نیز اس نے لشکر کی وفاداری حاصل کرنے کے لیے ان کی تنخواہوں میں سات لاکھ دینار کا اضافہ کیا۔ اور یہ اس زمانے کا عام دستور تھا کہ ایک بادشاہ کے مرنے کے بعد جب دوسرا اس کا جانشین ہوتا تو فوج کو انعامات دے کر اور ان کی تنخواہوں میں اضافے کر کے انہیں خوش کیا کرتا تھا۔ سلطان ابھی بالکل نوجوان تھا۔ اس کی عمر اٹھارہ سال سے زیادہ نہ تھی۔

[illegible]

خانِ سمرقند کی بغاوت

[illegible]

غزنویوں کا حملہ

[illegible]

گئے۔ ملک شاہ کا چچا امیر عثمان، جس کا لقب امیر الامراء تھا، ان کے ہاتھ گرفتار ہُوا اور انہوں نے اسے اُس کے خزائن و حشم سمیت غزنیں بھیج دیا۔ مگر اس کے بعد ہی امیر گمشتگین بلکا بک جو اُمرائے کبار میں سے تھا، طخارستان پہنچ گیا اور اس نے غزنویوں سے اس علاقے کو واپس لے لیا۔[1]

قاوَرد بک کی بغاوت اور اس کا استیصال

ادھر فارس و کرمان کے فرمانروا قاوَرد بک[2] نے جب اپنے بھائی سلطان کی وفات کا حال سُنا تو اسے بھتیجے کے مقابلے میں سلطنت حاصل کرنے کی طمع دامنگیر ہوئی اور اس نے رَے کی طرف کوچ کر دیا تاکہ ملک شاہ سے پہلے وہاں پہنچ جائے۔ مگر ملک شاہ اور نظام الملک اس سے پہلے رَے پہنچ گئے اور وہاں سے ایک لشکرِ گراں کے ساتھ اس کے مقابلے پر بڑھے۔ ۴ر شعبان کو ہمدان کے قریب کرج[3] کے مقام پر جنگ[4] ہُوئی۔ ملک شاہ کی ترکی فوج کا

---

[1] ابن اثیر ج ۱۰، ص ۳۲۔

[2] اس کے نام میں اختلاف ہے۔ ابن اثیر قاورت لکھتا ہے اور ابوالفدا قاروت۔ مگر عماد کاتب، بُنداری، ابن الراوندی، ابن ابراہیم اور میر خوند نے قاورد لکھا ہے۔

[3] یہ مقام ہمدان اور اصفہان کے درمیان واقع ہے۔ ہمدان سے اس کا فاصلہ ۳۰ فرسنگ ہے اور اصفہان سے ۲۵ فرسنگ (یاقوت، ج ۷، ص ۲۳۰) میر خوند نے غلطی سے اس کا نام کرخ لکھا ہے۔

[4] ابن اثیر، ابن خلکان، عماد کاتب اور ابوالفدا نے مقام جنگ کا نام حذف

الپ ارسلان جیسے پُرہیبت فرمانروا کے بعد ایک نوعمر لڑکے کے برسرِ حکومت آنے سے خطرہ تھا کہ ہر طرف تخت کے مدعی اُٹھ کھڑے ہونگے، ماتحت ریاستیں باغی ہو جائیں گی، اور بیرونی دشمنوں کو بھی حملہ کرنے کی جرأت ہو گی ایسے نازک وقت میں مناسب نہ تھا کہ بادشاہ ملک کے ایک دُور دراز گوشے میں مقیم رہتا۔ انہی وجوہ سے نظام الملک اس کو لے کر بہت تیزی کے ساتھ خراسان کی طرف روانہ ہوا اور صرف تین دن کے اندر جیحوں عبور کر لیا، حالانکہ الپ ارسلان کے ساتھ ماوراء النہر آتے وقت اسی لشکر نے تقریباً ایک مہینے میں جیحوں پار کیا تھا۔ خراسان آکر اس نے شاہزادہ ایاز کو بلخ پر چھوڑا اور خود نیشا پور ہوتا ہوا رَے کی جانب روانہ ہوا۔

خانِ سمرقند کی بغاوت

ملک شاہ کے پیٹھ موڑتے ہی اِلتگین خان سمرقند باغی ہو گیا اور ربیع الآخر ۴۶۵ھ کی ابتداء میں اس نے بڑھ کر ترمذ پر قبضہ کر لیا۔ نوجوان شاہزادہ ایاز نے دس ہزار فوج کے ساتھ اس سے جنگ کی، مگر شکست کھائی اور جیحوں میں اپنی بہت سی فوج ضائع کر کے بلخ واپس آگیا۔[1]

غزنویوں کا خروج

جمادی الاولیٰ میں غزنویوں نے طخارستان پر حملہ کیا اور تِرمِلگند[2] پر قابض ہو

---

[1] ابن اثیر، ج ۱۰ ص ۴۲-۴۳

[2] طخارستان کا ایک ضلع ہے بہت آباد و شاداب (مُعجم البُلدان، ج ۵ ص ۱۹۸)

گئے۔ ملک شاہ کا چچا امیر عثمان جس کا لقب امیر الامراء تھا، ان کے ہاتھ گرفتار ہوا اور انہوں نے اسے اُس کے خزائن و حشم سمیت غزنین بھیج دیا۔ مگر اس کے بعد ہی امیر گمشتگین بلکابک جو اُمرائے کبار میں سے تھا، طخارستان پہنچ گیا اور اس نے غزنویوں سے اس علاقے کو واپس لے لیا۔[1]

قاوَرد بک کی بغاوت اور اس کا استیصال

ادھر فارس و کرمان کے فرمانروا قاوَرد بک نے جب اپنے بھائی سلطان کی وفات کا حال سُنا تو اسے بھتیجے کے مقابلے میں سلطنت حاصل کرنے کی طمع دامنگیر ہوئی اور اس نے رَے کی طرف کوچ کر دیا تاکہ ملک شاہ سے پہلے وہاں پہنچ جائے۔ مگر ملک شاہ اور نظام الملک اس سے پہلے رَے پہنچ گئے اور وہاں سے ایک لشکرِ گراں کے ساتھ اس کے مقابلے پر بڑھے۔ ۴ شعبان کو ہمدان کے قریب کرج[3] کے مقام پر جنگ ہوئی[4]۔ ملک شاہ کی ترکی فوج کا

---

[1] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۴۲۔

[2] اس کے نام میں اختلاف ہے۔ ابن اثیر قاوَرت لکھتا ہے اور ابوالفدا قاروت۔ مگر عماد کاتب، مُستوفی، ابن الراوندی، ابن ابراہیم اور میر خوند نے قاوَرد لکھا ہے۔

[3] یہ مقام ہمدان اور اصفہان کے درمیان واقع ہے۔ ہمدان سے اس کا فاصلہ ۳۰ فرسنگ ہے اور اصفہان سے ۴۵ فرسنگ (یاقوت، ج ۷ ص ۲۲۰) میر خوند نے غلطی سے اس کا نام کرخ لکھا ہے۔

[4] ابن اثیر، ابن خلکان، عماد کاتب اور ابوالفدا نے مقام جنگ کا نام حذف

بیشتر حصہ قاوَرد کی جانب مائل تھا، اس لیے کرمانی فوج کے پہلے ہی حملے میں اس کا میمنہ پسپا ہو گیا۔ مگر خوش قسمتی سے عربوں اور کُردوں کی ایک زبردست فوج شرف الدولہ مسلم بن قریش اور بہاؤ الدولہ منصور بن دُبَیس بن مُزْیَد کی قیادت میں ملک شاہ سے آن ملی تھی۔ اس نے میسرے پر ڈٹ کر مقابلہ کیا اور قاوَرد کے میمنے کو توڑ کر ہزیمت دی۔ ملک شاہ کی فوج کو ان نو واردوں کی کامرانی اس قدر ناگوار ہوئی کہ انہوں نے شرف الدولہ اور بہاؤ الدولہ کی فرودگاہ پر حملہ کر کے اسے لوٹ لیا لیکن ان کا یہ غیظ و غضب لاحاصل تھا۔ ان کی خواہش کے خلاف قاورد کو شکست ہو گئی اور وہ میدان سے بھاگ نکلا۔ پھر وہ اپنے بیٹوں سمیت قریب کے ایک گاؤں میں پکڑا گیا۔ اس نے ملک شاہ کے سامنے حاضر ہو کر معافی چاہی اور اپنی برأت میں خطوں کا ایک پلندہ پیش کیا جو شاہی فوج کے امراء نے اسے لکھے تھے۔ ان خطوں میں اسے اپنی وفاداری کا یقین دلایا تھا اور حملہ کرنے کی دعوت دی تھی۔ ملک شاہ نے یہ خط نظام الملک کو دیئے تاکہ انہیں بلند آواز سے پڑھے۔ غالباً اس کا منشا یہ تھا کہ جن امراء نے یہ غداری کی ہے انہیں خود ان کی تحریروں سے قائل کر کے سخت سزائیں دی جائیں۔ مگر نظام الملک نے خیال کیا کہ اس سازش میں بڑے بڑے اعیانِ سلطنت ملوث پائے جائیں گے اور ان کا جرم کھل جانے کے بعد دو نقصانوں

۳۔ کر دیا ہے اور صرف ہمدان کے قریب جنگ ہونے کا ذکر کیا ہے۔ مگر ابن الراوندی، حمد اللہ مستوفی اور میر خوند مقام جنگ کی تصریح کرتے ہیں۔

میں سے ایک نقصان لامحالہ اٹھانا پڑے گا یا تو ان سب کو قتل کرنا ہو گا جس سے سلطنت اپنے بہترین آدمیوں سے محروم ہو جائے گی، یا پھر ان سے چشم پوشی کرنی پڑے گی اور اس طرح وہ ہمیشہ سازش اور ریشہ دوانی پر جری ہو جائیں گے۔ اس لیے اس نے پردہ پوشی ہی مناسب سمجھی اور بادشاہ کے سامنے ان خطوط کو آتش دان کے حوالے کر دیا[1]۔ مگر ابھی قاوَرد زندہ تھا، اس لیے شاہی فوج میں اس کے حامی عناصر پوری طرح نہ دبے تھے۔ انہوں نے اب دوسرا پہلو اختیار کیا اور نظام الملک سے مطالبہ کرنے لگے کہ ان کی تنخواہوں میں اضافہ ہونا چاہیے۔ آخر کار اس فتنے کو فرو کرنے کے لیے بادشاہ کے حکم سے قید خانے میں قاوَرد کو قتل کر دیا گیا اور اس کے دونوں بیٹوں، امیران شاہ اور کرمان شاہ کی آنکھیں پھوڑ دی گئیں۔ لشکر نے جب یہ خبر سُنی تو دم بخود رہ گیا اور پھر کسی کو یارائے کلام نہ رہا[2]۔

نظام الملک کے اختیارات میں توسیع

اس فتح نے ملک شاہ کی بادشاہی کو خطرات سے پاک کر دیا، مگر ابھی ملک کے انتظام میں پراگندگی باقی تھی اور اسے شورش پسند لشکریوں نے اور زیادہ

---

[1] اس واقعہ کا راوی ابن خلکان ہے۔

[2] ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۳۲۔ زبدۃ النصرہ، ص ۴۸۔ ابن خلکان، ترجمہ ملک شاہ حرف م۔ تاریخ سلجوقیان کرمان، از محمد بن ابراہیم ص ۱۳۔ ابوالفداء، ج ۲، ص ۱۸۹۔ راحۃ الصدور ص ۱۲۶-۱۲۷۔ تاریخ گزیدہ، ص ۴۴۲۔ روضۃ الصفا، ج ۴، ص ۱۰۱۔

کر دیا تھا، کیونکہ وہ اب قاوردؔ کے معاملے میں اپنی ناکامی کا غصہ غریب رعایا پر آکر رہے تھے اور ہر طرف انہوں نے ایک ہنگامہ برپا کر رکھا تھا نظام الملک نے یہ تمام حالات ملک شاہ کے سامنے بیان کیے اور بتایا کہ اس سے نظامِ مملکت میں کیا خرابیاں واقع ہو رہی ہیں۔ ملک شاہ نے کہا کہ تم مختارِ کار ہو، جس طرح مصلحت دیکھو اس فتنے کو فرو کرو۔ اس نے عرض کیا کہ میں آپ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا۔ اس پر ملک شاہ نے تمام جزئیات وکلیاتِ سلطنت نظام الملک کے سپرد کر دیئے اور اسے "آتابک"[1] کا جلیل القدر لقب دیا، اور اس کی جاگیر میں ایک بہت بڑا علاقہ دے دیا جس میں خود اس کا وطن طوس بھی شامل تھا۔[2] اگرچہ الپ ارسلان کے زمانے میں بھی نظام الملک کامل الاقتدار وزیر تھا مگر اب وہ مختارِ کل ہو گیا اور اسے اپنی رائے کے مطابق امورِ مملکت کی تدبیر کے غیر محدود اختیارات حاصل ہو گئے۔

دربارِ خلافت سے سلطنت کا پروانہ

ان مہمات سے فارغ ہونے کے بعد ملک شاہ کی جانب سے سعد الدولہ

---

[1] یہ خطاب بعد میں بہت عام ہو گیا، مگر اس زمانے میں ترکوں کے ہاں یہ ایک غیر معمولی خطاب تھا۔ اس کے معنے ترکی زبان میں "امیر والد" یا "سردار پدر" کے ہیں اور یہ خطاب ایسے بزرگ، وفادار اور جلیل القدر امیر کو دیا جاتا تھا جسے بادشاہ اپنے لیے بمنزلہ باپ کے سمجھتا ہو۔

[2] ابن اثیر ج ۱۰، ص ۳۲-۳۳۔ ابو الفدا، ج ۲، ص ۱۸۹۔ زبدہ، ص ۴۸۔

گوہر آئین کو بغداد بھیجا گیا تاکہ وہ خلیفہ سے نئے سلطان کے لیے سلطنت کا پروانہ حاصل کرے۔ وہ صفر ۴۶۶ھ میں بغداد پہنچا۔ یہاں اس کے اعزاز میں دربارِ عام منعقد کیا گیا جسے دیکھنے کے لیے بغداد کی خلقت ٹوٹ پڑی۔ خلیفہ خود تختِ خلافت پر جلوہ گر ہوا۔ ولی عہد خلافت عُدّۃ الدین المُقتَدِی بِاَمرِ اللہ اس کے پیچھے کھڑا ہوا۔ پروانہ سلطنت کا ابتدائی حصہ خلیفہ کے وزیر نے پڑھ کے سنایا اور اسے سعد الدولہ کے حوالہ کیا گیا۔ پھر خلیفہ نے اپنے ہاتھ سے لواء سلطنت اس کے سپرد کیا۔[1]

ترمذ کی تسخیر اور خانِ سمرقند کی اطاعت

دوسری طرف ماوراء النہر کا مسئلہ بھی حل طلب تھا جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، وہاں خانِ سمرقند نے ملک شاہ کے پیٹھ موڑتے ہی عہدِ اطاعت توڑ دیا تھا اور ایاز کو شکست دے کر ترمذ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس لیے مرکزِ سلطنت کی طرف سے اطمینان حاصل ہوتے ہی شاہ و وزیر نے اس طرف توجہ کی اور ترمذ کا محاصرہ کر لیا۔ شاہی فوجوں نے شہر کی خندق پاٹ دی اور منجنیقوں سے اس زور کی سنگ باری کی کہ محصور فوج خوف زدہ ہو گئی۔ خود خان کا بھائی جو قلعہ کی محافظ فوج کا کماندار تھا طالبِ صلح و امان کا پیام لے کر نکلا۔ سلطان نے اعزاز و اکرام سے اس کی پذیرائی کی، اسے امان دی، خلعت سے سرفراز کیا اور شہر کو امیر ساؤتگین کے سپرد کر کے اس کی از سرِ نو تحصین اور قلعہ بندی

---

[1] ابن اثیر ج ۱۰، ص ۳۲-۳۳۔ ابو الفدا، ج ۲، ص ۱۸۹۔ زبدہ، ص ۴۸۔

کرائی۔ اس کے بعد وہ سمرقند پر بڑھا۔ اب خان میں تاب مقاومت نہ تھی۔ وہ اپنے دارالملک کو چھوڑ کر نکل گیا، سلطان کو مصالحت کا پیغام بھیجا اور نظام الملک سے التجا کی کہ وہ اپنی وساطت سے عفو تقصیر کرادے۔ اس کی درخواست قبول کی گئی اور ملک شاہ اس سے صلح کر کے رَے واپس آگیا[1]۔ یہ سب واقعات سنہ ۴۶۶ھ کے ہیں۔

اسی سال سلطان کے بھائی ایاز کا انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ بلخ و طخارستان کی حکومت امیر شہاب الدین تکش کو دی گئی جو الپ ارسلان کے بیٹوں میں سے تھا[2]۔

دمشق کی فتح

الپ ارسلان کی زندگی میں شام و فلسطین کا ایک بڑا حصہ مصر کی فاطمی سلطنت سے چھینا جا چکا تھا اور صرف ایک دمشق باقی رہ گیا تھا، جو سنہ ۴۶۳ھ میں ایک طویل محاصرے کے باوجود فتح نہ ہو سکا تھا۔ رمضان ۴۶۷ھ/۱۰۷۵ء میں ملک اتسز[3]

[1] ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۳۸۔

[2] ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۳۸۔ صاحب زبدہ نے صرف ایاز کے انتقال کا واقعہ لکھا ہے مگر یہ نہیں لکھا کہ اس کی جگہ کس کو دی گئی (زبدہ، ص ۴۹)۔

[3] ابن اثیر نے اس کا نام اَقسیس لکھا ہے۔ مگر ایک دوسرے مقام پر وہ کہتا ہے کہ اصل ترکی نام آتسز ہے جسے اہل شام نے بگاڑ کر اقسیس کر دیا۔ ابوالفدا بھی اس کا نام اتسز ہی لکھتا ہے۔

نے اس پر دوبارہ حملہ کیا اور مہینہ بھر محاصرہ کیے رہنے کے بعد پسپا ہو گیا۔ مگر اس کے بعد ہی دمشق میں طوائف الملوکی اور قحط کا زور ہو گیا۔ فاطمیین کے بدکردار گورنر معلی بن حیدرہ کو اہل شہر نے نکال دیا، مصمودیوں اور شہر کے نوخیز قسمت آزماؤں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی اور دوسری طرف فصلوں کی خرابی سے دمشق اور اس کے نواح میں لوگوں پر عرصۂ زندگی تنگ ہو گیا۔ ان اسباب سے فائدہ اٹھا کر شعبان ۴۶۸ھ میں اتسز نے تیسری مرتبہ دمشق پر حملہ کیا اور طویل محاصرے کے بعد فاطمی گورنر انتصار بن یحییٰ المصمودی نے قلعہ بانیاس اور یافا کے عوض شہر اس کے سپرد کر دیا۔ ۲۵ ذی القعدہ کو جامع دمشق میں عباسی خلیفہ المقتدی بامر اللہ کا خطبہ پڑھا گیا اور خلیفۂ مصری کا خطبہ وہاں سے منقطع ہو گیا[2]۔

مصر پر ناکام حملہ

دوسرے سال ۴۶۹ھ میں اتسز نے بڑھ کر مصر پر حملہ کر دیا اور قاہرہ تک بڑھتا چلا گیا۔ اس زمانے میں فاطمی سلطنت بدنظمی کے دور سے گزر رہی تھی۔ ابھی ابھی اس نے ہفت سالہ قحط سے نجات پائی تھی اور امیر الجیوش بدر الجمالی اس کے امور کی از سر نو تنظیم کر رہا تھا۔ ان حالات میں اتسز کی زبردست فوج کا مقابلہ کرنا مصریوں کی طاقت سے باہر تھا۔ مگر حملہ آوروں نے خود اپنے ہاتھوں ایک ایسی قوت پیدا کر دی جس نے مصریوں کی طرف سے ان کا مقابلہ

[1] یہ ۴۶۷ھ میں اپنے دادا القائم بامر اللہ کی جگہ خلیفہ ہوا تھا۔

[2] ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۴۱۔ ابوالفدا، ج ۲، ص ۱۹۲۔

کیا اور انہیں شکست دے کر بھگا دیا۔ انہوں نے قاہرہ کے سامنے خیمہ زن ہونے کے
بعد جب اہلِ ملک کو ضعیف و بے بس دیکھا تو فوجی ضبط و نظام کو توڑ کر اطراف و
جوانب میں لوٹ مار کے لیے پھیل گئے اور ظلم و ستم کا ایسا بازار گرم کیا کہ سارے
اہلِ ملک چیخ اٹھے۔ اطراف کے زمینداروں اور با اثر لوگوں نے فاطمی خلیفہ المستنصر
باللہ سے اس کی فریاد کی۔ اُس نے عذر کیا کہ میرے پاس ان کے مقابلے کے
لیے قوت نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم آپ کو فوج دیتے ہیں، ایک طرف آپ
اَتسِز پر حملہ کیجیے جس کے پاس ایک قلیل جمعیت رہ گئی ہے۔ اور دوسری طرف
ہم اس کی ان منتشر فوجوں پر یکبارگی ٹوٹ پڑتے ہیں جو مضافات میں لوٹ مار
کرتی پھر رہی ہیں۔ چنانچہ یہی تدبیر کی گئی اور اس دوہرے حملے سے شکست کھا کر
اَتسِز بحالِ تباہ اس طرح بھاگا کہ اس کی فوج کا بیشتر حصہ قتل و اسیر ہوا، خود
اس کا ایک بھائی مارا گیا۔ اور دوسرا سخت زخمی ہوا[1]

اس تباہ کن اور احمقانہ کارروائی نے اَتسِز کی ناقابلیت کا راز فاش کر دیا
اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصریوں کو جو پہلے اپنا ملک بچانے کے قابل بھی نہ تھے، سلجوقیوں
سے اکثر شام بھی واپس لینے کی جرأت ہو گئی۔ چنانچہ سنہ ۴۶۹ھ میں انہوں نے حملہ

---

[1] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۴۱ و ۴۲ - ابوالفداء ج ۲ ص ۱۹۲ - ابن اثیر نے اس واقعے کے
بارے میں مختلف روایتیں بیان کی ہیں، اور ابوالفداء نے اختصار کے ساتھ دو متضاد روایتیں
لکھ دی ہیں۔ میں نے ان سب روایتوں کو نظر میں رکھ کر واقعے کی وہ صورت اختیار کی
ہے جو سب سے زیادہ اقرب الی القیاس ہے۔

کر کے اَتسِز کو دمشق میں محصور کر لیا۔ دوسری طرف ملک شاہ کو جب اپنے گورنر کی
ان غلطیوں کا علم ہوا تو اس نے اَتسِز کو معزول کر کے اپنے بھائی تاج الدولہ تُتُش بن
الپ ارسلان[1] کو اس فرمان کے ساتھ شام کا گورنر مقرر کیا کہ وہ شام کے علاوہ اور
جو علاقے فتح کرے گا وہ سب اس کے زیرِ حکومت ہوں گے۔ اس کے دمشق پہنچتے
ہی مصری فوج محاصرہ اٹھا کر واپس چلی گئی۔ اس نے دمشق پر قبضہ کر لیا (سنہ ۴۷۱ھ)
اور اَتسِز سے سخت مواخذہ کیا جس کی جواب دہی وہ نہ کر سکا اور آخر کار اسے موت
کی سزا دی گئی[2]۔

تکش کی بغاوت

شعبان سنہ ۴۷۳ھ میں ملک شاہ کرمان وغیرہ صوبوں کا دورہ کرتا ہوا رَے آیا
اور یہاں اس نے فوج کا جائزہ لے کر ۷ ہزار آدمیوں کی تخفیف کا حکم دیا جو اس کی
رائے میں ناکارہ سپاہی تھے۔ نظام الملک نے اسے اس فعل سے باز رکھنے کی کوشش
کی اور کہا کہ یہ لوگ نہ منشی ہیں نہ تاجر اور نہ درزی اور نہ ان کا کوئی دوسرا پیشہ ہے۔
یہ صرف سپاہی ہیں۔ اگر ہم انہیں علیحدہ کریں گے تو کچھ بعید نہیں کہ یہ کسی اور کو

---

[1] یہی سلاجقۂ شام کی ریاست کا بانی ہے۔ ابوالفداء نے اس کا نام
تنش لکھا ہے۔ مگر ابن اثیر، عماد کاتب، ابن الراوندی اور حمداللہ مستوفی تُتُش
لکھتے ہیں۔

[2] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۵۴ - ابوالفداء ج ۲ ص ۱۹۳-۱۹۴ - صاحب زبدہ نے
بھی اس واقعہ کی طرف مختصراً اشارہ کیا ہے (ص ۱۸)

سلطان تسلیم کرکے اس کے تسلط کے لیے برسرِ پیکار ہو جائیں۔ اس صورت میں ہم کو پریشانی الگ اٹھانی پڑے گی اور ہمیں اس رقم سے کئی گنا زیادہ روپیہ خرچ کرنا ہوگا جو رقم ہم ان پر خرچ کرتے ہیں۔ سلطان نے اپنے وزیر کے اس عاقلانہ مشورے کو قبول نہ کیا اور اپنا حکم نافذ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ سب لوگ اس کے بھائی تکش سے جا ملے، اور ان کے مل جانے سے اس کے دماغ میں بغاوت اور حصولِ سلطنت کی ہوا ابھر گئی۔ اس نے بوشنج[1] سے نکل کر خراسان پر حملہ کر دیا۔ مروالروذ، مروالشاہجان اور ترمذ پر قبضہ کرکے خراسان کے دارالحکومت نیشاپور کی طرف پیش قدمی کی۔ اگر اس مہم میں وہ کامیاب ہو جاتا تو یقیناً یہ بغاوت خطرناک صورت اختیار کر لیتی۔ مگر ملک شاہ عین موقع پر پوری قوت کے ساتھ آگیا اور نیشاپور کو محفوظ کرتا ہوا تیزی کے ساتھ آگے بڑھا۔ مجبوراً تکش نے پسپا ہو کر ترمذ میں پناہ لی اور مصلحتاً بھائی سے صلح کر لی۔ مگر یہ صلح محض عارضی تھی۔ وہ صرف اس کا منتظر تھا کہ ملک شاہ جب سلطنت کے کسی دور دراز علاقے میں ہو تو پھر خراسان پر حملہ کرے۔ چنانچہ ۴۷۷ھ میں جب سلطان الجزیرہ کا دورہ کر رہا تھا اس نے دوبارہ حملہ کیا اور سرخس تک بڑھ آیا۔ اس مرتبہ حالات ایسے تھے کہ وہ رَے سے ادھر دم نہ لیتا۔ مگر نظام الملک کے دوست ابوالفتوح طوسی نے ایک سیاسی چال سے اس کو یہ فریب دے دیا کہ ملک شاہ رَے سے واپس آگیا ہے اس لیے وہ خوف زدہ ہو کر فوراً چلا گیا۔

[1] یہ نسف کے علاقے میں ایک قلعہ ہے (یاقوت حموی)

تین مہینے بعد ملک شاہ واپس آیا اور آتے ہی اس نے تکش کے استیصال کا قصد کیا۔ اس نے تکش کو حلف یقین دلایا کہ میں تجھے کوئی سزا نہیں دوں گا۔ وہ مطیع ہو کر اس کے پاس چلا آیا۔ مگر لوگوں نے مشورہ دیا کہ اب اسے آزاد چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔ آخر عہد شکنی کے گناہ سے بچنے کی یہ صورت نکالی گئی کہ اس کو شاہزادہ احمد کے سپرد کر دیا گیا جو ملک شاہ کا بیٹا تھا اور اس نے اسے اندھا کرکے قید کر دیا[1]۔ اس طرح اپنے دانشمند وزیر کی رائے سے انحراف کرکے سلطان نے چار سال تک پریشانی اٹھائی اور وزیر کا کہنا سچ نکلا کہ ان سپاہیوں کے رکھنے پر جتنا خرچ ہوتا ہے ان کے نکال دینے پر اس سے کئی گنا زیادہ خرچ ہوگا۔

خلیفہ اور سلطان کے درمیان مصاہرت

شوال ۴۸۰ھ میں خلیفہ مقتدی کی جانب سے فخر الدولہ ابونصر بن جہیر سلطان کے پاس اصفہان بھیجا گیا تاکہ خلیفہ سے اس کی بیٹی کا پیغام دے۔ سلطان نے اسے نظام الملک کے ساتھ ترکان خاتون کے پاس بھیجا، اور ان دونوں نے خلیفہ کے پیام کا ذکر کیا۔ خاتون نے جواب دیا کہ شاہ غزنی اور ماوراءالنہر کے متعدد خوانین نے اپنے اپنے بیٹوں سے لڑکی کا پیام دیا ہے، اور وہ لوگ

[1] ابن اثیر ج ۱۰، ص ۴۸ و ۵۰۔ زبدۃ النصرہ، ص ۷۱۔ حمد اللہ مستوفی نے اس بغاوت کا ذکر کیا ہے مگر سن غلط لکھا ہے اور اس کا یہ بیان بھی غلط ہے کہ تکش نے نیشاپور کا محاصرہ کر لیا تھا۔

چار لاکھ دینار کا چڑھاوا پیش کر رہے ہیں، اگر خلیفہ اتنا مال دینے پر راضی ہوں تو وہ سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ اس پر سلطان کی پھوپھی ارسلان خاتون نے جو خلیفہ القائم بامر اللہ سے بیاہی گئی تھی، خاتون کو سمجھایا کہ "خاندانِ خلافت سے رشتہ ہونے میں ہمارے لیے جو شرف ہے وہ ان لوگوں سے رشتہ ہونے میں نہیں ہے، وہ لوگ خلیفہ کے خادم اور غلام ہیں۔ ان کو اس سے کیا نسبت؟ خلیفہ جیسے شخص کے سامنے مال کا ذکر کرنا مناسب نہیں ہے۔" آخر خاتون راضی ہو گئی، مگر یہ شرط کر لی کہ پچاس ہزار دینار کا مہر معجل بندھے گا، میری لڑکی کے سوا خلیفہ کے پاس کوئی بیوی یا لونڈی نہ ہوگی، اور خلیفہ اس کی خواب گاہ کے سوا کہیں اور شب باشی نہ کرے گا۔ یہ شرطیں منظور کر لی گئیں۔ ملک شاہ نے فخر الدولہ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بات پکی کر لی اور صفر سنہ ۴۷۵ھ میں فخر الدولہ واپس بغداد گیا۔

پانچ سال بعد محرم سنہ ۴۸۰ھ میں لڑکی وداع ہو کر دار الخلافہ بھیجی گئی۔ اس کے جہیز کا سامان ۱۳۰ اونٹوں، ۷۴ خچروں اور ۳۰ گھوڑوں پر بار تھا۔ اونٹوں پر دیبائے رومی کی جھولیں پڑی ہوئی تھیں اور ان پر سونے چاندی کا سامان بار تھا۔ اور تین عماریاں تھیں۔ خچر دیبائے ملکی کے جھولوں اور سونے چاندی کے گھونگھروؤں اور قلادوں سے آراستہ تھے اور چھ خچروں پر چاندی کے صندوق جواہرات اور زیورات سے بھرے ہوئے لدے تھے۔ گھوڑوں پر مرصع بجواہر طلائی زین کسے ہوئے تھے۔ اس جہیز کے آگے آگے سعد الدولہ گوہر آئین اور امیر برنقش وغیرہ چل رہے تھے۔ نہر معلیٰ سے جب یہ جلوس گزرا تو وہاں کے لوگوں نے دینار اور قیمتی کپڑے نچھاور کیے۔ جب یہ جہیز دار الخلافہ پہنچ گیا تو خلیفہ نے اپنے وزیر

ابو شجاع کو ایک نہایت خوبصورت اور بیش قیمت تحفے اور تین سو مشعل بردار خادموں کے ساتھ ترکان خاتون کے پاس بھیجا۔ ابو شجاع نے حاضر ہو کر سلطانہ سے عرض کیا کہ مولانا امیر المومنین فرماتے ہیں ان اللہ یامرکم ان تودوا الامانات الیٰ اھلھا (اللہ حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالکوں کے حوالے کر دو)۔ سلطانہ نے جواب دیا: بسر و چشم۔ اس کے بعد دلہن ایک پرشکوہ جلوس کے ساتھ روانہ ہوئی۔ وداع کی رسم شروع ہونے سے پہلے ہی ملک شاہ بغداد سے باہر شکار کھیلنے کے بہانے چلا گیا۔ اس کے پیچھے نظام الملک نے تمام کام انجام دیا۔ وداع کے جلوس میں وہ خود اعیانِ سلطنت کے آگے آگے تھا اور ہر امیر کے ساتھ بہت سی شمعیں اور مشعلیں تھیں۔ ان کے بعد امرائے دولت کی خواتین کے محفے تھے، جن میں سے ہر ایک اپنے پورے تجمل کے ساتھ خادموں اور جلو برداروں اور مشعل برداروں کی جھرمٹ میں چلی جا رہی تھی۔ ان کے بعد دلہن سونے کے مرصع بجواہر محفے میں آئی جس کے گرد دو سو ترک لونڈیاں عجیب عجیب خوبصورت سواریوں پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ یہ جلوس ایسا شاندار تھا کہ بغداد والوں کو سالہا سال یاد رہا۔ زفاف کے بعد دوسرے روز خلیفہ نے ترکان خاتون اور تمام خواتین کے لیے خلعت بھیجے اور امرائے سلطنت کو ولیمہ کی دعوت دی، جس میں سلطنت کے بڑے سے لے کر چھوٹے تک تمام ملازموں اور اہل خدمت و مناصب کو کھانا کھلایا گیا اور خلعتوں سے سرفراز کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس دعوت میں صرف شکر چالیس ہزار من خرچ ہوئی تھی۔ بغداد نے بہت سی شاہی شادیاں دیکھی تھیں، مگر ابن اثیر کہتا ہے کہ اس

شان کی شادی کبھی نہیں دیکھی گئی۔[1]

مصاہرت کے سیاسی نتائج

یہ مصاہرت جتنی شادمانی کے ساتھ کی گئی تھی، اس کے نتائج اتنے ہی زیادہ ناخوشگوار ہوئے۔ شاہزادی کے بطن سے خلیفہ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام ابوالفضل جعفر تھا۔ اس لڑکے کے وجود نے بعض نہایت پیچیدہ سیاسی مسائل چھیڑ دیئے جن کی وجہ سے خلیفہ اور سلطان میں اختلافات کی خلیج وسیع تر ہوتی چلی گئی، اور ان سیاسی اختلافات کا اثر خانگی زندگی پر بھی پڑا۔ خلیفہ اور شاہزادی کے تعلقات روز بروز خراب ہوتے گئے، یہاں تک کہ بیٹی نے باپ سے شوہر کی بے رخی اور تغافل کی شکایت کی۔ آخرکار ربیع الاول سنہ ۴۸۲ھ میں فرمانروا باپ نے نازپروردہ بیٹی کو سسرال سے میکے بلوالیا، اور اصفہان آنے کے بعد اسی سال ذی قعدہ میں اس کا انتقال ہوگیا۔[2]

اب جو مخالفت چھپی ہوئی تھی وہ علانیہ ظاہر ہونے لگی۔ حد یہ ہے کہ جب بلادِ ترک میں سلطان کی فتوحات کا بشارت نامہ بغداد آیا تو خلیفہ کے وزیر ابوشجاع نے بھری محفل میں کہا کہ "اس میں کون سی خوشخبری کی بات ہے، کیا یہ بلادِ روم کی فتح ہے کہ ہم اس پر خوش ہوں؟" آخرکار سنہ ۴۸۵ھ میں خلیفہ اور سلطان

---

[1] ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۴۸ - ۴۹ - ۶۵ - ۶۶ - زبدہ، ص ۶۲ و ۶۳ - ابن خلکان حرف م ترجمۂ ملک شاہ۔ روضۃ الصفا، ج ۳، ص ۱۶۹ - ج ۴، ص ۱۰۲۔

[2] ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۷۲۔ روضۃ الصفا، ج ۳، ص ۱۶۹ - ج ۴، ص ۱۰۲۔

کے درمیان کشمکش شروع ہوگئی۔ پہلے سلطان کی جانب سے ابوشجاع وزیر کے عزل کا بشدت مطالبہ کیا گیا جس کی خلیفہ کو تعمیل کرنی پڑی۔[1] پھر ملک شاہ نے مطالبہ کیا کہ خلیفہ اپنے بڑے بیٹے المستظہر باللہ کو ولی عہدی سے معزول کر کے اس کے نواسے ابوالفضل جعفر کو ولی عہد بنالے۔ خلیفہ کی جانب سے انکار ہوا۔ ادھر سے اصرار بڑھا، اور آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ سلطان نے مُقتَدی کو بغداد سے نکالنے کا عزم کر لیا اور اسے مطلع کر دیا کہ بغداد کو جعفر کے سپرد کر کے بصرہ، یا دمشق یا حجاز میں سے کسی ایک مقام پر چلے جاؤ۔ مگر قبل اس کے کہ یہ جھگڑا کسی خطرناک نتیجے تک طول کھینچتا، سلطان کا انتقال ہوگیا اور خلافت و سلطنت کا تصادم ہوتے ہوتے رہ گیا۔ بعد کو لوگوں نے اسے خلیفہ کی کرامت سے منسوب کیا اور قصے مشہور ہوگئے کہ سلطان خلیفہ کی بددعا کا شکار ہوگیا۔[2]

---

[1] ابن اثیر، ج ۱۰، ص ۷۶۔ زبدہ، ص ۷۸۔

[2] ابن خلکان حرف م ترجمۂ ملک شاہ۔ زبدہ، ص ۷۰۔

سلاجقہ
سید ابوالاعلیٰ مودودی
ہماری مطبوعات
ادارہ ترجمان القرآن